شہیدِ کربلا

حسین ابنِ علیؑ

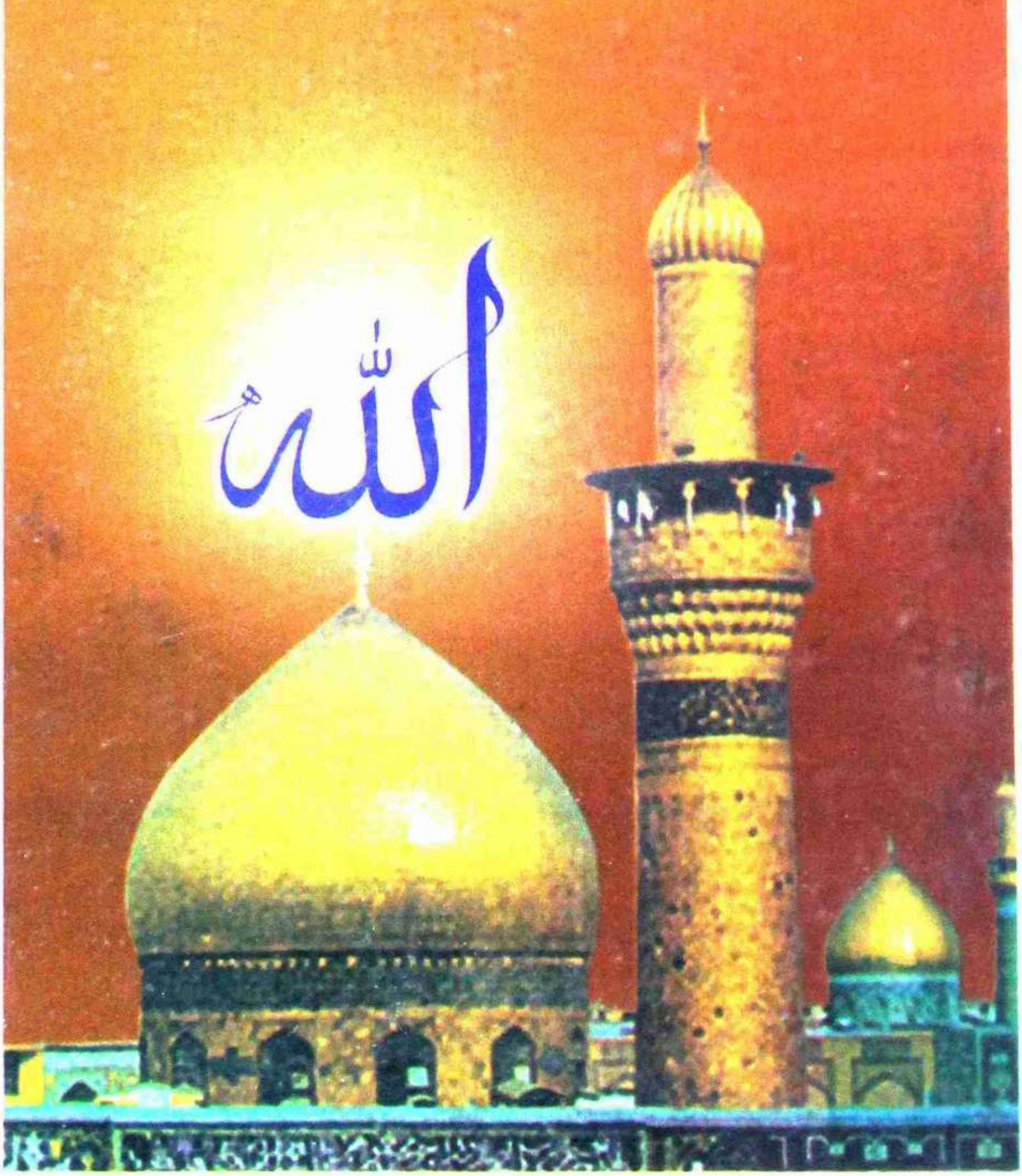

دار الثقافة الاسلامية
۱۴۰۳ھ
پاکستان

دار الثقافة الاسلامية پاکستان

فون 2431677

شہیدِ کربلا

حسین بن علیؑ

تألیف

هاشم معروف حسنی

(لبنان)

بضمیمہ

تاریخِ حیات وقیامِ امام حسین علیہ السلام

اقتباس از کتاب تاریخ اسلام جلد سوم

دارالثقافۃ الاسلامیۃ پاکستان

رحمت اللہ بک ایجنسی
کاغذی بازار، کھارادر، کراچی ۷۴۰۰۰
فون 2431577

بسم اللہ الرحمن الرحیم

NAJAFI BOOK LIBRARY
Managed by Masoomeen Welfare Trust (R)
Shop No. 11 M.L Heights,
Mirza Kaleej Baig Road,
Soldier Bazar Karachi-74400, Pakistan

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

نام کتاب ـــــــــــــــــــــ شہیدِ کربلا

تألیف ـــــــــــــــــــــ ہاشم معروف حسنی

ناشر ـــــــــــــــــــــ دار الثقافۃ الاسلامیہ پاکستان

طبع اول ـــــــــــــــــــــ ربیع الاول ۱۴۲۴ھ

عزاداری مظلوم کی حمایت کرنے کی دعوت ہے

عزاداری مظلوم کی حمایت کرنے کی دعوت ہے۔ مظلوم جب ظالم سے تنگ آجاتا ہے اور مقابلہ کرنے کی طاقت نہیں رکھتا تو کسی ایسی جگہ جا کر اپنے ساتھ ہونے والے مظالم کے خلاف مظاہرہ کرتا ہے اور لوگوں سے اپنی حمایت و مدد کا طالب ہوتا ہے۔ دنیا کے اقوام وملل ایسی فریاد سننے اور دیکھنے کے بعد بغیر کسی رنگ و نسل دین و مذہب پوچھے بغیر اس مظلوم کی حمایت کرتے ہیں۔ ہر وہ انسان جو ظالم سے وابستہ نہ ہو اس مظلوم کے گرد جمع ہوتا ہے۔ انسان کی مظلوم سے غیر مشروط حمایت دیکھ کر بعض ظالم پیشہ جب کسی پر ظلم کرنا چاہتا ہے تو وہ پہلے خود کو مظلوم ظاہر کرتا ہے۔ چنانچہ حالیہ بین الاقوامی واقعات میں دنیا کا مانا ہوا پیشہ ور ظالم جس نے مسلمانوں پر ظلم ڈھانے کیلئے پہلے خود کو مظلوم بنایا اور پھر مسلمانوں پر ظلم کی بارش کی۔ لہٰذا تاریخ بشریت میں یہ ایک نمایاں سنت رہی ہے۔

مکتب تشیع سے تعلق رکھنے والے اپنے آئمہ طاہرینؑ کی ہدایت پر عرصہ قدیم سے امام حسینؑ کی مظلومانہ شہادت پر ہر سال ایک عشرہ آپؑ کی یاد میں مناتے ہیں۔ تاکہ مظلوم کے حامیوں میں اضافہ ہو اور ظالمین سے نفرت اور بیزاری کا اظہار ہو۔ لیکن حالات یہ بتاتے ہیں کہ مظلوم کی حمایت میں اضافہ ہونے کی بجائے حامیوں میں محسوس طریقہ سے کمی آرہی ہے۔ بلکہ فریاد کرنے والوں کی مخالفت میں اضافہ ہو رہا ہے۔ یہ ایک لمحۂ فکریہ ہے۔ مکتب تشیع سے تعلق رکھنے والے عزاداری امام حسینؑ کے مراسم ادا کرنے والے ارباب حل وعقد

کواس غیر فطری حالات کے بارے میں سوچنا چاہیے۔ کہ آخر مظلوم ہونے کے باوجود کیوں ہماری حمایت میں کمی اور مخالفت میں اضافہ ہو رہا ہے۔ اگر مسئلہ کچھ اور ہوتا تو یہ سوچ سکتے تھے کہ ہمارے مخالف زیادہ طیش میں آ گئے ہیں لیکن ہم تو مظلوم ہیں اور مظلوم پر کوئی طیش میں نہیں کرتا۔ مظلوم اگر ظالم کے دربار میں ہی کیوں نہ جائے ظالم بے بس اور شرمسار ہو جاتا ہے۔

لہٰذا ہمارے ارباب حل وعقد کو اس مسئلے پر ہر قسم کے مفادات کو بالائے طاق رکھ کر اس پر سوچنا چاہیے۔ میں آپ سے یہ کہتا ہوں کہ اس مسئلہ پر سوچنا بذات خود مظلوم کی حمایت ہے اگر آپ مظلوم کی حمایت کرنے والے ہیں تو اس مسئلہ پر سوچیے۔

ہماری عزاداری سے اس ملک میں بسنے والے مسلمان بھی پریشان و نالاں ہیں ایام عزا میں وہ بھی یہ کہتے ہیں خدایا اس عشرہ محرم کو خیریت سے گذار دے کیونکہ ان کے بقول ان ایام میں شیعہ طیش میں ہوتے ہیں کسی کی بات نہیں سنتے۔ حکومت کے ذمہ دار افراد اپنی جگہ پریشان ہوتے ہیں کہ کہیں کوئی ایسا واقعہ نہ پیش آ جائے کہ جس کی وجہ سے انکا سٹار اترنے کی نوبت آئے۔ اسکے علاوہ ہم خود اپنی جگہ پریشان ہوتے ہیں کہ ہم حمایت حاصل کرنے کی بجائے خود ظلم کا نشانہ نہ بن جائیں۔

دنیا کے بہت سے مظلوم اب ظالم بن چکے ہیں یعنی اپنی مظلومیت بتانے اور دکھانے میں ظالم بن چکے ہیں۔ نعوذ باللہ اگر عزادار خود ظالم ہوں تو چودہ سو سال گذرنے کے بعد بھی امام حسینؑ کی مظلومیت میں اضافہ ہوگا اس لحاظ سے ہمیں پہلے مرحلہ میں یہ دیکھنا ہوگا کہ ظالم کسے کہتے ہیں اور مظلوم کی کیا تعریف ہے۔ عقل وشرع اور لغت تینوں' ظالم ومظلوم کی ایک ہی تعریف کرتے ہیں۔ ظالم اسے کہتے ہیں جو اپنے لئے مقرر شدہ حدود سے نکل جائے

اور مظلوم اسے کہتے ہیں جسکی حدود میں کوئی داخل ہو جائے اور اگر مظلوم عدل و انصاف طلب کرتے ہوئے اپنی حدود سے تجاوز کر جائے تو وہ وہیں سے ظالمین کی صف میں شامل ہو جائے گا اور اپنی حمایت کھو بیٹھے گا اور جو نفرت ظالم کو حاصل ہے وہ اسے بھی ملے گی۔

آیئے دیکھتے ہیں کہ کہیں ہم اپنی حدودِ مظلومیت سے زیادہ آواز بلند کرنے اور حمایت حاصل کرنے کے طور طریقے سے تجاوز تو نہیں کر رہے ہیں یعنی کہیں خود مظلومیت سے نکل کر ظالم تو نہیں بن رہے ہیں۔ قرآن کریم اور سیرت طیبہ خاتم الانبیاءؐ جو کہ ہر مسلمان کیلئے حدود معین کرنے کا مصدر و مآخذ ہے ان دونوں کی روشنی میں ہمیں اپنی عزاداری کے تمام رسم و رواج اور طور طریقوں کو اپنانا چاہیے اور ان سے طلب بیان کریں کہ کیا ہم آپ کی مقرر کردہ حدود کے اندر ہیں یا نہیں۔ خداوند عالم قرآن میں فرماتے ہیں کہ جو میری حدود سے تجاوز کرتے ہیں وہ ظالم ہیں۔ اس تناظر میں ہم عناصر ترکیب عزاداری کو دیکھتے ہیں کہ ہماری عزاداری کن چیزوں سے مرکب ہے:

۱۔ خود امام حسینؑ کی ذات مبارک ہے کہ کہیں ہمارے فضائل اور مصائب گوئی میں خود امام حسینؑ کی ذات ظلم کا نشانہ تو نہیں بن رہی ہے؟ ہم ظالم بن رہے ہوں۔ جبکہ حسینؑ مظلوم ہیں تو ایسی صورت میں ہمارا شمار حسینؑ کی صف میں شامل ہونے کی بجائے یزید ،شمر اور ابن زیاد کی صف میں ہوگا جنہوں نے دشمن کی حیثیت سے آپ کا مقام گرانے کی کوشش کی اور جبکہ ہم دوستی کی زبان سے ایسا کر رہے ہوں۔

۲۔ جہاں ہم عزاداری کرتے ہیں یا جن جگہوں سے عزاداری کرتے ہوئے گزرتے ہیں ہمارے اس عمل سے ہمارے اہل وطن خواہ مسلمان ہوں یا غیر مسلم ان کے ساتھ زیادتی تو نہیں ہو رہی ہے اگر ہو رہی ہے تو ہم خود ظالم بنیں گے اگرچہ آپ اسے اپنا

حق ہی کیوں نہ سمجھتے ہوں۔ اگر چور کسی کے گھر میں داخل ہو کر یہ کہے کہ یہ میرا حق ہے تو اسکی یہ منطق قبول نہیں ہوگی۔

۳۔ امام حسینؑ کے قیام کا ایک مقصد و ہدف تھا جو آپؑ کے خطبات و کلمات اور سیرت سے واضح ہیں، کہ اسلام کی سربلندی، مسلمانوں کی وحدت و یکجہتی تھے کہیں ہماری عزاداری اسلام سے بے اعتنائی اور مسلمانوں میں افتراق اور انتشار کا سبب تو نہیں بن رہی ہے اگر ایسا ہے تو ہم امام حسینؑ کے اہداف و مقاصد پر ظلم کر رہے ہیں جو امامؑ پر ہونے والے مظالم سے بھی بدتر ہے۔

۴۔ چوتھا عنصر خود عزادار ہیں یعنی جو اپنے آئمہؑ کے فرمودات کے تحت امام حسینؑ کے قیام کے اہداف و مقاصد کو دنیا کے دیگر گوشہ و کنار اور اقوام و ملل اور آنے والی نسلوں تک پہنچانے کا کردار ادا کر رہے ہیں۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ ہم واسطہ بننے کی بجائے خود ہدف بن رہے ہوں اور حسینؑ ہمارے اس ہدف کے وسیلہ کے طور پر استعمال ہو رہے ہوں۔

آیئے دیکھتے ہیں کہ یہ چار عناصر اپنی حدود میں قائم ہیں یا اپنی حدود سے نکل چکے ہیں۔

ہماری عزاداری جو اس وقت رائج ہے یہ کہاں اپنی حدود سے نکل رہی ہے اور کہاں ظلم ہو رہا ہے۔

۱۔ خدا پر ظلم ہو رہا ہے کیونکہ خطیب اور مقرر خدا کو بے بس دکھاتے ہیں تدبیر اور تخلیق کے نظام کو علی ابن طالبؑ سے وابستہ و مربوط کرتے ہیں جو ایک بہت بڑا ظلم ہے۔

۲۔ دین و شریعت اور عقائد و فروعات ایک مکمل نظام حیات ہے جو دنیا کی سعادت اور آخرت کیلئے باعث نجات ہے۔ ان سب کو چھوڑ کر صرف عزاداری ہی کو مذہب بنا رہے ہیں اور اس میں بھی شریعت کی معین کردہ حدود کو چاک کر کے مرد و عورت بے

حجابی کے عالم میں یورپ اور غیر مسلموں کے اجتماع جیسا مظاہرہ کررہے ہیں اور انکی اسلام سے وابستہ ہونے کی کوئی نشانی نظر نہیں آتی ہیں۔

۳۔امام حسینؑ ہی ان مصائب کا مرکز ومحور ہیں۔لہٰذا آئمہ طاہرینؑ نے صرف امام حسینؑ کی مصیبت کو اٹھایا،اگر اہلبیتؑ پر کوئی مصیبت آئی تو حسینؑ کی مصیبت کو یادکیا۔لیکن ہماری عزاداری میں' ان کے رکاب میں موجود ان بھائیوس ،بیٹوں، برادرزادوں،آپ کی خواہرو بیٹیوں اور زوجہ کی بجائے فرضی زوجات ام حبیبہ، شیریں پر رویا جاتا ہے تعجب ہے کہ ظلم کس پر ہوا اور رویا کس پر جارہا ہے۔ظلم اس کائنات کے اشرف المخلوقات اور منتخب شدہ گھرانے پر ہوا اور مصیبت اونٹ، ہرن اور گھوڑے پر پڑھی جائے۔

۴۔قیام حسینی جو اس وقت تک دنیا میں زندہ ہے جس سے قدیم کتب تاریخ پُر ہیں اسے چھوڑ کر قصے کہانیوں، خوابوں اور سنی سنائی باتوں کو پڑھا جاتا ہے جو بذات خود تاریخ حسینؑ پر ظلم ہے کیونکہ اصل تاریخ کو چھوڑ کر جعلیات بیان کی جاتی ہیں۔

۵۔عزاداری' جیسے پہلے بیان ہو چکا ہے کہ مظلوم کے حامیوں کی تعداد میں اضافہ کرنا ہے یہاں اضافہ تو درکنار عزاداری قوموں اور گروہوں میں بٹ گئی ہے اور ہر قوم کی علیحدہ نوحہ خواں پارٹیاں ہیں۔

۶۔امام حسینؑ اپنے اس قیام کیلئے جو اسلحہ لے کر گئے تھے وہ قرآن کریم اور سنت رسولؐ سے استدلال تھا عقل ومنطق ضمیر ووجدان سے گفتگو یہ تمام حسین ابن علیؑ کی طاقت اور نہ ختم ہونے والا اسلحہ تھا۔ جب کہ عزاداروں کی کوشش ہے کہ قیام امام حسینؑ اور انکی عزاداری کو عقل سے خارج کیا جائے اور اسے ایک صوفیانہ مسلک بنا

دیا جائے جہاں عقلاء کیلئے دروازہ بند ہے۔

۷۔سب سے بڑا ظلم جھوٹ ہے جو عزاداری میں شامل ہو رہا ہے۔ ذاکرین کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ اس جھوٹ کو کسی نہ کسی کتاب کی طرف نسبت دے کر پڑھا جائے کیونکہ یہ اشک آور ہیں۔ جب کہ قرآن نے جھوٹ کو ظلم قرار دیا ہے جسکا ذکر ان آیات میں ہیں:

﴿ومن اظلم ممّن افترٰی علی اللہ کذبًااو کذب بایٰتہ﴾ ''اس سے زیادہ ظالم کون ہوسکتا ہے جو خدا پر بہتان باندھے اور اس کی آیات کی تکذیب کرے''۔(انعام/۲۱)

﴿فمن اظلم ممن کذب علی اللہ و کذب بالصّدق اذجآء ہ﴾ ''تو اس سے بڑا ظالم کون ہے جو خدا پر بہتان باندھے اور صداقت کے آجانے کے بعد اس کی تکذیب کرے''۔ (زمر/۳۲)

﴿فمنَ اظلم ممن افترٰی علی اللہ کذبًا او کذبَ بایٰتہٖ﴾ ''اس سے بڑا ظالم کون ہے جو اللہ پر جھوٹا الزام لگائے یا اس کی آیتوں کی تکذیب کرے''۔(یونس/۱۷)

﴿ومن اظلم ممن افترٰی علی اللہ کذبًااو کذب بایٰتہٖ انہ لایفلح الظّٰلمون﴾ ''اور اس شخص سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جو اللہ پر جُھوٹا بہتان لگائے یا اللہ کی نشانیوں کو جُھٹلائے؟ یقیناً ایسے ظالم کبھی فلاح نہیں پا سکتے''۔(انعام/۲۱)

﴿فمن ممن کذّب باٰیٰت اللہ وصدف عنہا﴾ ''اب اس سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جو اللہ کی آیات کو جھٹلائے اور ان سے منہ موڑے''۔(انعام/۱۵۷)

﴿فمن اظلم ممن افترٰی علی اللہ کذبًااو کذّب بایٰتہٖ﴾ ''آخر اس سے بڑا ظالم کون ہوگا جو بلکل جھوٹی باتیں گھڑ کر اللہ کی طرف منسوب کرے''۔(اعراف/۳۷)

﴿فمن اظلم ممن افتریٰ علی اللہ کذبًا او کذب بایٰتہ﴾ ''پھر اس سے بڑھ کر ظالم اور کون ہوگا جو ایک جُھوٹی بات گھڑ کر اللہ کی طرف منسوب کرے یا اللہ کی واقعی آیات کو جُھوٹا قرار دے'' (یونس ۱۷)

۸۔ ہمارے قرب و جوار اور گذر گاہوں کے قریب رہنے والوں پر ظلم ہو رہا ہے۔ ملک میں رہنے والی اکثریت کے پیشواؤں کو بلند آواز میں سب وشتم کیا جاتا ہے۔ شریعت اور دنیا کے رائج قانون نے ایک دوسرے کیلئے ایک حدود معین کی ہیں اگر آپ اپنی حدود سے نکل کر دوسرے کی حدود میں داخل ہونگے تو یہ ظلم ہوگا۔ لہٰذا قرآن فرماتا ہے جو دوسرے کی حدود میں داخل ہوگا اس کا شمار ظالمین میں ہوگا۔ آپ ان کی گلیوں میں داخل ہو کر انہیں چیلنج کرتے ہیں انکی عبادت گاہوں اور عبادت کے مواقع پر جا کر انھیں موجودہ وقت کا یزید کہتے ہیں کیا ایسے کردار و عمل سے بھی ہم مظلوم ہی رہیں گئے۔ یا ظالمین کی صف میں شامل ہونگے۔

عزاداری امام حسینؑ اور دینی ادارے

ہمارے ملک میں عزاداری سید الشہداء علیہ السلام اور مجالس امام حسینؑ میں ہونے والی ذاکری سوز خوانی، نوحہ خوانی اور سلام و مرثیے میں جو مواد پیش کیا جاتا ہے، اس کا بیشتر حصہ من گھڑت قصوں اور افسانوں پر مشتمل ہوتا ہے۔ اس کی سب سے بڑی وجہ قیام مقدس امام حسینؑ سے متعلق مستند کتب کی عدم دستیابی، حیات و قیام مقدس ابا عبداللہ سے متعلق تحقیقی روش اپنانے میں کوتاہی اور اس موضوع پر ملک میں دروس، سیمینار اور

مذاکرات کے انعقاد کی کمی ہے۔ صد افسوس کہ ہمارا دین تو حسینؑ کے دم سے قائم ہے مگر ہمارے دینی ادارے ان حقائق سے چشم پوشی اختیار کئے ہوئے ہیں۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایسی صورتحال میں وہ قوم جو امام حسینؑ سے بے پناہ عقیدت رکھتی ہے اور عزاداری پر ہمہ وقت اپنا تن من دھن غرض سب کچھ قربان کرنے کیلئے تیار نظر آتی ہے اسے اسکی غلط روش کے خطرات سے آگاہ کون کرے؟ ہم سمجھتے ہیں کہ ان نقصانات کی طرف متوجہ کرانے کیلئے خطرہ کی اس گھنٹی کو کم از کم اب تو بج ہی جانا چاہے۔

ہمارے یہاں ہر شخص محکم یقین، عقیدت و احترام اور انتہائی جذبہ کے ساتھ یہ کہتا نظر آتا ہے کہ عزاداری ہماری شہ رگِ حیات ہے۔ یہ جملہ گویا ایک ایسی قانونی دفعہ کی حیثیت اختیار کر گیا ہے جسے انسان آخری مرحلہ پر استعمال کرتا ہے۔ پہلے مرحلہ میں اپنے دینی و مذہبی حقوق کا مطالبہ کیا جاتا ہے اگر اس طرح حقوق نہ مل پائیں تو بین الاقوامی حقوق انسانی کی دفعات کا سہارا لیتا ہے۔ جب اس سے بھی کام نہیں بنتا تو آخر میں حقوق حیات کے قانون کو اٹھاتا ہے۔ اور کہتا ہے کہ زندہ رہنے کا حق ہر ذی حیات کو حاصل ہے لہذا ہمیں بھی یہ حق ملنا چاہئیے۔

جسطرح درختوں اور دیگر سبزہ جات کے زندہ رہنے کیلئے پانی اور آکسیجن کی ضرورت ہوتی ہے اسی طرح انسانی حیات کیلئے بھی پانی کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس پانی کا نام عزاداری ہے۔ یہ پانی ہمیشہ ملنا چاہے ہمیں اس کے طلب کرنے کا حق بھی حاصل ہے۔ اس حق کو نظر انداز کرنا یا اس سے دستبردار ہونا ہمارے لئے گویا موت کو دعوت دینے کے مترادف ہے۔

اب ہم یہ دیکھنے کی کوشش کریں گے کہ وہ عزاداری امام حسینؑ جو دین اسلام کیلئے

موت وحیات کادرجہ رکھتی ہے،اس کی بقا کیلئے جوادارے قائم ہیں وہ اس سلسلے میں کس حد تک سرگرم عمل ہیں اور کہاں تک اس طرف متوجہ ہیں۔اس سے پہلے کہ ہم اصل مسئلے کی طرف آئیں ہم تمام قارئین کرام پر یہ واضح کرنا ضروری سمجھتے ہیں کہ ہمارا موروو خطاب کوئی خاص ادارہ نہیں ہے۔ ہمارا کسی سے کوئی اختلاف نہیں ہے اور نہ ہی ہم کسی سے کسی چیز کے طالب ہیں۔ایسا بھی نہیں ہے کہ کسی کی کوئی چیز ہمارے پاس ہو اور ہم بہانہ تراش کر اسے دبانا چاہتے ہوں۔ ہمارا اگر کسی سے اتفاق ہے تو وہ فکر کی بنیاد پر ہے اور اگر کسی سے اختلاف ہے تو وہ بھی فکر کی وجہ سے ہے،لہذا ہمیں کسی کی ذات سے اختلاف ہرگز نہیں ہے۔

موقوفات عزاداری

مذہب تشیع میں امام حسینؑ سے ایک خاص وابستگی پائی جاتی ہے۔اس وابستگی کے نتیجہ میں نہ صرف ہمارے ملک میں بلکہ دنیا کے ہر گوشہ میں جتنی دولت واملاک آپ کے نام سے موجود ہیں اتنی کسی اور امام کے نام سے نہیں ہیں۔ یہاں پر ان موقوفات کے اعداد وشمار بیان کرنے کی ضرورت تو نہیں اور نہ ہی اسکی گنجائش ہے۔

جب امام حسینؑ کے نام سے منسوب،مختلف شکل وصورتوں میں اتنی کثیر موقوفات موجود ہیں تو ظاہر ہے کہ ان پر وہ شرعی احکام بھی نافذ العمل ہونگے جو فقہائے کرام نے اس سلسلہ میں بیان فرمائے ہیں۔اسی لئے ان احکام کو بیان کرنے کی اشد ضرورت ہے۔علماء و فقہاء فرماتے ہیں کہ اس سلسلہ میں پانچ نکات بہت اہم ہیں:

الف۔وقف: جو چیز وقف کی گئی وہ چیز خود اپنی اصل حالت میں باقی رہنی چاہیے،

صرف اس سے حاصل ہونے والا فائدہ موقوف علیہ کے استعمال میں آسکتا ہے۔

ب۔ واقف: جو شخص کوئی چیز وقف کرتا ہے اسے واقف کہتے ہیں۔ جیسے ہی یہ وقف وقوع پذیر ہوتا ہے، خواہ وہ وقف عام ہو یا وقفِ خاص، وہ چیز واقف کی ملکیت سے خارج ہوجاتی ہے۔

ج۔ موقوف لاجلہ: جس مقصد کیلئے وقف کیا گیا ہے۔

د۔ موقوف علیہ: موقوف علیہ جس کے نام پر وقف کیا جائے۔ اگر موقوف علیہ وقف شدہ چیز کو اپنے قبضہ میں لینے کی اہلیت نہ رکھتا ہو جیسے نابالغ، دیوانہ، مجور تصرف ہو یا خود موجود نہ ہو تو ایسی صورت میں اس کے ولی یا متولی کو حق تصرف حاصل ہوجائیگا۔

ر۔ بعض موقوف علیہ ایسے ہوتے ہیں کہ جنہیں ولی کی ضرورت ہوتی تو ہے لیکن ولی نہیں ہوتا یا دوسرے لفظوں میں املاک کا کوئی سرپرست نہیں ہوتا۔ ایسی صورت میں حاکم شرعی کی ذمہ داری ہوتی ہے کہ اسکے انتظام وانصرام کا بندوبست کرے کیونکہ اس طرح کی موقوفات یا جائیداد کو متروک حالت میں نہیں چھوڑا جاسکتا۔ چناچہ قدیم زمانہ سے لیکر آج تک فقہاء کا طریقہ رہا ہے کہ اطراف واکناف میں اپنے نمائندوں کو ایک اجازت نامہ جسے ''امور حسبیہ'' کہا جاتا ہے دیکر بھیجتے رہے ہیں تاکہ وہ ایسے معاملات کو سنبھال سکیں۔ تمام علماء دین اس طریقہ کار سے اچھی طرح واقف ہیں۔

آج اگر آپ ملک کے گوشہ وکنار میں نظر ڈالیں تو آپ مشاہدہ کریں گئے کہ کتنی ہی املاک ایسی ہیں جو امام حسینؑ کے گھوڑے کے نام سے وقف ہیں۔ سوچنے کی بات یہ ہے کہ آیا ان املاک کا مالک گھوڑا یا کوئی اور جو اس کی طرف سے جائیداد پر قابض ہے؟ اگر یہ

چیزیں کسی کے قبضے میں نہیں ہیں تو پھر ان کا مصرف کیا ہے؟ کیا ان حالات میں ہزاروں کروڑوں کی املاک غیر شرعی مصارف میں ضائع نہیں ہو رہی ہیں؟ تمام اہل دین سے بالخصوص علمائے دین سے درخواست ہے کہ وہ خود بھی اس مسئلے پر غور کریں اور فقہاء و مجتہدین سے بھی دریافت کریں۔

آج سب کچھ ہوتے ہوئے بھی مکتب امام حسینؑ بے بس ہے۔ صد افسوس کہ اس قیام کی تفسیر و توضیح کرنے اور اس سے متعلق سوالات کے جوابات دینے میں عقل و منطق کے بجائے گالی گلوچ اور ڈنڈے سے کام لیا جاتا ہے۔ کیا یہ ایک المیہ اور لمحہ فکریہ نہیں ہے؟۔

تحفظ عزاداری کے نام سے مذموم عزائم کی مُہم جوئی

قارئین کرام اور سامعین ان باتوں سے اچھی طرح واقف ہیں کہ فی زمانہ ہمارے مجالس عزا کی اکثر محافل میں ذاکرین و مقررین حضرات پڑھتے ہیں تاہم ان نکات کی ایک مختصر سی فہرست پیش کرتے ہیں جن پر یہ حضرات بہت زیادہ زور دیتے ہیں۔

۱۔ عزاداری برائے عزاداری یعنی اہداف و مقاصد سے خالی اقامہ عزاداری کی دعوت دیتے ہیں۔

۲۔ تمام اہل سنت والجماعت کو دشمن اہل بیتؑ قرار دینے کی کوشش کرتے ہیں جب کہ حقیقت یہ ہے کہ اہل سنت حضرات اہل بیت اطہارؑ کے نام پر صلواۃ وسلام بھیجتے

ہیں اوران کا احترام کرتے ہیں۔

۳۔عزاداری امامؑ کو اس کے اہداف و مقاصد پر استوار کرنے اوراس کے اندر ٹھونسی گئیں خرافات کو نکالنے والوں کو عزاداری بند کرنے والوں سے مبتہم کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ درحقیقت اس سے انکا مقصد عزاداری میں نت نئے خرافات داخل کرنے کیلیئے دروازہ کھلا رکھنا ہے۔

۴۔فضائل اہلؑ بیتؑ کے نام سے تشیع میں غلواور نصیریت پھیلانے کی مہم۔

۵۔آئے دن نئے شعائر حسینی کے نام، نئی شبیہ، نئے تعزیئے کے ماڈل ایجاد کرنیکی مہم۔دراصل ان اقدامات کی آڑ میں یہ لوگ عزاداری امامؑ کو نصیّریت پھیلانے کیلیئے بطور پلیٹ فارم استعمال کرتے ہیں۔

۶۔برملا حکمران اوراکثریتی طبقہ کی مذمت کر کے ملت تشیع کو خوفزدہ اور ہنگامی حالات اور غیر یقینی زندگی میں مبتلا رکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔جبکہ تحفظ عزاداری کے صحیح مصداق ومفہوم یہ ہیں:

ا۔حیات و قیام حسینی کے تاریخی صفحات کو ہر قسم کے تغیر وتحریف (کمی پیشی) سے محفوظ رکھنا۔

۲۔عزاداری امام حسینؑ جن مقاصد کیلیئے آئمہؑ نے قائم رکھنے کی سفارش کی ہے انہی مقاصد کی راہ پر اقامہ کرنا۔

۳۔ان مجالس عزاء میں ہر فرد مسلمان بلکہ ہر ظالم سے نفرت اور مظلوم کی حمایت کے خواہاں افراد کو شرکت کی دعوت دینا اوران کی شرکت کی گنجائش رکھنا۔

۴۔ہر قسم کے تقسیم اور گروہ بندی کے عوامل کو اس سے دور رکھنا۔

۵۔ ہر دن اس کے اجتماع اور مراسم کو بارونق اور بامعنی اور ناظرین وسامعین کے لئے محفوظ بنانا تحفظ عزاداری کا صحیح مفہوم ہے۔

قصہ گریہ

مجالس امام حسینؑ جنہیں بعض بزرگان دین ومذہب نے مدارس امام حسینؑ کہا ہے۔ اسی لئے اس میں شریک طالبان علم ومعرفت کیلئے خاص امتیاز وسند کی بنیاد پر کلاس بندی قائم نہیں ہوئی ہے بلکہ اس میں شریک آزاد قلب سلیم، وجدانِ پاک، عقل خالص رکھنے والے چھوٹے بڑے، سیاہ وسفید، افسر وملازم (جس طرح نماز وطواف میں کسی قسم کی طبقہ بندی اور امتیازات نہیں ہیں) یہاں بھی کوئی فرق وامتیاز نہیں ہے۔ مجالس امام حسینؑ ایک مدرسہ ہے۔ لیکن بدقسمتی سے یہ مدرسہ ایک طویل عرصہ سے اپنی حقیقی جائے گاہ (مقام و منزلت) سے ہٹادیا گیا ہے۔ اسی وجہ سے اس کے متوقع نتائج وثمرات سے امت اسلامی بالعموم اہل تشیع (عزداران امام حسینؑ) تنہا محروم نہیں ہورہے بلکہ عزاداری کے منعقد کرنے کے سلسلے میں مشکلات ومصائب کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے ان سب کی برگشت، ہدف حسینؑ مقصد حسینؑ گریہ کیلئے مختص ہیں نہ کہ حسینؑ گریہ کیلئے ان تمام مسائل کا خلاصہ گریہ کی صورت میں ہوا ہے۔ انحرافات کے عوامل واسباب کا تجزیہ وتحلیل کریں۔ تو اس کا ایک بڑا سبب ''قصہ گریہ'' ہے۔ یعنی امام حسینؑ کی مصیبت میں رونا یا بقول رونے جیسی شکل بنانا بغیر کسی شرط وشروط کے عبادت ہے۔ مجالس امام حسینؑ میں اس عنصر کو ایسا مقام ومرتبہ دیا گیا ہے۔ کہ اس میں موجود عقلی اور شرعی شرائط کو نکالنے پر تنہا اکتفاء نہیں کیا گیا بلکہ اس کے حصول کیلئے نہ صرف غلط راستے اپنائے گئے بلکہ قول وفعل حرام جیسے جھوٹ وغیرہ کے ارتکاب سے

بھی مدد لینا جائز سمجھا گیا ہے۔اس بھی زیادہ انحراف، رونا جو کہ دلوں کو قافلہ حسینیؑ کی طرف کشش کرنے کا وسیلہ تھا وہی ہدف میں تبدیل ہو گیا یعنی رونا وسیلہ نہیں بلکہ ہدف بن گیا ہے اور حسینؑ اس کا وسیلہ بنے ہیں۔اس کی دلیل یہ ہے کہ مجالس امام حسینؑ سے خطاب کرنے والے رونے رلانے کیلئے مضحکہ خیز قصے کہانیوں سے رلاتے ہیں۔چونکہ ان کے نزدیک آنکھوں میں موجود بادلوں کی نمی کو قطرات کی صورت میں اتارنے کیلئے یہ قصے ہی مؤثر ثابت ہوتے ہیں۔لہٰذا کوئی چیز تجربہ سے رلانے میں کامیاب ومؤثر ثابت ہو اس کیلئے کسی سند کی ضرورت نہیں پڑتی۔اسی سلسلہ میں سوال کریں تو جواب ملتا ہے کہ ضروری تو نہیں کہ ہم قدیم اسناد سے ثابت کریں بلکہ سند میں بھی ہم نئی ایجادات سے مدد لے سکتے ہیں آیئے دیکھتے ہیں کہ یہ جو قصے کہانیاں رونے رلانے میں مؤثر ثابت ہوتے ہیں ان کے مآخذ، مصادر کہاں سے لئے جاتے ہیں۔یقیناً ایک اسلام شناس عالم دانشمند دانشور کو چاہیے کہ جس واقعہ کا ذکر کرے وہ واقعہ جس سن میں وقوع پزیر ہوا ہے اس سن میں موجود یا اس کے قریب ترین افراد یا کتب سے ملنا چاہیے۔واقعہ کربلا سب جانتے ہیں کہ ۶۱ ہجری میں وقوع پذیر ہوا اس لئے اس واقعہ کے بارے میں پہلے پہل لکھی گئی تاریخ ومقاتل میں کونسی کتابیں ہیں۔اور یہ قصے اور کہانیاں جو اس وقت رائج ہیں وہ کتنے سال بعد لکھی گئی کتابوں سے لئے گئے ہیں اور انھوں نے اس کی سند کہاں سے لی ہے اور اس پر کس حد تک اعتبار کیا جاسکتا ہے یا پھر اس کی کوئی سند نہیں ہے بلکہ یہ سینہ بسینہ زبان بہ زبان نقل ہے۔

اب ذرا مختصر سا ان قصہ کہانیوں کی فہرست کا جائزہ لیتے ہیں گرچہ آپ کیلئے یہ کوئی نئی چیز نہیں لیکن یہاں تذکر کے طور پر پیش کرتے ہیں۔ورنہ یہ قصے کہانیاں ایک عرصہ سے چل رہی ہیں۔

۱۔قصہ عروسی حضرت قاسم بن حضرت امام حسنؑ: یہ شادی کس عمر میں کس لڑکی سے کس وقت اور کس حالت میں ہوئی ہے ۔کونسی مستند تاریخ میں ہے۔ اگر اس غم انگیز اور لاشوں کی نقل وحرکت اور عزیزوں کے آہ وفغاں کے دوران ایسی حالت میں یہ شادی انجام پائی ہو اور دور حاضر میں اس کے مراسم کو پورے علاقائی رسومات کے تحت مناتے ہیں تو ان غیر شیعوں کو جوان دو مہینے میں ازدواجی مراسم انجام دیتے ہیں ان کو اپنے غیض وغضب کا نشانہ بنا کر لشکر یزیدی کے ہم نوا کیوں قرار دیتے ہیں؟ اور اس پر اہل تاریخ ومقاتل کس حد تک اعتبار کر سکتے ہیں۔

۲۔قصہ فاطمہ صغریٰ: امام حسین سے منسوب کتنی بیٹیاں تھیں جن میں سے ایک مریض وعلیل تھی جسے آپ مدینہ چھوڑ کر کربلا تشریف لے گئے اور اس سے ایسی کہانیاں وضع ہوئیں ہے جو ادنیٰ سا جاہل بدو گھرانے والی لڑکی بھی نہیں کر سکتی۔ امام کی کتنی بیٹیاں تھیں؟ ان میں سے کتنی آپ کے ساتھ تھیں؟ ایک حسن مثنیٰ کے عقد میں تھیں اور دو اور بیٹیاں شام غریباں کو میدان کربلا میں بغل گیر ہو کر وفات پا گئیں۔ایک نے شام کے زندان میں وفات پائی ایک سکینہ اور ایک رقیہ تھیں جنھوں نے بھی وفات پائی تو کونسی بیٹی تھی جس کو قاسم کے عقد میں دیا تھا۔ پہلے لڑکیوں کی تعداد اور ان کی ماؤں کا ذکر کریں اور اپنی تاریخ کو صاف ستھراء مدلل اور مستند پیش کریں امامؑ کی تمام قربانی کو اپنی مجلس کی کامیابی کیلئے قربان نہ کریں۔

۳۔طفلان مسلم بن عقیل: حضرت مسلم بن عقیلؑ کے دو جواں فرزند جو صاحبِ شجاعت وشہامت اور فضائل وکمالات میں اپنے باپ کے وارث تھے کربلا کے میدان میں بعض تاریخ مقاتل کے تحت اولین شہداء ابو طالبؑ شمار کئے جاتے ہیں۔جبکہ یہ دونو ں

نابالغ بچے کیسے اور کہاں سب سے الگ ہوئے اور کوفہ میں قتل ہوئے اور ان دونوں کی کیا فضیلت وامتیاز ہے کہ جس کی بنیاد پر ان معصوم بچوں کا تو ذکر ہو اور وہ دونوں جوان جو کربلا میں شہید ہوئے ان کا ذکر اس فہرست سے محو ہو۔ اگر شیخ طائفہ شیخ صدوق علیہ رحمہ سے کوئی بھی واقعہ ولو موازین عقل ونقل، تاریخ سے متصادم ومتعارض بھی ہو من وعن قبول کرنا چاہیے تو پھر شیخ طائفہ سے منسوب ایک نقل کہ خمس شیعوں کیلئے مباح ہے۔ تو پھر کیوں اسے دونوں ہاتھ بڑھا کر وصول کرتے ہیں، خمس نہ دینے والوں کو کیوں مرتد وغاصب کہتے ہیں شیخ طائفہ سے منسوب ایک قول سہوالنبی ہے یعنی نبی سہو (بھول سکتا) کرسکتا ہے، اس قول کو کیوں نہیں اپناتے۔ غیر معصوم کتنی ہی جلیل القدر ہستی کیوں نہ ہو اس سے غلطی کی گنجائش رکھی جاسکتی ہے۔ بالخصوص گزشت زمان کے ساتھ ان کی کتابوں میں بھی کمی بیشی ہونے کی گنجائش ہے۔ لہٰذا علماء ہمیشہ نسخہ اصلی تلاش کرتے ہیں تاکہ موجودہ کتاب کا اس سے موازنہ کریں۔

۴۔ قصہ ام حبیبہ: یہ ام حبیبہ نامی خاتون کون تھیں، یہ کیسے امام کے عقد میں آئیں کس بنیاد پر امامؑ نے ان کو طلاق دی اور کس کتب تاریخ ومقاتل میں ان کا ذکر ملتا ہے۔

۵۔ قصہ شیریں: یہ قصہ بھی قصہ ام حبیبہ کی طرح ہے۔

۶۔ حیوانوں سے منسوب کرنا: رونا وسیلہ سے نکل کر اب ہدف بن چکا ہے اس کا واضح ثبوت یہ قصہ ہے؛ جو حیوانوں سے منسوب ہے۔ آیا کسی حیوان کے طور طریقہ پر رونا امام حسینؑ پر رونا ہے۔ اسی طرح اونٹوں کا امام سجادؑ سے خرابہ شام سے گزرتے ہوئے بات کرنا اور گفتگو کرنا وغیرہ۔

۷۔ بنی اسد کے بچوں کا قصہ: اس سے بھی زیادہ مضحکہ خیز قصہ بنی اسد کے بچوں کا ہے کہ

جس میں امام حسینؑ نے واقعہ کربلا سے پہلے بنی اسد کے بچوں کو اپنے پاس بلا کر کہا کہ اگر ہم یہاں مارے جائیں، اور ہمیں دفنانے والا کوئی نہ ہو تو تم اپنے دامنوں میں مٹی بھر کر آنا اور کھیلتے ہوئے ہمارے اجساد پاک پر ڈالنا۔ تمہارا کھیل ہو جائے گا اور ہم دفن ہو جائیں گے۔

۸۔ حضرت علی کا شام غریباں میں کربلا میں آنا: کربلا کے میدان میں شام غریبان کو حضرت زینب کا پہرہ دینا اور امیر المومنین حضرت علیؑ کا حضرت زینب کو پرسا دینے کیلئے کربلا آنا۔

۹۔ شام غریباں میں بچوں کا کم ہونا: حضرت زینبؑ نے شام غریباں کو جب بچوں کو گنا تو ان میں سے دو کم معلوم ہوئے تو ام کلثوم کو ساتھ لے کر تلاش میں نکلیں تو کسی جگہ دو بچے آپس میں بغلگیر ہو کر مر چکے تھے۔

بھلا بتائیے کہ امام حسینؑ کے ساتھ کتنے بچے تھے کیا ذاکر، خطیب اور مصیبت بیان کرنے والے اس کی تفصیل بتاتے ہیں اور اس کی کوئی سند پیش کرتے ہیں۔ ان جیسی اور بھی سینکڑوں قصہ کہانیاں موجود ہیں جو کہ مصائب کی صورت میں پیش کی جاتیں ہیں۔ جو کسی عادی انسان سے متعلق ہیں یا کسی حیوان سے۔ جن کا امام حسینؑ یا امام حسینؑ کے مشن اور اہداف و مقاصد سے دور کا بھی واسطہ نہیں بلکہ واسطہ رکھنے کی صلاحیت بھی نہیں رکھتے۔ البتہ ایک زمانہ میں ان جھوٹے اور بے سند قصوں کو مصائب امام حسین میں شامل کرنے اور ان کو پڑھنے کا الزام خطیب، مقررین اور ذاکرین تک محدود تھا۔ لیکن جس طرح دنیا میں نئی ایجادات ہوئیں ہیں انھوں نے بھی ان قصوں کو مستند و معتبر بنانے کیلئے نئے طور طریقے اپنائے ہیں جن کو اپنانے کے بعد یہ بے سند قصے مستند اور معتبر بن جاتے ہیں۔ جس کی چند.

مثالیں پیش خدمت ہیں۔

۱۔عبا،قبااور عمامہ میں ملبوس ہونا۔

۲۔ عراق وایران کے حوزہ علمیہ سے پڑھا ہونا۔ جہاں فقہ اور اصول کے علاوہ تاریخ کا پہلا سبق بھی نہیں پڑھایا جاتا۔

۳۔ اگر واقعہ کربلا کے بارے میں رائج کوئی بھی قصہ بیان نہ کریں تو حضرت زہرہ (سلام اللہ علیہ) ناراض ہو جائیں گی۔ یا حضرت فاطمہؑ نے فلاں شخص کو اس قصے کا ذکر کرنے کا پیغام بھیجا ہے۔

۴۔امام حسینؑ پر بہت مصیبت گزری ہے۔ان اشقیاء نے بہت مظالم کئے ہیں۔لیکن جو ہم پڑھتے ہیں ان کا عشرِ عشیر بھی نہیں ہے۔

۵۔بعض افراد اور کتب عزاداری کو روکنے کی کوشش کرتے ہیں ان سے ہوشیار رہیں۔

۶۔کسی دینی مدرسے کا استاد ہونا یا شاگرد ہونا۔

۷۔یہ قصہ ہم نے کسی کتاب میں دیکھا ہے یا معتبر ذرائع سے سنا ہے۔

۸۔کسی مجتہد کے حضور میں کسی ذاکر کو پڑھتے ہوئے سنا ہے۔

۹۔کسی شخص یا کتاب کی سند دینے کے بعد کوئی بھی مصیبت پڑھ سکتے ہیں اور ہماری ذمہ داری ختم ہو جاتی ہے۔ان بزرگ خطباء حضرات سے یہ دو سوال ہیں:

۱۔ آیا اس اصول کو صرف امام حسینؑ کی مصیبت میں جائز مانیں گے۔ یا دین وشریعت کے دیگر شعبہ جات جیسے اصول وعقائد، اخلاق، فقہ، تفسیر وفضائل اور مناقب سب میں یہی طریقہ واصول رائج ومقبول ہوگا؟

۲۔ آیا کسی شخصیت یا کسی کتاب کی سند دینے سے ذمہ داری ختم ہو جاتی ہے؟ تو ایسی

صورت میں وہ مصائب یا فضائل جسے عقل ونقلِ متواتر اور بڑے جید علماء و محققین نے بیان وقلم سے غلط ثابت کیا ہوتو کیا اس کے باوجود گریہ کی خاطر پڑھ سکتے ہیں؟

ہم تمام دانشور باشعور عوام سب سے دست بستہ یہ التماس کرتے ہیں کہ ہم کسی مسئلہ پر اصرار نہیں کرتے ہمارا اصرار اس بات پر ہے کہ تاریخ اور قصہ حسینؑ کو لاوارث نہ چھوڑیں ۔اس کو افسانہ سازوں کے ہاتھوں میں نہ دیں ۔اس پر تحقیق کرنے والوں کو اجازت دیں ۔خطیب ومقرر جہاں تک ہوسکے اپنے بیان کی سند پیش کریں ۔عزاداری حضرت امام حسینؑ سے ہماری مراد آپ کی قبر مطہر کی زیارت کرنا اور آپ کے حیات وقیام، شہادت و مصائب اور اعلی وارفع مقاصد کو دنیا کے سامنے بہترین انداز میں پیش کرنا ہے۔

عزاداری امام مظلوم ایک ایسی حقیقت ہے کہ تمام نوابغ علماء وفقہا نے اپنے سیرت طیبہ اور قول وفعل سے اسکی تلقین فرمائی ہے۔اس کا اہتمام ونگہداری کرنا دین کو رونق ودوام بخشنا ہے جبکہ اس میں سستی اور کاہلی دین ومکتب سے دوری کے اسباب فرہم کرتی ہے۔دین مکتب کو سمجھنے والی ہستیوں نے قیام امام حسینؑ کو تجزیہ کرنے کے بعد یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ دین اسلام محمدؐ کے ذریعہ وجود میں آیا اور حسینؑ کے نام سے باقی ہے۔دین اسلام کی عظمت اور اس کی قیمت وارزش کو اگر دیکھنا ہے تو قیام امام حسینؑ کے آئینہ میں دیکھنا چاہئے۔اسی لئے دین کے تمام محافظان وپاسدران نے آئمہ سے لیکر علماء وفقہا تک سب نے اپنے شیعوں کو ہر موقع ومحل پر امام حسینؑ کی طرف متوجہ کیا ہے۔جتنی تلقین آپ کی قبر مبارک کی زیارت کے بارے میں ہوئی ہے نہ آپ سے پہلے کسی ہستی کے لئے ہوئی ہے اور نہ آپ کے بعد کسی کے لئے ہوگی۔سب نے امام حسینؑ کی قبر مطہر کی زیارت اور آپ کی مصیبت کی طرف اشارہ کیا ہے کیونکہ دین ومکتب کی قدر وعظمت، قیام وحیات امام حسینؑ اور زیارت قبر حسینؑ کی

روشنی میں اور زیادہ تابناک نظر آتی ہے۔

آپ کی شہادت کے واقعہ کو تیرہ سو سال سے زیادہ عرصہ گزر چکا ہے۔ ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ اتنا طویل عرصہ گزرنے کے بعد آج اس عزاداری اور زیارت کی صورت حال کیا ہے۔ آیا موجودہ عزاداری سے دین ومکتب کی عظمت و بزرگی زیادہ نمایاں ہو رہی ہے یا پھر مفاد پرست عناصر نے اپنے ذاتی مفادات کے حصول کیلئے اس میں نت نئے طریقے اور نئی نئی رسومات داخل کر کے اس عظیم شعائر اسلامی کو داغدار بنا دیا ہے؟ آیا عزاداری امام حسینؑ سے دین کو فروغ مل رہا ہے، ہر سال دین کے چہرے سے داغ و میل صاف ہو رہا ہے، لوگوں کا دین کی طرف میل ورجحان بڑھ رہا ہے یا پھر اسکے ذریعہ سے مذہب میں فرسودگی کو رواج دیا جا رہا ہے؟ آیا ہمارے یہاں عزاداری آئمہ طاہرینؑ کے فرمودات کے مطابق علماء وفقہاء کی نظارت میں ہو رہی ہے یا چند جنونی شکل کے مفاد پرست جاہل و نادان لوگوں کے ہاتھوں میں یرغمال ہے؟

یہ بات اظہر من الشّمس ہے کہ اس وقت ہمارے خطہ میں عزاداری امام مظلومؑ مفاد پرستوں کے ہاتھوں میں یرغمال ہے جو اس سے خوب فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ انکے بالمقابل امت کے وہ ذمہ دار افراد ہیں جو عزاداری پر گزرنے والے ان حالات سے چشم پوشی اور پہلو تہی کئے ہوئے ہیں۔ گویا انہوں نے مفاد پرستوں سے سمجھوتہ کر رکھا ہے کہ تم لوگ اپنا کام کئے جاؤ اور ہمیں اپنے کام میں مصروف رہنے دو۔ نہ ہم تمہارے خلاف کچھ بولیں گے اور نہ تم ہی ہمیں کچھ کہو۔

اس سلسلے میں اپنی بات کا آغاز کرنے سے پہلے اس بات کی وضاحت ضروری سمجھتا ہوں وہ یہ ہے کہ عزاداری امام حسینؑ صرف شیعوں ہی سے مربوط نہیں ہے بلکہ اس کا تعلق

پوری امت مسلمہ سے ہے۔ ہر وہ مسلمان جو رسولؐ کی رسالت پر ایمان رکھتا ہے آپ کے ختمی مرتبت ہونے پر یقین رکھتا ہے اور اپنے لئے امت رسولؐ میں سے ہونا باعث فخر سمجھتا ہے اور مصیبت امام حسینؑ کی یاد منانے میں کسی نہ کسی صورت میں خود کو شریک جانتا ہے چنانچہ زیارت امام حسین میں بھی یہ فقرہ ملتا ہے کہ تمام امت مسلمہ پر آپ کی شہادت گراں گزری ہے ان عقائد کے حامل مسلمانوں نے اپنے نبی پاکؐ کے محبوب نواسے پر گزرنے والی مصیبتوں پر ہمیشہ افسوس و دکھ کا زبان و قلم سے اظہار کیا ہے گرچہ بعض شیعہ حضرات انہیں متعصب گردانتے ہیں انکے علاوہ کچھ افراد ایسے بھی ہیں جو عزاداری سے تو اختلاف رکھتے ہیں لیکن جب امام حسینؑ پر قلم اٹھاتے ہیں تو تعجب ہوتا ہے کہ کس قدر جذبہ اور احترام کے ساتھ حسین کا نام لیتے ہیں اور ان کی مصیبت پر حسرت کا اظہار کرتے ہیں۔ پس معلوم ہوا کہ اس معاملے میں علماء اہل سنت بھی قلم و بیان میں شیعوں سے کسی طرح کم نہیں ہیں۔ ہم نے اپنی کتاب معجم کتب مؤلفین حیات و قیام امام حسینؑ میں کتنی ہی ایسی کتابوں کا تذکرہ کیا ہے جن کے مولفین مکتب اہل سنت سے تعلق رکھتے ہیں ساتھ ہی ہم نے بعض مؤلفین کے حالات زندگی اور امام حسینؑ سے انکے جوش عقیدت کی حالت کو بھی قلم بند کیا ہے۔

دوسرے مرحلہ میں وہ عزاداران امام حسینؑ ہیں جنکا تعلق مکتب تشیع سے ہے۔ شیعہ خدا و رسول کے بعد حضرت علیؑ سے لے کر مہدی آخر زمان (عج) تک امامت کا عقیدہ رکھتے ہیں اور انھیں جانشین رسول گردانتے ہیں۔ سب کے سب عزاداری کرتے ہیں مجلس میں شرکت کرنے، اظہار مصیبت کرنے، مجالس عزاداری برپا کرنے میں فکری و اقتصادی طور پر سب شریک ہوتے ہیں کوئی شیعہ یہ نہیں کہہ سکتا کہ وہ عزادار امام مظلوم نہیں ہے۔ غرض

عزاداری کا جوتصور شیعوں کے پاس ہے اس میں سب برابر کے شریک ہیں۔مکتب تشیع سے تعلق رکھنے والے عزاداران امام مظلوم میں ایک گروہ وہ ہے جو مومنین سے عطیات وصول کر کے عزاداری کی مجالس ومحافل، جلوس اور دیگر ضروریات کا اہتمام کرتے ہیں۔یہ لوگ بانیان عزاداری یا بانیان مجلس کہلاتے ہیں۔ان کا کام مجالس برپا کرنا، فرش عزا بچھانا اور اسکے لئے جگہ وغیرہ کا اہتمام کرنا ہوتا ہے۔دوسرا گروہ ان افراد پر مشتمل ہے جو ایک لحاظ سے تنہا خود کو عزادار گردانتے ہیں۔یہ نوحے پڑتے ہیں اور سینہ زنی کرتے ہیں۔عام مشاہدہ ہے کہ یہ لوگ دوران مجلس باہر بیٹھے گفتگو وخورد ونوش میں مصروف رہتے ہیں۔یہاں تک کہ ذکر مصائب بھی نہیں سنتے۔جب خطیب اپنا خطاب ختم کر کے فارغ ہو جاتا ہے پھر یہ لوگ مجلس عزاء میں داخل ہوتے ہیں۔ملک کے طول وعرض میں یہ ہی طریقہ رائج ہے۔اس سے تاثر کچھ ایسا ملتا ہے کہ ان کی مصیبت کسی اور قسم کی ہے اور باقی عزاداروں کی کسی اور نوعیت کی۔اس تقسیم کی کیا منطق ہے یہ بات آج تک ہماری سمجھ میں نہیں آسکی، تاہم دونوں گروں میں ایک تناؤ اور دوئیت واضح طور پر نظر آتی ہے۔

مکتب امام حسینؑ کے ادنیٰ خادم کی حیثیت سے جہاں عزاداری کو فروغ دینا اور عزاداری برپا کرنے والوں کی حوصلہ افزائی کرنا ہماری ذمہ داری ہے، وہیں پر ان غلطیوں اور انحرافات کی نشاندہی کرنا بھی ہمارا حق بلکہ فرض ہے جو سال بہ سال عزاداران امام مظلومؑ کو جادہ مستقیم سے دور کرتی چلی جارہی ہے اور جسے گذشتہ بیس سالوں سے ہم بڑی بے صبری سے دیکھتے چلے آرہے ہیں۔جس طرح سے ایک انسان کیلئے بچوں کی تربیت وتعلیم اور انکی ضروریات کو پورا کرنے کے ساتھ ساتھ انکی نگرانی کرنا بھی لازم ہوتا ہے، دین ومذہب کا معاملہ بھی ایسا ہی ہے۔لہذا جہاں دین ومذہب کے فروغ کیلئے اسباب مہیا کرنا

ضروری ہے وہاں اسکی نگرانی بھی کرنی چاہے۔ جس طرح دیگر دینی امور لوگوں کے عطیات اور مال امام کے ذریعے سے انجام پاتے ہیں، اسی طرح سے عزاداری میں بھی مال امام ہی خرچ ہوتا ہے۔ اس سلسلے میں لوگ جو کچھ عطیات دیتے ہیں، وہ اگر خمس نہ بھی ہو تو مال امام ضرور ہوتا ہے کیونکہ انھوں نے جو کچھ دیا ہے رضائے امام کیلئے دیا ہے۔ لہذا دیکھنا پڑے گا کہ یہ مال واقعاً رضائے امام کے حصول میں خرچ ہو رہا ہے یا مذہب کو غیر منطقی و غیر عقلی انجام تک پہنچانے کا سبب بن رہا ہے۔ اگر ایسا ہے اور یقیناً ایسا ہی ہے تو ایسی صورت میں ان غلطیوں کی نشاندہی ہونی چاہے۔ ہمیں دیکھنا ہوگا کہ مجالس عزاداری میں خطبا و ذاکرین جو کچھ بیان کرتے ہیں اس سے حق عزاداری جو بقول معصومؑ احیائے امر ائمہ ہے ادا ہو رہا ہے یا نہیں۔

ہمارا فرض بنتا ہے کہ ہم دیکھیں کہ ان مجالس میں پڑھے جانے والے مرثیوں، نوحوں وغیرہ میں کیا کہا جا رہا ہے۔ ان کی بھی اسی طرح نگرانی ہونی چاہئے۔ جس طرح دیگر رسومات عزاداری کی نگرانی لازمی ہے۔ کیونکہ انکی صورت حال بھی دوسری معاملات سے بہتر نہیں ہے۔ اور یہ بھی انہی خرافات کا شکار ہے۔

عزاداری امام حسینؑ اس وقت جن حالات سے گذر رہی ہے، پہلے ہم اسکا تجزیہ کریں گے۔

۱۔ ایام عزا میں کی جانے والی تقریر کا موضوع زیادہ تر خندق و خیبر ہوتا ہے۔ حضرت علیؑ کا دیگر ہم عصر صحابہ سے مقابلہ و موازنہ ان پر اس قدر سخت تنقید کی جاتی کہ اس سے برادران اہل سنت کے جذبات مجروح ہوتے ہیں۔ ان موضوعات کا نہ صرف یہ کہ قیام امام حسینؑ کے اھداف و مقاصد اور عزاداری سے دور کا بھی واسطہ

نہیں ہے۔ بلکہ یہ چندین لحاظ سے غیر منطقی بھی ہے۔

الف۔ جنگ خندق ہو، خیبر ہو یا احد ان تمام جنگوں میں اسلام کا مقابلہ کفر و شرک سے تھا۔ الحمداللہ ان تمام معرکوں میں مشرکین کو شکست ہوئی اور حضرت محمد مصطفیٰؐ اور آپؐ کا لشکر فتح سے ہمکنار ہوا ان جنگوں میں جو لوگ میدان جنگ میں دشمن سے برسر پیکار رہے اور جو خیموں میں تھے سب کے سب شامل جنگ سمجھے جاتے ہیں۔ جنگ سے واپسی پر پیغمبر اکرمؐ نے کبھی کسی کو تنقید کا نشانہ نہیں بنایا۔

ب۔ نہج البلاغہ میں موجود مولا امیر المومنین علی ابن ابی طالبؑ کے واضح خطبات موجود ہیں جن میں مخالفین سے مصالحت آمیز رویہ اختیار کرنے کی تلقین کی گئی ہے مگر علیؑ کو موضوع کلام بنانے والے خطباء و ذاکرین خود حضرتؑ کی ان تعلیمات کو نظر انداز کرتے ہیں۔

ج۔ امام حسینؑ نے اپنے تمام تر قیام کے دوران کبھی خلفاء کے دور کا ذکر نہیں فرمایا۔ اہلبیتؑ نے ہمیشہ وحدت امت کی خاطر ان مسائل کو برداشت کیا۔

د۔ تقیہ سے متعلق وارد احادیث کے مطابق تقیہ کی ایک قسم ''تقیہ مدارات'' ہے یعنی اگر دین کو خطرہ نہ ہو تو جہاں تک ہو سکے وحدت اسلامی کی خاطر مسلمانوں کے جذبات کو مجروح کرنے اور انکے دلوں کو زخمی کرنے سے گریز کرنا چاہے۔ اس مقصد کیلئے ائمہ اطہارؑ اور فقہائے عظام نے اہل سنت حضرات کے ساتھ نماز جماعت میں شرکت کرنے، جمیع مسلمین کے ساتھ ایک ہی دن عید منانے اور ایک ساتھ اعمال حج بجا لانے کی تاکید کی ہے۔

ھ۔ ان چند سالوں میں شیعہ قوم کو جو کچھ پریشانیاں لاحق ہوئی ہیں، وہ ہمارے ممبروں سے

بیان کی جانے والی تقریوں کا منطقی نتیجہ ہیں۔

ط۔ آج مسلمان اگر آنکھ کھول کر دیکھیں تو صاف نظر آئے گا کہ دنیا کفر اسلام کے خلاف متحد ہو چکی ہے۔ چنانچہ جسطرح پیغمبر اکرمؐ نے اسلام کی خاطر مشرکین کے خلاف یہودیوں سے معائدہ کیا تھا، ہمیں بھی مسلمانوں کے دیگر مکاتب کے ساتھ متحد رہنا چاہیے تا کہ اس پُر آشوب دور میں اسلام کا دفاع کیا جا سکے۔

ع۔ امام حسینؑ نے خروج مدینہ سے لیکر شہادت تک یزید و بنی امیہ کو مورد عتاب رکھا ہر جگہ ان پر تنقید کی، جب کہ ہماری مجالس اس موضوع سے خارج نظر آتی ہیں۔

۲۔ مجالس عزاداری میں خطباء کا ایک پسندیدہ موضوع سائنسی انکشافات ہیں۔ بعض مقررین ان باتوں کو بنیاد بنا کر اہل مغرب اور دشمنان اسلام کو بلند و بالا اور مسلمانوں کو کمزور و ناتواں بنا کر پیش کرتے ہیں۔ اسطرح سے لوگوں کے دلوں میں مغربی افکار کی محبت موجزن ہو رہی ہے۔ اور یوں دیگر ذرائع ابلاغ کی طرح اب ممبر حسینیؑ بھی لوگوں کو مغرب کی جانب متوجہ کرنے کا ذریعہ بن گیا ہے۔ ممبر حسینؑ وہ جگہ ہے جہاں سے امام حسینؑ کو اور اسلام و اہلبیتؑ کو نمونہ بنا کر دکھانا چاہئے مگر ہائے حسینؑ! کہ اب وہاں سے بھی مغرب کو ایک اعلیٰ نمونہ دکھلایا جا رہا ہے۔ ہمارے ملک کے مسلمانوں کی بے عملی کا مغرب میں بسنے والے مسلمانوں کی ظاہری دین داری سے موازنہ کرتے ہوئے بعض تو یہاں تک کہنے لگے ہیں کہ حقیقی اسلام مغرب میں ہے اور معاذ اللہ وہ وقت آنے والا ہے کہ جب مسلمان اسلام بھی مغرب سے لینگے۔ اس طرح سے مغرب کی مدح سرائی کرنا خود منبع دین مبین اسلام کی نفی کرنا نہیں تو کیا ہے۔ بدقسمتی سے سامعین بھی ان باتوں کو پسند کرتے ہیں اور خوب داد دیتے ہیں۔ ذرا غور تو کیجئے کہ اپنے جد کی عزاداری پر ڈھائی گئی

اس مصیبت پر کیا امام زمان (عج) کا دل خون کے آنسو نہ روتا ہوگا۔

۳۔ امام حسینؑ کے اصلی مصائب کو چھوڑ کر لوگوں کو رُلانے اور چند آنسو بہانے کی خاطر نت نئے جعلی مصائب غیر مستند کتابوں سے چن چن کر پڑھے جاتے ہیں، اگر کہیں لکھا ہوا نہ ملے تو خود گڑھ لیتے ہیں۔ اگر اعتراض کیا جائے تو کہتے ہیں کتاب کا حوالہ دے کر پڑھنے میں کوئی حرج نہیں۔ اگر انکی اس منطق کو مان لیا جائے تو پھر کوئی بات بھی قابل نقد و اعتراض نہیں رہے گی۔

۴۔ حیات و قیام امام حسینؑ آپ کے اہل بیت اطہارؑ اور آپؑ کے باوفا اصحابؓ کی قربانیوں کو کہانیوں اور افسانوں میں تبدیل کرنے کی کوششیں ہو رہی ہیں۔ نت نئی غیر عقلی رسومات کو عزاداری میں شامل کر کے اس مقدس تحریک کو فرسودہ کرنے اور اس کی کیفیت کو مسخ کرنے کو تحفظ عزاداری کا نام دیا جا رہا ہے۔ جبکہ حقیقی عزاداری یہ ہے کہ اہداف امام حسینؑ کو اور کلمات و خطبات امام حسینؑ کو تاریخ کے سینوں سے اور مسلمہ و مستند متون سے نکالا جائے، ان پر پڑے گرد و غبار کو صاف کیا جائے اور اس میں کی گی کمی و بیشی پر تحقیق کی جائے۔

۵۔ لوگ بعض چیزوں کو اپنی زندگی میں ناجائز و ناروا سمجھتے ہیں، اپنے مسائل میں ان چیزوں کی موجودگی کو برداشت نہیں کرتے بلکہ کبھی تو انہیں اپنے خلاف سازش گردانتے ہیں۔ مثال کے طور پر اگر کسی مسئلے کے حل کیلئے کہیں پر جمع ہو کر لوگ گفتگو کر رہے ہوں اور ایسے میں اگر کوئی گفتگو کو اصل موضوع سے ہٹا کر کہیں اور لے جائے تو ظاہر ہے کہ سب چیخ و پکار کریں گئے اور کہیں گے کہ تم نے تو موضوع کو کہیں سے کہیں پہنچا دیا۔ مگر افسوس کہ عزاداران امام حسینؑ اس روش کو اپنے معاملات میں تو غلط سمجھتے ہیں مگر امام

حسینؑ کے معاملہ میں ایسا ہوتا دیکھ کر خاموش رہتے ہیں بلکہ اسے جائز گردانتے ہیں۔ اپنے لئے تو موضوع سے باہر کی باتوں کو غیر عقلی سمجھتے ہیں لیکن مجالسِ امام حسینؑ میں موضوع سے باہر کی گفتگو کو بھی عین موضوع گردانتے ہیں۔ اس لئے عزاداری مام حسینؑ کا اہتمام کرنے والوں سے ہماری درخواست ہے کہ عزاداری کو خاص امام حسینؑ سے مختص کیا جائے تا کہ امامؑ کی سیرتِ طیبہ، قول و فعل، سکوت و خاموشی، مصیبت و شہادت اور آپؑ کے اہداف و مقاصد سے لوگوں کو آگاہی حاصل ہو اور ان کے مقابل افراد کے عزائم سب پر عیاں و روشن ہوں۔ اس کی روشنی میں قیام مقدس کو دین سے ربط دیکر لوگوں کو بتلایا جائے کہ شہادت امامؑ میں کیا پیغام مضمر ہے؟

وہ ادارے جو خاص طور پر امام حسینؑ کے نام سے موجود ہیں ان اداروں کے ذمہ داروں کو چاہے کہ عزاداری کو صحیح معنوں میں فروغ دینے اسے خرافات سے پاک کرنے کا اہتمام کریں۔ عزاداری میں کن کن موضوعات کو اہمیت دینا چاہے کن کو مقدم اور کن کو مئو خر رکھنا چاہے؟ اس سلسلے میں ہم آئندہ صفحات میں کچھ تجاویز پیش کرینگے۔ مگر پہلے یہ دیکھیں گے کہ ان تجاویز کا دائرہ کار کیا ہونا چاہئے، پہلے ہم انکی حدود بیان کریں گے تا کہ تجاویز کو ان حدود کے اندر رکھا جا سکے۔

امام حسینؑ نے اپنی حیات میں شروع سے لیکر آخر تک اور آپ کے بعد آنے والے دوسرے ائمہ طاہرینؑ نے عزاداری کا اہتمام کر کے جن مسائل کو زیادہ اہمیت دی ہے ہمیں بھی چاہے کہ انہی مسائل کو مقدم رکھیں اور جس راہ میں امام حسینؑ نے قربانی دی ہے ہم بھی اسی راہ میں قربانی دیں۔ سوال یہ ہے کہ موجودہ حالات میں وہ راستہ کیا ہے۔ یہ معلوم کرنے کیلئے ہم کو اچھی طرح سوچنا پڑے گا اور ہر پہلو سے اس کا جائزہ لینا ہوگا۔ اس سلسلہ میں

درج ذیل تصورات ہمارے ذہن میں آتے ہیں:

ا۔ امام حسینؑ فرماتے ہیں کہ یزید کی حکمرانی میں اسلام زندہ نہیں رہ سکتا۔ لہذا میں اسلام کو بچانے کی ہر ممکن کوشش کروں گا، چاہے اس کی مجھے کتنی ہی قیمت ادا کرنی پڑے۔ امام حسینؑ کے اس عزم کے پیش نظر عزاداری کا عنوان اور عزاداروں کے نزدیک سب سے عزیز ''اسلام'' ہونا چاہے۔ کیا ہماری عزاداری میں ایسا ہوتا ہے۔ کیا ہم اسلام کو عنوان بناتے ہیں؟ کیا ہمارے عمل میں اسلام محترم ہے؟ یا اسلام کے مسائل سے ہماری دلچسپی ختم ہوگئی ہے ہم نے تحفظ اسلام کی ذمہ داری کو دوسروں پر چھوڑا ہے؟ ان حالات میں ہمارا فرض ہے کہ خود بھی اس پر غور کریں اور دوسروں کو بھی اس مسئلے پر غور کرنے کی دعوت دیں۔ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ نہ ہمارے کردار میں اسلام ہے نہ ہمارا موضوع وعنوانِ کلام اسلام ہے اور نہ ہمارے لئے اسلام محترم ہے۔ یہی وجـــــہ ہے کہ اگر کبھی کوئی گروہ ملک میں اسلام کی اہانت کا مرتکب ہوتا ہے تو ہماری طرف سے کسی قسم کا ردعمل سامنے نہیں آتا۔ بات صرف یہیں ختم نہیں ہوتی بلکہ یہاںتک دیکھنے میں آیا ہے کہ ہماری قوم کے بعض افراد ان اسلام مخالف گروہوں کی کارستانیوں میں باقاعدہ انکا ساتھ دیتے ہیں یا کم از کم انکے ساتھ ہمدردی کا اظہار کرتے ہیں۔ گویا ہمارے خیال میں اسلام کا دفاع کرنا کسی اور کی ذمہ داری ہے ہماری نہیں۔

۲۔ امام حسینؑ نے جو دوسرا اہم نکتہ اپنے قیام میں اٹھایا' وہ خلافت اسلامی ہے۔ آپؑ نے فرمایا کہ اس منصب کیلئے سب سے زیادہ سزاوار ہم اہل بیت ہیں۔ امام حسینؑ نے اہل بیت کو اس طرح بلند کیا جیسے خدا نے اپنی کتاب میں اور جیسے رسولؐ و

علیؑ نے بلند کیا تھا۔امام عالی مقامؑ نے اہل بیت کو دین وشریعت کا نگہبان، قرآن وسنت کا محافظ اور خلق خدا کی ہدایت ورہبری کا علمبردار قرار دیا۔ آپ نے واضح طور پر بیان فرمایا کہ معاشرے میں عدل وانصاف قائم کرنا اور فساد کا خاتمہ کرنا منصبِ خلافت کی ذمہ داریوں میں سے ہے جسے صرف اہل بیت ہی کما حقہ انجام دے سکتے ہیں۔امام عالی مقامؑ نے اس مطلب کو بار بار دہرا کر اس وقت کے ذمہ دار افراد تک یہ پیغام پہنچایا۔ ذرا انصاف سے بتلایئے کہ کیا آج اس مطلب کو عزاداری کا عنوانِ کلام بنایا جاتا ہے؟ کیا نفاذ اسلام، قرآن کی تعلیم، اجرائے سنت اور امت کی قیادت ورہبری کے مسائل ہماری مجلسوں میں بیان ہوتے ہیں؟ یا ان مجالس کو امامؑ کے وسیلہ سے اپنے رزق میں برکت اور اس حقیر دنیا کی ضروریات پورا کرنے کا ذریعہ سمجھا جاتا ہے۔حقیقت یہ ہے کہ ہمارے یہاں عزاداری میں اس دوسرے عنصر کو بہت زیادہ مقام دیا جاتا ہے جبکہ پہلے کو بلکل نظر انداز کر رکھا ہے۔

۳۔ امام حسینؑ نے جو تیسرا نکتہ اپنے قیام کے پہلے دن ہی سے سرنامۂ خطاب بنایا تھا وہ یہ کہ یزید وآل ابوسفیان اس منصب خلافت یا مسلمانوں کی قیادت ورہبری کیلئے اہل نہیں ہیں۔اسلام کے ساتھ ان لوگوں نے جو خیانت کی تھی آپ نے اس سے امت کو متنبہ کیا، جبکہ خلفاء راشدین کے بارے میں آپ نے مکمل خاموشی کو اپنایا ۔ہمیں بھی مجالس عزا میں اسی روش کو اپنانا چاہے۔کربلا کا تعلق امام حسینؑ و یزید سے تھا، نہ کہ حضرت علی وخلفائے ثلاثہ سے۔اگر کوئی ماضی میں جھانکنا چاہتا ہے تو پیغمبر اکرم اور ابوسفیان کے مسئلے کو کیوں نہیں لیتے یا اس سے بھی پیچھے جا کر ہابیل و قابیل پر کیوں گفتگو نہیں کرتے، یا آدم وشیطان کا واقعہ کیوں بیان نہیں کرتے۔

مجالس امام حسینؑ میں خلفاء کا مسئلہ اٹھانا بہر حال ایک غیر منطقی گفتگو ہے۔

۴۔ امام عالی مقامؑ نے جو چوتھا نکتہ اپنے خطبوں میں اُٹھایا ہے وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر یعنی امت کی اصلاح ہے۔ افسوس کہ ہماری عزاداری اس اہم فریضہ سے بھی عاری نظر آتی ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ قیام امام حسینؑ کے بنیادی موضوعات یہ چار عناصر تھے:

۱۔ اسلام کی حقیقت کو زندہ کرنا۔

۲۔ حقیقی خلافتِ اسلامی کا قیام اور معاشرہ میں نفاذِ اسلام۔

۳۔ یزید و آل ابوسفیان کی اسلام و مسلمین کے ساتھ خیانت کو آشکار کرنا۔

۴۔ امر بالمعروف نہی از منکر اور امت کی اصلاح۔

اس لحاظ سے ہماری مجالس عزاداری کے موضوعات کو بھی مندرجہ بالا نکات پر مشتمل ہونا چاہے تا کہ صحیح معنوں میں حق عزاداری ادا ہو اور زہرا مرضیہ (س) بھی ہم سے راضی ہوں کہ جس مقصد کیلئے انکے جگر گوشہ نے یہ عظیم مصائب جھیلے انکے عزاداروں نے اس مقصد کو زندہ رکھا ہے۔ بصورت دیگر ہماری عزاداری کو ایک کھوکھلی رسم کے سوا اور کیا کہا جاسکتا ہے؟

عزاداری کا دوسرا حصہ وہ نوجوان ہیں جو نوحہ خوانی، سینہ زنی، زنجیر زنی اور دیگر چیزوں اہتمام کرتے ہیں۔ ہم جس طرح دیگر اداروں کے بارے میں زبان کھولتے ہیں اور قلم اٹھاتے ہیں، ان نوجوانوں کے متعلق اس طرح بات نہیں کر سکتے۔ ہمارے پاس اتنی جرت نہیں ہے کیونکہ نوجوان حضرات جلد طیش میں آجاتے ہیں۔ ان کی جوانی کی صفت یہ ہے کہ وہ کسی منطق کو سنتے ہی نہیں۔ ان لوگوں کا خود بھی یہ کہنا کہ ہم عزاداری کے بارے

میں کچھ سننے کیلئے تیار نہیں ہیں خواہ کوئی بھی کہہ رہا ہو۔ ایسی صورتِ حال میں کچھ کہنا یا قلم اٹھا نا بیکار ہے۔ ان جذباتی نوجوانوں کا کہنا ہوتا ہے کہ اگر عزاداری کے بارے میں کسی نے ہم سے الجھنے کی کوشش کی تو ہم انہیں سبق سکھا دین گے۔ لہذا ہم ان سے الجھ تو نہیں رہے، صرف چند سوالات کی اجازت چاہتے ہیں:

۱۔ وہ افراد جو آپ کو اس رویئے کی یا اس طریقہ کار کی تشویق دلاتے ہیں اور اسی کو عین اسلام اور خدمت اہل بیت قرار دیتے ہیں، آپ (نوجوانوں) کو علی اکبرؑ سے تشبیہ دیتے ہیں لیکن خود منبر سے اترتے ہی مسلح محافظوں کے نرغے میں کیوں غائب ہو جاتے ہیں؟ آپ کے ساتھ سڑکوں پر یا کسی چوک پر کیوں زنجیروں کا ماتم نہیں کرتے؟

۲۔ آپ جس امامؑ کی پیروی کرتے ہیں کیا وہ دشمنوں سے یہ کہتے تھے کہ ہم تمہاری بات نہیں سنیں گے یہ منطق تو ان کے مخالفین کی ہے تو آپ اس منطق کی کیوں پیروی کرر ہے ہیں؟

۳۔ کیا امام حسینؑ، امام سجادؑ اور دیگر بالخصوص امیر المومنینؑ کے وہ خطبات جن سے نہج البلاغہ پُر ہے تو حید خداوندی سے متعلق نہیں ہیں؟ دعائے عرفہ اور دعائے کمیل میں کیا ہے؟ وہ سعودی عرب جو دنیا وہابیت کا مرکز ہے جہاں ہر چیز کو با آسانی شرک قرار دے دیا جاتا ہے اسی سعودی عرب میں روضۂ رسولؐ کی طرف منہ کر کے ایرانی اور دوسرے ممالک کے حاجی دعائے کمیل کی تلاوت کرتے ہیں۔ لیکن کبھی سعودی حکومت نے یہ اعتراض نہیں کیا کہ دعائے کمیل کے فقرات سے شرک کی بُو آتی ہے، جبکہ ایرانی حاجیوں اور زائرین کی دیگر سرگرمیوں، جلسے جلوس وغیرہ پر مکمل پابندی عائد ہے، لیکن دعائے کمیل اب بھی ہوتی

ہے! دنیا کا متعصب ترین وہابی بھی یہ نہیں کہتا کہ امیر المومنینؑ، امام حسینؑ یا حضرت عباسؑ (نعوذ باللہ) مشرک تھے۔ لیکن جب ہم ان مقدس ہستیوں کے نام پر عزاداری کرتے ہیں تو ہمیں مشرک اور کافر کہا جاتا ہے۔ آخر ایسا کیوں ہے؟ کیا اس کا واضح جواب آپ کے پاس ہے؟ اگر ہے تو آپ کو چاہیے تحریر میں یا پھر اسی منبر سے اپنی تقریوں کے ذریعے خوش اسلوبی کے ساتھ اور آداب گفتگو کا خیال کرتے ہوئے جواب دیں تا کہ یہ طے ہو سکے کہ ہم کافر یا مشرک نہیں ہیں۔ لیکن اگر آپ کے پاس ان الزمات کا جواب بھی نہ ہو اور آپ کی رسومات اور طور طریقوں سے شرک کا شائبہ ہوتا ہو تو نہ صرف اپنے لئے بلکہ اہل بیت کے نام کی خاطر ان حرکتوں کو ترک کر دینا چاہے۔ جن کی وجہ سے مخالفین کو اس قسم کے الزامات عائد کرنے کا موقع ملتا ہے۔

اقتباس از کتاب افقِ گفتگو

(طبع دوم (شعبان المعظم ۱۴۲۳ھ) صفحہ نمبر ۵۷۱ تا ۶۰۲)

عزاداری مظلوم کی حمایت کرنے کی دعوت ہے۔

امام حسینؑ شہید کربلا

"حسین منی وانا من حسین
اللھم احب من یحب حسینا"

"حسینؑ مجھ سے ہے اور میں حسینؑ سے ہوں۔ اے اللہ دوست رکھ اس کو جو حسینؑ کو دوست رکھے"۔

حضرت ابوعبداللہ الحسینؑ جوانان جنت کے سردار، باغ مصطفیٰؐ کے پھول اور ان خمسۂ نجباء میں کے ایک فرد ہیں جن سے اللہ نے ہر برائی کو دور رکھا اور ان کو پوری طرح پاکیزہ قرار دیا ہے۔ نیز اکثر مفسرین، محدثین اور مؤرخین کے بیان کے مطابق نبی اکرمؐ نے ان کی معیت میں نجران کے عیسائیوں سے مباہلہ فرمایا تھا۔ آپ اپنے نانا رسول اکرمؐ اپنے والد امام علیؑ اور اپنے بھائی امام حسنؑ کی صراحت کے مطابق امام برحق تھے۔

آپ ۵ رشعبان سنہ ۴ ہجری کو مدینے میں پیدا ہوئے۔ اسماء بنت عمیس سے روایت ہے کہ آپ اپنے بھائی حسنؑ کی ولادت سے ایک سال بعد فاطمہ زہراؑ کی آغوش میں آئے۔ پس نبی اکرمؐ تشریف لائے اور فرمایا: اے اسماء! میرے بیٹے کو لاؤ۔ تب اسماء نے ان کو ایک سفید کپڑے میں لپیٹ کر آنحضرتؐ کے سپرد کر دیا۔ آپ ان کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ ان کے داہنے کان میں اذان اور بائیں کان میں اقامت کہی۔ اسکے بعد آنحضرتؐ نے ان کو اپنی

گود میں لے لیا اور رونے لگے۔

اسماء کہتی ہیں کہ میں نے عرض کیا: یارسول اللہؐ! میرے ماں باپ آپ پر فدا ہو جائیں' آپ کیوں رو رہے ہیں؟ آنحضرتؐ نے فرمایا: میں اس واقعہ پر رو رہا ہوں جو اس بچے کو میرے بعد پیش آنے والا ہے۔ اس کو ایک باغی جماعت قتل کرے گی کہ جس کو میری شفاعت نصیب نہ ہوگی۔ اس کے بعد آنحضرتؐ نے حضرت علیؑ سے فرمایا: اے ابوالحسنؑ! کیا آپ نے اس کا نام رکھا؟ انھوں نے جواب دیا' میں اس معاملے میں آپ پر سبقت نہیں کرسکتا۔ البتہ میری خواہش ہے کہ ان کا نام ''حرب'' رکھا جائے۔ آنحضرتؐ نے فرمایا: تم اس کا نام حسینؑ رکھ دو۔ پھر ساتویں روز آنحضرتؐ نے آپ کا عقیقہ فرمایا۔ اس کے لئے ایک مینڈھا ذبح فرمایا اور آپکے بالوں کے برابر چاندی صدقہ میں دی۔ جیسا کہ اس سے پہلے آنحضرتؐ نے آپ کے بھائی حسنؑ کے لئے کیا تھا۔

بیشتر روایات میں آیا ہے کہ آپ نے اپنی مادر گرامی کا دودھ پیا نہ کسی دوسری عورت کا' بلکہ رسول اکرمؐ اپنا انگوٹھا آپ کے منہ میں دیدیتے تھے۔ پھر آپ اس کو اتنا چوس لیتے تھے کہ وہ آپ کو دو یا تین روز کے لئے کافی ہو جاتا۔

مناقب ابن شہر آشوب میں روایت ہے کہ حسینؑ کی ولادت کے بعد فاطمہ زہراؑ علیل ہوگئیں۔ تب رسول اکرمؐ نے چاہا کہ کوئی دوسری عورت آپ کو دودھ پلا دے لیکن کوئی بھی دودھ پلانے والی نہ تھی۔ پس آنحضرتؐ اپنا انگوٹھا آپ کے دہن مبارک میں دیدیا کرتے اور آپ اسی کو چوستے رہتے تھے۔ چنانچہ چالیس دن تک یہی آپ کی غذا رہی اور آپ کا گوشت رسول اکرمؐ کے گوشت سے پرورش پاتا رہا۔

امام جعفر صادقؑ سے روایت ہے کہ: میرے جد بزرگوار حسینؑ نے نہ فاطمہ زہراؑ کا

دودھ پیا اور نہ کسی اور عورت کا۔ بلکہ رسول اکرمؐ اپنا انگوٹھا آپ کے دہن مبارک میں دیدیتے تھے۔ پھر آپ اس کو اتنا چوس لیتے کہ وہ آپ کو دو یا تین روز کے لئے کافی ہو جاتا تھا۔

بہر حال اس میں شک نہیں کہ رسول اکرمؐ کبھی آپ کو اپنا انگوٹھا اور کبھی اپنی زبان مبارک چُساتے تھے' کیونکہ نہ آپ نے اپنی مادر گرامی کا دودھ پیا اور نہ کسی غیر عورت کا۔ پس آپ کے بچپن کے متعلق وہ روایات صحیح نہیں ہیں جو اس صورت واقعہ کے خلاف ہوں۔

روایات بتلاتی ہیں کہ امام حسینؓ کا بدن اور امام حسنؓ کا چہرہ سب سے زیادہ رسول اکرمؐ سے مشابہ تھا۔ آپ کے قویٰ مضبوط اور قد میانہ تھا۔ لوگوں نے آپ سے زیادہ حَسین کوئی اور نہ دیکھا تھا۔ رسول اکرمؐ آپ سے بہت محبت رکھتے اور بے حد شفقت فرماتے تھے۔ آپ کے رونے سے آنحضرتؐ رنجیدہ ہو جاتے تھے' اس لئے بی بی فاطمہ زہراؑ کو آپ کا خیال رکھنے کی ہدایت فرماتے رہتے تھے۔ کبھی آنحضرتؐ آپ کو اپنے ہاتھوں پر لے لیتے' کبھی کندے پر بٹھا کر باہر لے جاتے تھے۔ جب آپ بیٹھتے تو حسینؓ کو اپنی گود میں لئے رہتے تھے۔ اگر آپ آنحضرتؐ کے پاس سے اِدھر اُدھر جانے لگتے تو حضورؐ کی نظریں ان پر سے ہٹتی نہ تھیں۔ ایک مرتبہ آنحضرتؐ لوگوں سے خطاب کر رہے تھے۔ اس وقت آپ نے دیکھا کہ حسینؓ اپنی قمیص میں الجھ کر گر پڑے ہیں۔ آنحضرتؐ نے فوراً منبر پر سے اتر کر آپ کو سنبھالا اور پھر اپنا خطبہ وہیں سے شروع کر دیا جہاں اس کو چھوڑا تھا۔ اس وقت آنحضرتؐ یہ بھی فرماتے جا رہے تھے کہ اولاد ذریعہ آزمائش ہے۔

پروفیسر احمد عاشور اپنی کتاب ''سید شباب اہل الجنۃ'' میں رقمطراز ہیں کہ: اگر آپ اہل سنت کی کتابوں میں صرف صحاح ہی کی ورق گرادنی کریں تو آپ کو امام حسینؓ کی فضیلت

میں دسیوں ایسی حدیثیں مل جائیں گی جو آپ کی منزلت اور آپ سے رسول اکرمؐ کی محبت کو ثابت کرتی ہیں بلکہ آپ کو ان کتابوں میں دسیوں ایسے اشارے اور قرینے بھی ملیں گے جو یہ ظاہر کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اکرمؐ کو ان بیشتر مصیبتوں دشواریوں اور آزمائشوں سے آگاہ کر دیا تھا' جو امام حسینؑ کو اپنی زندگی میں پیش آنے والی تھیں۔ پس یہ امر بھی یقینی تھا کہ آنحضرتؐ کربلا کے مقام پر ہونیوالی خونریزی اور دوسرے مصائب سے آگاہ کر دیتے۔ چنانچہ آپ نے بعض موقعوں پر اپنے اصحاب کو اس کے متعلق بتلا بھی دیا تھا جیسا کہ زہیر بن قین کے طرز عمل سے واضح ہوتا ہے کہ جب امام حسینؑ کربلا کی جانب سفر فرما رہے تھے تو آپ نے زہیر بن قین سے ملاقات فرمائی۔ زہیر عثمانی مسلک پر تھے اور حج کر کے واپس جا رہے تھے۔ جب امام حسینؑ اپنی سواری کو ان کی سواری کے قریب لائے تو زہیر بن قین نے بیان کیا کہ: ایک مرتبہ ہم لوگ سلمان فارسیؓ کے ساتھ ایک غزوہ میں شریک تھے۔ اس میں اللہ نے ہم کو فتح عطا کی اور بہت سا مالِ غنیمت حاصل ہوا۔ اس وقت سلمان نے ہم لوگوں سے کہا' اگر تم کو سیدِ شبابِ اہل جنۃ (یعنی امام حسینؑ) کے ساتھ ہو کر جنگ کرنے کا موقع مل جائے تو اس جنگ میں شرکت پر تم اس سے زیادہ خوش ہو گے جتنا آج یہ مال غنیمت حاصل ہونے سے خوش ہوئے ہو۔ یہ ظاہر ہے کہ سلمان فارسیؓ کو مستقبل میں ہونیوالے واقعات کا علم ہو ہی نہیں سکتا تھا تاوقتیکہ نبی اکرمؐ نے ان کو بتایا نہ ہو۔

روای یہ بھی کہتے ہیں کہ جب امام علیؑ کربلا سے گزرے تو آپ نے وہاں دیر تک توقف فرمایا۔ وہاں آپ نے گریہ فرماتے ہوئے ان واقعات کا ذکر کیا جو اس مقام پر آپ کی اولاد کو پیش آنے والے تھے جبکہ آنحضرتؐ کو یہ علم وحی کے ذریعے سے حاصل ہوا تھا۔ جیسے بی بی ام سلمہ نے اور ان کے حوالے سے دوسرے راویوں نے کربلا میں ہونیوالے واقعات

بیان کئے ہیں کہ: جب جبرئیلؑ نے رسول اکرمؐ کو کربلا میں ان کے بیٹے حسینؑ پر گزرنے والے واقعات کی اطلاع دی تو آنحضرتؐ نے کربلا کی ایک مٹھی بھر خاک ان معظّمہ کو دی اور ان کو بتلایا کہ: حسینؑ کے قتل ہونے کے وقت یہ مٹی جوش مارتا خون بن جائے گی۔ پھر ایک مدت کے بعد جب امام حسینؑ سفر عراق پر چلے تو آپ بی بی ام سلمہؓ سے رخصت ہونے آئے تب انہوں نے امامؑ کو بھی یہ حدیث سنائی۔ امامؑ نے اس خبر کی تصدیق کی اور پھر آپ نے بھی ان کو کربلا کی مٹی دی۔ چنانچہ جب سے امام حسینؑ عراق کی جانب روانہ ہوئے تھے، وہ معظّمہ اس مٹی کا بہت دھیان رکھتی تھیں۔ یہاں تک کہ محرم کی دسویں تاریخ کو جب انہوں نے اپنی عادت کے مطابق اس مٹی پر نظر کی تو کیا دیکھتی ہیں کہ وہ خونِ تازہ کی مانند جوش مار رہی ہے۔ اسی طرح کی بہت سی روایات کے مطابق وہ بی بی ام سلمہ ہی ہیں کہ جن کو حجاز میں سب سے پہلے امامؑ کے قتل کا علم ہوا۔ حالانکہ ان روایات میں سے بیشتر وہ ہیں جن پر خاص طور پر تحقیق نہیں کی گئی۔

بہر حال حسینؑ سات سال یا (تاریخ ولادت میں اختلاف کے لحاظ سے) اس سے کچھ کم عرصہ تک اپنے نانا رسولؐ اللہ کے زیر سایہ رہے۔ آنحضرتؐ نے آپ کا نام حسینؑ رکھا جیسا کہ اس سے قبل آپ کے بھائی کا نام حسنؑ رکھا تھا۔ آپ انہی کی تربیت میں رہے، یہاں تک کہ آنحضرتؐ اپنے رب سے جا ملے۔ پس کم سنی کے باوجود آپ کے ذہن شریف پر ہر وہ شے نقش ہوتی رہی جو آنحضرتؐ کے قول و فعل سے ظہور میں آتی تھی۔ گویا آپ اپنے جد بزرگوار سے پہلے کسی اور سے واقف نہیں ہوئے، نہ آپ کو آنحضرتؐ کی شفقت سے پہلے کسی انسان کی شفقت ملی۔ وہ آپ کو اپنی زبان مبارک چسا چسا کر اتنی غذا باہم پہنچا دیتے تھے جو راویوں کے بقول آپ کو دو یا تین روز کے لئے کافی ہوتی تھی۔ یہاں تک

کہ آپ کا بدن مضبوط ہوگیا اور آپ کے عظیم ذہن میں رسالت کے علوم اور مقاصد کے لئے اتنی وسعت پیدا ہوگئی کہ وہ روحانیت اس میں پوری طرح رچ بس گئی۔ آپ کے جد بزرگوار نے بارہا آپ کے متعلق فرمایا:

"حسین منی و انا من حسین"۔

"حسینؑ مجھ سے ہے اور میں حسینؑ سے ہوں"۔

براء بن عازب سے روایت ہے کہ: میں نے نبی اکرمؐ کو دیکھا کہ حسینؑ کو اپنے کندھے پر لئے ہوئے یہ فرما رہے ہیں: بارالہٰا! میں اس کو محبوب رکھتا ہوں تو بھی اس کو محبوب رکھ اور اُس کو بھی جو اِس کو محبوب رکھے۔ اپنے جد بزرگوار کے بعد آپ اپنے والد عالی قدر کی تربیت میں آ گئے۔ اس وقت آپ اپنی عمر کے ساتویں سال میں تھے۔ آپ اپنے والدین کے اس رنج میں شریک رہے جو ان کو رسول اکرمؐ کے انتقال اور پھر آپ کے والد گرامی کو خلافت سے محروم رکھے جانے پر لاحق ہوا تھا۔ نیز آپ نے دیکھا کہ ان چند مہینوں کے دوران جبکہ آپ کی والدہ گرامی آپ کے جد بزرگوار کے بعد زندہ رہیں' ان کو اپنے والد کے فراق میں قرار نہ آتا تھا۔ وہ رات دن آنحضرتؐ کے لئے روتی رہتی تھیں لیکن اس تاریک فضا میں بھی انہوں نے قوم سے ان چیزوں کا مطالبہ کرنے میں جھجک محسوس نہ کی جو ان لوگوں نے ان سے اور ان کے شوہر سے چھین لی تھیں۔ وہ ان کے سامنے اپنے حق میں مضبوط اور محکم دلیلیں پیش کیا کرتی تھیں۔ مگر وہ لوگ ان پر ظلم ڈھانے اور ان کے حقوق غصب کرنے پر جمے ہی رہے۔ بلکہ نوبت یہاں تک آ پہنچی کہ راویوں کے بقول ان لوگوں نے بی بی کے گھر پر ہلہ بول دیا اور اس گھر کو اس کے مکینوں سمیت جلا دینے پر تیار ہو گئے۔

ابوعبداللہ الحسینؓ اپنے اس لڑکپن میں یہ سب کچھ دیکھتے رہے۔ چنانچہ آپ رنج سے پیچ وتاب کھاتے اوران واقعات کی تلخی کومحسوس فرماتے تھے۔ آپ اپنے عالی قدر والد اور برادرعزیز کے ساتھ رہے' یہاں تک کہ آپ کی مادرگرامی کا انتقال ہوگیا۔ اب تو آپ کا غم دو چند ہوگیا اور آپ کے ذہن پر اس کا شدید اثر ہوا لیکن صبر اور استقامت میں اپنے والد بزرگوار کی پیروی فرماتے رہے۔ آپ نے اپنے والد اور بھائی کی طرح اپنی زندگی کا یہ مرحلہ اللہ کی مشیئت اوراس کے فیصلے پر بڑے اطمینان اور حوصلے کے ساتھ طے کیا۔ آپ تیس سال سے زیادہ اپنے والد بزرگوار کے ساتھ رہے۔ جبکہ آپ خلوص قلب سے اپنے جدامجد کی رسالت کے معتقد تھے۔ باطل اوراہل باطل سے نفرت فرماتے اور ظالموں کے ساتھ سختی سے پیش آتے تھے۔ آپ دین کے معاملہ میں نہ کسی سے مصالحت فرماتے نہ کسی کی بے جا طرفداری کرتے تھے۔ دنیا کی فتنہ انگیزیاں اور دلفریبیاں آپ کو بھٹکا نہ سکتی تھیں۔ اگر کوئی کسی پر زیادتی کرتا تو آپ کو جوش آجاتا تھا۔ کمزوروں کی فریاد اور پریشان حالوں کی پکار پر آپ انکے حق میں آواز بلند کرتے' جس سے ظالموں اور جابروں کی خوابگاہوں میں ہلچل پڑ جاتی تھی۔

آپ کا قول یہ تھا: آگاہ ہوجاؤ کہ میں موت کوخوش بختی سمجھتا ہوں اوراس کے مقابل ظالموں کے ساتھ زندہ رہنے کوایک گناہ تصور کرتا ہوں۔

تمام مؤرخ اور راوی اس امر پر متفق ہیں کہ آپ ذاتی فضیلت' اخلاقی برتری اور حسن عمل میں مثالی حیثیت کے حامل تھے۔ آپ اس وسیع علم سے پورا پورا فائدہ اٹھاتے تھے جو آپ کو اپنے جدامجد اور پدر عالی قدر سے ورثے میں ملا تھا۔ آپ اقوال سے پہلے اعمال میں پیش پیش رہتے تھے۔ اپنے مال کو ناداروں اور حاجتمندوں پر صرف کرنے میں سخی اور

متواضع تھے۔ آپ حق کی نصرت فرماتے اور برائیوں سے برسر پیکار رہتے تھے۔ آپ صبر، بردباری، عفت، مروّت اور خداترسی سے آراستہ تھے۔ آپ تمام لوگوں میں سب سے زیادہ عبادت گزار اور سب سے زیادہ دنیا اور اس کی لذتوں سے روگرداں تھے۔

آپ دنیا اور اس میں انسان کی حیثیت کے بارے میں کلام فرماتے تو کہتے:

''اے بندگان خدا! اللہ سے ڈرو اور دنیا (کے فریب) سے خبردار رہو۔ کیونکہ اگر وہ کسی کیلئے سدا باقی رہتی یا کوئی اس میں ہمیشہ رہتا تو اس کا سب سے زیادہ حق انبیاء کو تھا اور وہی اس سے بہرہ یابی کے سب سے زیادہ سزاوار تھے۔ لیکن اللہ نے دنیا کو آزمائش کے لئے خلق کیا ہے اور اس کے باشندوں کو ایک مقررہ مدت کے لئے پیدا کیا ہے۔ پس اس کی نئی سے نئی چیزیں بوسیدہ ہو جانے والی ہیں۔ اس کی نعمتیں ختم ہو جانے والی ہیں اور اس کی خوشیاں زائل ہو جانے والی ہیں۔ تم لوگوں کو چاہئے کہ آخرت کے لئے سامان سفر مہیا کر لو اور بہترین سامان اللہ کا خوف ہے۔ پس تم لوگ اللہ سے ڈرو کہ تم اسی سے فلاح پاؤ گے''۔

مختصر یہ کہ امام حسینؑ کا کلام شرافت، قربانی اور فداکاری کے جذبات و احساسات سے بھرا ہوا ہے۔ چنانچہ آپ اصلاح چاہنے والوں، تاریخ کی عظیم ہستیوں اور ظلم و سرکشی کے خلاف برسر پیکار رہنے والوں میں بلندترین مقام کے حامل ہیں۔ آپ کی ہمیشہ یہ کوشش رہی کہ آپ کی باشرف اور پاکیزہ زندگی، ہر اصلاح چاہنے والے، ظلم اور ظالموں سے مقابلہ کرنیوالے نیز ہر اس صاحبِ فضیلت شخص کے لئے ایک اعلیٰ نمونہ اور عمدہ مثال بنے رہے جو ظالموں کے چنگل میں ذلت کے ساتھ زندہ رہنے کے مقابلے میں اپنی گردن تلوار کی دھار پر رکھ دینے کو ترجیح دیتا ہو۔ چنانچہ آپ کی زندگی بھی اسی طرح تمام ہوئی کہ تلواریں آپ کے

جسم کو پارہ پارہ کر رہی تھیں اور آپ کی زبان مبارک پر یہی کلمات جاری تھے:

''میں اپنے آپکو ذلیل فرد کی طرح تمہارے حوالے نہیں کروں گا۔ اور نہ میں تمہارے ساتھ ایک غلام کی مانند زندہ رہوں گا''۔

اسی لئے آپ دلیری وفداکاری کا ایسا باشرف اور پاکیزہ نمونہ عمل بنے رہے اور بنے رہیں گے جس کے اثرات وخصوصیات سے انسانیت کی طویل تاریخ میں آنے والی تمام نسلیں تقویت حاصل کرتی رہیں گی۔

اب امام حسینؓ کی سیرت بیان کرنے کا موقع آ گیا ہے۔ پس ہمارے لئے ضروری ہے کہ ہم اس کے تمام مراحل کو تیزی سے طے کر لیں۔ پھر اللہ سے امیدؓ کریں کہ ہم کو بھی ان کی سیرت طیبہ سے حق جوئی، حق کوشی، سخاوت اور قربانی کا وہی جذبہ حاصل ہو جو سید الشہداءؓ کے دل میں تھا۔

امام حسینؓ چار خلفاء کے عہد میں

ہم امام حسینؓ کی ولادت اور آپ کے جدامجد رسول اکرمؐ کے ساتھ آپ کی زندگی پر ہلکی سی روشنی ڈال چکے ہیں۔ لیکن تاریخ ہم کو پہلے خلیفہ کے زمانہ میں آپ کے بارے میں کچھ نہیں بتاتی۔ شاید اس وجہ سے کہ آپ اس وقت کم سن تھے اور حضرت ابوبکرؓ صرف دو سال کے قریب خلیفہ رہے، جبکہ ان کی وفات کے وقت امام حسینؓ اپنی عمر کے نویں سال میں تھے۔ البتہ حضرت عمر بن خطابؓ کی خلافت کے دوران ہر تلاش کرنے والے کو امام حسینؓ کی سیرت کے متعلق کہیں کہیں تھوڑا سا مواد مل جائے گا۔

چنانچہ حضرت عمر بن خطابؓ کی خلافت کے ابتدائی زمانے کے متعلق امام حسینؓ نے فرمایا: میں حضرت عمر کے پاس گیا تو وہ منبر پر بیٹھے خطبہ دے رہے تھے اور مسلمان ان کے چاروں طرف جمع تھے۔ میں لوگوں میں سے گزرتے ہوئے ان کے قریب پہنچا اور ان سے کہا: میرے باپ کے منبر پر سے اتر جاؤ اور اپنے باپ کے منبر پر بیٹھو۔ اس پر وہ مسکراتے ہوئے بولے: میرے باپ کا کوئی منبر نہیں ہے اور قسم بخدا یہ منبر آپ کے والد بزرگوار ہی کا ہے۔ پھر انہوں نے میرا ہاتھ پکڑ کر مجھ کو اپنے برابر میں بٹھالیا۔ جب وہ منبر پر سے اترے تو مجھ کو اپنے ساتھ اپنے گھر میں لے گئے جہاں انہوں نے مجھ سے دریافت کیا کہ: آپ کو یہ بات کس نے سکھائی تھی۔ میں نے کہا: بخدا یہ بات مجھ کو کسی نے نہیں سکھائی۔ تب وہ کہنے لگے: میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں۔ کاش کہ میں اپنے حواس میں نہ رہوں؟ پھر ایک روز میں ان کے ہاں گیا۔ وہ معاویہ کے ساتھ تنہائی میں باتیں کر رہے تھے اور ان کا بیٹا

عبداللہ دروازے پر کھڑا تھا۔ چنانچہ جب وہ وہاں سے چلا گیا تو میں بھی اس کے ساتھ ہی واپس ہو گیا۔ اس کے بعد میری ان سے ملاقات ہوئی تو وہ کہنے لگے: جب آپ مجھ سے مل کر گئے تھے۔ دوبارہ میں نے آپ کو دیکھا ہی نہیں۔ تب میں نے ان کو بتلایا کہ میں آپ کے پاس آیا تو تھا لیکن آپ معاویہ کے ساتھ تنہائی میں محو گفتگو تھے۔ البتہ آپ کے فرزند عبداللہ' دروازے پر کھڑے تھے' میں بھی ان کے ساتھ ہی واپس چلا گیا تھا۔ اس پر وہ کہنے لگے. آپ میرے بیٹے سے زیادہ حقدار ہیں کیونکہ یہ جو (نشان حکمرانی) آپ ہمارے سروں پر دیکھتے ہیں یہ اللہ کا اور پھر آپ کے گھرانے ہی کا دیا ہوا ہے۔

تذکرۃ الخواص وغیرہ میں ابن عباس سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن خطاب' حسنؑ اور حسینؑ سے محبت کرتے اور ان کو اپنے بیٹوں پر مقدم قرار دیتے تھے۔ ایک روز انھوں نے مال تقسیم کیا تو حسنؑ و حسینؑ کو دس دس ہزار درہم دیے اور اپنے بیٹے عبداللہ کو ایک ہزار دیے۔ تب ان کے بیٹے نے ان سے شکایت کی اور کہا: آپ اسلام میں میری سبقت اور رسول اکرمؐ کی طرف میری ہجرت سے واقف ہوتے ہوئے بھی ان دونوں صاحبزادوں کو مجھ پر افضل قرار دیتے ہیں۔ اس پر انھوں نے کہا: اے عبداللہ وائے ہو تجھ پر' ذرا ان دونوں کے سے نانا' ان دونوں کے سے باپ' ان دونوں کی سی ماں' ان دونوں کے سے ماموں' ان دونوں کے سے چچا اور ان دونوں کی سی پھوپھی تو لے کر آؤ' کیونکہ ان کے نانا رسول اکرمؐ ان کے باپ علیؑ بن ابی طالبؑ' ان کی ماں فاطمہ زہراؑ' ان کی نانی خدیجہؓ بنت خویلد' ان کے ماموں ابراہیم بن رسول کریمؐ ان کے چچا جعفر طیار اور ان کی پھوپھی ام ہانی بنت ابی طالب ہیں۔

تاریخ ابن عساکر میں روایت ہے کہ حضرت عمر بن خطاب نے حسنؑ اور حسینؑ کے لئے

وہی روزینہ مقرر کیا جوان کے والد بزرگوار کے لئے مقرر کیا تھا۔ نیز عطایا کے معاملہ میں بھی ان دونوں کو اہل بدر میں شامل کر دیا۔ ایک مرتبہ یمن کے گورنر نے کچھ حُلّے بھیجے جو انہوں نے تقسیم کر دیئے لیکن ان میں سے حسنؓ و حسینؓ کو کچھ نہیں دیا۔ لوگ وہ لباس پہن کر خوش ہونے لگے۔ اتنے میں حسنؓ و حسینؓ اپنی مادر گرامی کے مکان سے نکلے جو مسجد سے ملا ہوا تھا۔ ان کو دیکھا تو حضرت عمر بن خطاب رنجیدہ ہو کر اپنے چاروں طرف کے لوگوں سے کہنے لگے: میں نے انصاف نہیں کیا' کیونکہ تم کو یمن کے حلے پہننے کو دیئے اور ان دونوں صاحبزادوں کو نظر انداز کر دیا۔ اس کے بعد انھوں نے یمن میں اپنے گورنر کو لکھ کر بھیجا کہ وہ حسنؓ و حسینؓ کے لئے جلدی سے دو حلے بھیج دے' چنانچہ گورنر نے دو حُلّے بھیجے۔ تب انہوں نے وہ ان دونوں شہزادوں کو پہنا کر کہا: اب میرا دل خوش ہو گیا۔

دوسری روایت میں ہے کہ ان کے پاس اولاً جو حلے آئے تھے' ان میں کوئی ایسا نہ تھا جو ان دونوں بھائیوں کے لئے مناسب ہوتا۔ چنانچہ انہوں نے یمن کے گورنر کو لکھ بھیجا کہ وہ دو ایسے حلے بھیجے جو ان دونوں کے لئے موزوں ہوں۔

تاریخ کی کتابوں میں اس بارے میں کوئی اشارہ نہیں ملتا کہ آپؓ نے روم اور فارس کے ساتھ مسلمانوں کی جنگوں میں شرکت فرمائی ہو۔ شائد اس کی وجہ یہ ہو کہ حضرت عمرؓ کی خلافت کے زمانے میں آپ ابتداء شباب کی منزل سے آگے نہیں بڑھے تھے۔ البتہ حضرت عثمانؓ کے زمانے میں آپؓ پورے شباب کو پہنچ گئے تھے۔ چنانچہ آپ اور آپ کے بھائی حسنؓ عملی زندگی میں عام لوگوں کے ساتھ شریک ہونے لگے تھے جیسا کہ افریقہ اور فارس کے بعض معرکوں میں بھی شریک ہوئے تھے۔

ابن خلدون یہ روایت کرتے ہیں کہ جب حضرت عثمان بن عفانؓ نے عمرو بن العاص

کومصر کی گورنری سے علٰحدہ کردیا تو وہاں اپنے رضاعی بھائی عبداللہ بن سرح کو مقرر کیا اور اس کو اہل افریقہ سے جنگ کرنے کا حکم دیا۔ اس کے ساتھ ہی عقبہ بن نافع بن عبدالقیس اور عبداللہ بن نافع بن حرث کو لشکر پر امیر مقرر کیا۔ یہ لوگ افریقہ کی طرف بڑھے لیکن وہاں کے لوگوں نے خراج دینے کے وعدہ پر ان سے صلح کرلی۔ البتہ وہاں کی کثیر افرادی قوت کی وجہ سے مسلمان پیش قدمی نہیں کرسکے۔ اس کے بعد ابن سرح نے افریقہ میں پیش قدمی کرنے کے لئے حضرت عثمان سے اجازت طلب کی۔ اس نے یہ بھی درخواست کی کہ لشکر میں اضافہ کیا جائے۔ حضرت عثمان بن عفانؓ نے اپنے اصحاب سے مشورہ کیا تو انھوں نے لشکر کشی کے حق میں رائے دی۔ چنانچہ خلیفہ نے مزید فوج وہاں بھیج دی۔ جس میں صحابۂ کرام کی ایک جماعت کے ساتھ عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن عمرو بن عاص، عبداللہ بن جعفر اور حسنؓ و حسینؓ بھی شامل تھے۔

طبری اور ابن خلدون نے بیان کیا ہے کہ امام حسینؓ نے طبرستان کے نواح میں اہل فارس کے ساتھ مسلمانوں کی جنگوں میں شرکت فرمائی۔ جیسا کہ دونوں کتابوں میں ہے کہ: سنہ ۳۰ ہجری میں سعید بن عاص نے طبرستان پر فوج کشی کی۔ حالانکہ وہاں کے بادشاہ، اجہید نے عمر بن خطاب کے زمانہ میں، مسلمانوں کو ہر سال کچھ مال دینے کی شرط پر سوید بن مقرن سے صلح کرلی تھی۔ تاہم جب سعید ابن عاص حضرت عثمان کی طرف سے کوفہ کا گورنر مقرر ہوا تو اس نے اجہید پر فوج کشی کردی۔ اس وقت صحابہ کی ایک جماعت اس کے ساتھ ہوگئی۔ جس میں حسنؓ و حسینؓ، عبداللہ بن عباس اور مہاجرین وانصار کی اولاد میں سے کچھ افراد تھے۔ یہ غازی جرجان اور نہاوند وغیرہ تک بڑھتے چلے گئے۔ تب یہ سارے علاقے ان کے آگے سرنگوں ہوتے چلے گئے۔ البتہ مؤرخین کی ایک جماعت نے اس پہلو کو نظر انداز کردیا ہے۔

انہوں نے مسلمانوں کی ان جنگوں میں حسنؑ و حسینؑ کی شرکت کا ذکر نہیں کیا جو اس وقت کامیابیوں سے ہمکنار ہوتی رہی۔ حتی کہ افریقہ، طبرستان اور اس کے نواح کے معرکوں میں بھی ان دونوں بھائیوں کی شرکت کو اسی طرح نظر انداز کر دیا ہے جس طرح بعض دوسرے تاریخی حقائق پر غبار ڈالا ہے۔ لیکن صرف شرکت کے نظر انداز کرنے ہی پر معاملہ ختم نہیں ہو جاتا بلکہ اس سے تو ان جنگوں میں حسنینؑ کی شرکت کا معاملہ ہی شک میں پڑ جاتا ہے۔ حالانکہ اہل بیتؑ کی تاریخ، دین اسلام کی خاطر قربانیوں سے بھری پڑی ہے۔

بعض مؤرخین نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ امام حسینؑ اور آپ کے بھائی امام حسنؑ حضرت عثمان کو مظاہرین سے بچانے میں شریک رہے۔ امام علیؑ نے ان کو حکم دیا تھا کہ وہ انکے دروازے پر کھڑے رہیں اور شورشیوں کو ان پر حملہ کرنے سے روکے رکھیں۔ بعض مؤرخین اس پر یہ اضافہ بھی کرتے ہیں کہ: مظاہرین حضرت عثمان تک اس دروازے سے جاتے ہوئے ڈرے جس پر امام حسنؑ اور امام حسینؑ کھڑے تھے، اسی لئے وہ لوگ دیوار پھاند کر حضرت عثمان تک جا پہنچے اور ان کا خاتمہ کر دیا۔ میں اس معاملے میں حسنؑ و حسینؑ کے طرز عمل کے بارے میں اس کتاب کی پہلی جلد میں حضرت عثمان اور ان کی حکومت کے خلاف خروج کے سلسلہ میں اس قسم کی روایات پر تبصرہ پیش کر چکا ہوں، اس لئے اب اس کا اعادہ کرنا ضروری نہیں ہے۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ امام حسینؑ اپنے والد بزرگوار کی خلافت کے زمانہ میں تمام سیاسی، فوجی اور انتظامی معاملات میں شریک رہے۔ البتہ خود امام علیؑ اس بات کا خیال رکھتے تھے کہ آپ اور آپ کے بھائی حسنؑ قتال میں حصہ نہ لیں۔ چنانچہ آپ جنگ میں اپنے فرزند محمد بن حنفیہ کو آگے رکھتے تھے۔

اسی بناپر محمد بن حنفیہ سے کہا گیا کہ آپ کے والد بزگوار کیوں آپ ہی کو خطرے میں ڈالتے ہیں جبکہ حسنؑ اور حسینؑ کو خطرے میں نہیں ڈالتے۔ اس پر انہوں نے کہا کہ: وہ دونوں ان کی آنکھیں ہیں اور میں ان کا دست راست ہوں۔ چنانچہ وہ اپنے داہنے ہاتھ سے اپنی آنکھوں کی حفاظت فرماتے ہیں۔ ایک اور موقع پر امیر المومنینؑ سے کہا گیا کہ آپ محمد بن حنفیہ کو قتال کرنے کی اجازت کیوں دیدیتے ہیں حالانکہ آپ حسنؑ اور حسینؑ کو روکتے رہتے ہیں۔ اس پر آپ نے فرمایا کہ وہ دونوں میری آنکھیں ہیں اور محمد میرا ہاتھ ہے۔ پس میں ہاتھ سے اپنی آنکھوں کی حفاظت کرتا ہوں۔

صفین میں قرآن نیزوں پر بلند کئے جانے اور ہنگامۂ تحکیم کے بعد امیر المومنینؑ جب کوفہ واپس پہنچے تو آپ نے کسی کو یہ کہتے سنا: ''ان کو چاہئے تھا کہ جو لوگ انکی اطاعت میں تھے ان کی معیت میں جنگ جاری رکھتے' یہاں تک کہ فتح یاب ہوجاتے یا قتل ہوجاتے''۔ اس پر آپ نے فرمایا: یہ خیال میرے ذہن سے باہر نہیں تھا۔ میں تو خود ہی دنیا میں اپنے کو قیدی سمجھتے ہوئے موت کو اپنے لئے خوشگوار پاتا تھا۔ میں نے تو یہ ارادہ بھی کیا کہ دشمن کے خلاف اقدام کروں لیکن جب میں نے حسنؑ و حسینؑ کو دیکھا کہ یہ مجھ سے بھی آگے ہیں پھر میری نظر جو عبداللہ بن جعفر اور محمد بن حنفیہ پر پڑی کہ وہ بھی میرے ساتھ بڑھ رہے ہیں تب میں سمجھ گیا کہ اگر حسنینؑ قتل ہو گئے تو اس امت سے رسول اکرمؐ کی نسل نابود ہوجائے گی۔ پھر ان دونوں کے متعلق میں نے ایسا خیال کیا کہ اگر یہ مر گئے اور مجھ کو دشمنوں کا مقابلہ کرنا پڑا تو میں ان سے ضرور مقابلہ کروں گا خواہ میرے ساتھ فوج بھی نہ ہو۔

اسد الغابہ میں شفیق بن سلمہ سے روایت ہے کہ خوارج یا بیعت شکنوں کے ساتھ کسی جنگ میں حسینؑ اپنے والد بزرگوار کے ساتھ تھے۔ آپ میدان میں آئے اور آواز دی کہ

ہے کوئی مقابلہ کرنے والا! آپ کی آواز پر ذی لعوہ کا ایک شخص جس کا نام زبرقان بن احلم تھا' مقابلے کے لئے آیا' جو نہایت قوی اور بہادر تھا۔ اس نے امام حسینؑ سے کہا: تم کون ہو؟ آپ نے فرمایا میں حسینؑ بن علیؑ ہوں۔ اس پر زبرقان بولا: اے بیٹے واپس چلے جاؤ۔ قسم بخدا! ایک روز میں نے رسول اکرمؐ کو دیکھا کہ جبکہ وہ ایک سرخ اونٹنی پر قُبا سے آ رہے تھے۔ اس وقت میں نے تم کو ان کے آگے بیٹھے دیکھا تھا۔ پس میں تمھارے خون میں ہاتھ رنگ کر رسول کریمؐ سے ملاقات کرنا نہیں چاہتا۔ پھر وہ خود ہی آپ کے سامنے سے چلا گیا۔

امیر المومنینؑ کی امام حسینؑ کے لئے وصیت

روای بیان کرتے ہیں کہ جب ابن ملجم نے امیر المومنینؑ کو تلوار سے گھائل کر دیا پھر آپ کو اپنے مکان میں لے جایا گیا تو آپ کو غش پر غش آ رہے تھے۔ چنانچہ اس رات کہ جس میں آپ نے شہادت پائی' آپ کے سب بیٹے آپ کے گرد جمع ہو گئے۔ اس وقت آپ نے امام حسنؑ اور امام حسینؑ کی امامت کا اعلان فرمایا۔ اس کے ساتھ ہی اپنے دوسرے بیٹوں کو ان دونوں کی فرمانبرداری کا حکم دیا۔ تب آپ نے ان دونوں سے فرمایا: میں تم دونوں کو اللہ کا تقویٰ اختیار کرنے کی وصیت کرتا ہوں۔ تم دنیا کی خواہش نہ کرنا خواہ وہ تمھارے پیچھے پڑی رہے۔ دنیا کی جو چیز تم سے لے لی جائے اس پر افسوس نہ کرنا۔ مظلوم کے مددگار اور ظالم کے مخالف رہنا۔ پھر آپ نے اپنے دوسرے بیٹوں اور بنی ہاشم کی جانب متوجہ ہو کر فرمایا: اے بنی عبدالمطلب! ایسا نہ ہو کہ تم یہ کہہ کر مسلمانوں کا خون بہانے لگو کہ امیر المومنینؑ قتل کر دیئے گئے ہیں۔ میرے قصاص میں میرے قاتل کے علاوہ کسی اور کو

مت مارنا۔ میری موت جو کہ مقرر ہے' اگر اسی ضربت سے واقع ہو جائے تو تم لوگ بھی اس کو ایک ضربت کے بدلے میں صرف ایک ہی ضربت لگانا۔ اس آدمی کے اعضاء قطع نہ کرنا کیونکہ میں نے رسول اکرم کو یہ کہتے سنا ہے: خبردار! کسی کے اعضاء قطع مت کرنا' خواہ وہ کاٹنے والا کتا ہی کیوں نہ ہو۔

ابو منصور ثعالبی کی الاعجاز والایجاز میں ہے کہ امیر المومنینؑ نے امام حسینؑ کو یوں وصیت فرمائی:

''اے بیٹے وہ برائی' برائی نہیں جس کے بعد جنت حاصل ہو جائے اور وہ اچھائی' اچھائی نہیں جس کے بعد نار جہنم ملے۔ جنت کے علاوہ ہر نعمت وقتی ہے اور جہنم کے علاوہ ہر مصیبت عافیت ہے۔ میرے بیٹے! جان رکھو کہ جو کوئی اپنے عیب دیکھتا رہتا ہے وہ دوسروں سے بے نیاز رہتا ہے۔ جو کوئی اللہ کے دیئے ہوئے پر مطمئن رہتا ہے وہ کسی چیز کے نہ ملنے پر رنجیدہ نہیں ہوتا۔ جو بغاوت میں تلوار اٹھاتا ہے وہ اسی سے قتل ہو جاتا ہے۔ جو کوئی اپنے بھائی کے لئے گڑھا کھودتا ہے' خود اسی میں گر پڑتا ہے۔ جو کوئی دوسرے کا پردہ چاک کرتا ہے' وہ اپنے ہی گھر کی پوشیدگی لوگوں پر ظاہر کر دیتا ہے۔ جو اپنی خطاؤں کو بھول جاتا ہے وہ دوسروں کی خطاؤں کو بڑا سمجھتا ہے۔ جو مشکلوں سے دب جاتا ہے وہ ہلاک ہو جاتا ہے۔ جو سمندر میں پھاند پڑتا ہے' وہ ڈوب جاتا ہے۔ جو اپنی رائے کو بہترین مانتا ہے وہ گمراہ ہو جاتا ہے۔ جو عقل سے کام نہ لے وہ ذلت سے ہمکنار ہو جاتا ہے۔ جو دوسروں پر بڑائی جتاتا ہے وہ خود ہی خوار ہوتا ہے۔ جو دوسروں کو گالی دیگا وہ خود بھی گالی کھائے گا۔ جو برائی کے مقامات پر جائے گا وہ بدنام ہو جائے گا۔ جو

کمینوں سے ملے جلے گا وہ حقیر ہو جائے گا۔ جو علماء کی صحبت اختیار کرے گا وہ عزت پائے گا۔

اے بیٹے! انسان کی خود پسندی عقل کی کمزوری کی پہچان ہے۔ تم اپنے آپ کو اس چیز سے بچائے رکھو جو تم دوسرے میں ناپسند کرتے ہو۔ تمہارے بھائیوں کے تمہارے اوپر وہی حقوق ہیں جو تمہارے ان کے اوپر ہیں"۔

اس کے علاوہ امیر المومنینؑ کی دی ہوئی اور نصیحتیں اور ہدایات ہیں جو حدیث اور تاریخ کی دوسری کتابوں میں ملتی ہیں۔

امام حسینؑ اپنے بھائی امام حسنؑ کے ساتھ

امیر المومنینؑ نے اپنے بیٹے حسنؑ کو امامت کا منصب تفویض فرمایا اور تبرکات نبوت ان کے سپرد کر دیئے۔ نیز امام حسینؑ اور اپنے دوسرے بیٹوں کو ان کی اطاعت کرنے کی ہدایت فرمائی۔ چنانچہ امام حسینؑ ان تمام معاملات میں جو ان کے بھائی حسنؑ کو درپیش ہوئے' ان کے ساتھ رہے۔ دونوں بھائیوں میں ان تمام تدبیروں کے بارے میں مکمل اتفاق رائے رہا جو امام حسنؑ نے اہل عراق کی کنارہ کشی' معاویہ کی چالوں اور جاسوسی کی کاروائیوں کے مقابلہ میں اختیار فرمائیں کیونکہ لشکر عراق کی اکثریت' معاویہ ابن ابی سفیان اور ان کی ہمنوا جماعت کے زیر تصرف تھی۔ یہ بات امام ابوعبداللہ الحسینؑ سے چھپی ہوئی نہیں تھی کہ امام حسنؑ معاویہ سے جنگ کرتے تو نتیجہ معاویہ کے حق میں ہوتا۔ ہاں وہ جنگ اس طرح ختم ہوتی کہ امام حسنؑ' امام حسینؑ دیگر بنی ہاشم اور ان کے پرخلوص ساتھی قتل

ہوجاتے یا قیدی بنالئے جاتے۔ جیسا کہ امام حسنؑ کی مختصر سی مدت خلافت کے ان واقعات سے صاف ظاہر ہوتا ہے، جن کا ذکر ہم امام حسنؑ کی سیرت میں کر کے یہ واضح کر چکے ہیں کہ امام حسنؑ کے موقف پر کسی طرح کا شک کرنے یا آپ پر کوئی الزام لگانے کی ہرگز گنجائش نہیں ہے۔

اس سے یہ بھی واضح ہوجاتا ہے کہ ابن اثیر نے اسدالغابہ میں، ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ میں اور ابن عساکر نے اپنی تاریخ میں، اس بارے میں جو روایات بیان کی ہیں کہ امام حسنؑ نے معاویہ کے ساتھ جو طرز عمل اختیار کیا تھا، امام حسینؑ اس کو پسند نہ فرماتے تھے۔ جیسا کہ اُسدالغابہ میں ہے کہ امام حسینؑ نے امام حسنؑ سے فرمایا: میں آپ کو اللہ کی قسم دلاتا ہوں کہ آپ معاویہ کی بات کی تصدیق اور اپنے والد بزرگوار کی بات کی تکذیب نہ فرمائیے۔ اس پر امام حسنؑ نے ان سے فرمایا کہ تم چپ رہو۔ میں اس معاملے کو تم سے زیادہ سمجھتا ہوں یا ابن اثیر نے البدایہ والنہایہ میں بیان کیا ہے کہ امام حسنؑ نے فرمایا: میرا ارادہ ہے کہ میں تم کو ایک مکان میں نظر بند کروں تا اینکہ میں یہ کام اپنے طور پر انجام دیکر فارغ ہوجاؤں۔ اس کے بعد تم کو وہاں سے باہر نکالوں۔ نیز ابن عساکر نے اپنی تاریخ میں یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ امام حسنؑ نے ان سے فرمایا: قسم بخدا جب بھی میں کسی کام کا ارادہ کرتا ہوں تم اس کی مخالفت کرنے لگتے ہو۔ اسی طرح وہ تمام واقعات اور پیچیدگیاں کہ جو امام حسنؑ کے موقف پر اثر انداز ہوئیں اور جن کو ہم اس سے پہلے بیان کر چکے ہیں، ان سے یہ واضح ہوجاتا ہے کہ ان روایات کی کوئی حقیقی بنیاد نہیں ہے۔ علاوہ بریں امام حسینؑ ان سب معاملات اور ان کے اسباب پر اس زمانے کے ان نمایاں افراد سے کہیں زیادہ وسعت فکر و نظر کے حامل تھے جو امام حسنؑ کے اس عاقلانہ موقف کو قدر کی نظر سے دیکھتے تھے کیونکہ ان کے لئے اس کے علاوہ

کوئی اور چارۂ کار باقی نہیں رہا تھا۔ پھر امام حسینؑ کی شان تو یقیناً اس سے بلند تھی کہ ان سے اپنے بھائی کے افعال کی وہ مصلحت مخفی رہتی جسے دوسرے افراد بخوبی سمجھ رہے تھے۔ وہ لوگ جنہوں نے ان دونوں اماموں کے مابین اختلاف کا افسانہ تیار کیا' میرے خیال میں وہ چاہتے تھے کہ ان دونوں میں سے کسی ایک پر کوئی نہ کوئی الزام ضرور تھوپ دیں' خواہ وہ غلط ہی ہو کیونکہ وہ لوگ ان دونوں بھائیوں کی مشکلات اور حادثات میں گھری ہوئی' مگر بے عیب زندگی میں کوئی فکری عملی خامی یا کوئی غلطی نکالنے سے قاصر رہے تھے تاہم اپنے بھائی کے موقف سے امام حسینؑ کے اختلاف کا لازمی نتیجہ یہی ہوسکتا ہے کہ ان دونوں میں سے کوئی ایک ضرور غلطی پر تھا یعنی جب ایک کی رائے اور طریقۂ عمل دوسرے کی رائے اور طریقۂ عمل سے مختلف ہو تو پھر یہ بات قرین عقل نہیں ہے کہ وہ دونوں ہی صحیح ہوں۔

جن لوگوں نے ان دونوں اماموں کے مابین اختلاف کا افسانہ گھڑا اور اپنے بھائی کے متعلق اس موقف کو امام حسینؑ سے منسوب کیا۔ شاید وہ یہ چاہتے تھے کہ صرف آپ ہی کو غلطی پر قرار دیں۔ وہ اس دلیل سے کہ جو کچھ امام حسنؑ نے کیا وہ مسلمانوں کی بھلائی کے لئے تھا اور اس سے رسول اکرمؐ کے اس قول کی تصدیق ہوتی تھی' جسے حضرت ابوبکرؓ نے روایت کیا ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا: بے شک یہ (حسنؑ) سردار ہے' اور خدا اس کے ذریعے سے مسلمانوں کی دو بڑی جماعتوں کے درمیان صلح کروادے گا۔ پس ان لوگوں کے خیال کے مطابق اس کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ نہ تو حسینؑ اپنے بھائی کے عہد میں صحیح موقف پر تھے اور نہ وہ اپنی انقلابی تحریک میں صحیح موقف پر تھے۔ گویا کہ ان لوگوں کے خیال کے مطابق' آپ مسلمانوں کی مصلحت کو سمجھ پانے سے قاصر رہے تھے۔

بہر حال میری رائے یہ ہے اور دسیوں ثبوت کی تائید کرتے ہیں کہ یہ دونوں امام تمام

معاملات اوران کے نتائج کے متعلق اپنی فکر ونظر میں پوری طرح متحد تھے۔ البتہ لوگوں نے امام حسینؑ سے بھی اسی طرح کی باتیں منسوب کیں جس طرح امام حسنؑ سے منسوب کی تھیں۔ جیسے یہ کہ وہ اپنے والد بزرگوار کی خلافت سے قبل اور اس کے دوران بہت سے سیاسی معاملات میں ان سے اختلاف رکھتے تھے' بلکہ بعض لوگ تو اس پر یہ اضافہ بھی کرنے لگے کہ وہ عثمانی مسلک پر تھے۔ مزید برآں لوگوں نے ان کو اپنے والد بزرگوار سے اس طرح پیش آتے ہوئے دکھایا ہے جس طرح کسی کے لئے بھی اپنے باپ سے پیش آنا مناسب نہیں ہوسکتا۔ لوگوں نے اس بارے میں جو کچھ بیان کیا ہے' ہم قبل ازیں اس کو امام حسنؑ کے حالات میں بیان کر چکے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی ہم یہ بھی ثابت کر چکے ہیں کہ یہ باتیں امویوں کی گھڑی ہوئی ہیں کیونکہ امام حسنؑ اپنے پدر بزرگوار کے سیاسی طرز عمل سے پوری طرح متفق تھے اور وہ تمام مراحل کہ جن سے وہ گزرتے رہے' ان میں آپ نے کسی بھی مرحلہ میں اپنے والد بزرگوار کی مخالف نہیں کی۔

غزوۂ قسطنطنیہ

بعض مؤرخین نے بیان کیا ہے کہ مسلمانوں نے معاویہ ابن ابوسفیان کے عہد خلافت میں یزید بن معاویہ کی قیادت میں سنہ ۴۹ ہجری اور سنہ ۵۷ ہجری میں دو مرتبہ فوج کشی کی۔ وہ لوگ کہتے ہیں کہ دوسرے حملہ میں ابوایوب انصاری اور حسینؑ بن علیؑ بھی شریک تھے۔ تاریخ ابن کثیر میں لکھا ہے کہ حسینؑ اپنے بھائی کی وفات کے بعد معاویہ کے ہاں آیا جایا کرتے تھے۔ چنانچہ ایسا اتفاق ہوا کہ سنہ ۵۱ ہجری میں جب آپ ان کے پاس تشریف لے گئے تو یزید بن معاویہ کی قیادت میں قسطنطنیہ پر حملہ کرنے والے لشکر میں شامل ہو گئے۔ اپنی

تاریخ کی چوتھی جلد میں علی بن حسین بن عساکر نے بھی اس بیان کی تائید کی ہے۔

تاہم تحقیق سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ابن عساکر اور ابن کثیر کے علاوہ کسی اور مؤرخ نے اس بات کا ذکر نہیں کیا۔ بلکہ ابن جریر طبری نے تو اپنی تاریخ میں صرف ایک یعنی سنہ ۴۹ ہجری کی فوج کشی کا حال لکھا ہے جس میں ابن عباس، ابن عمر، ابن زبیر اور ابوایوب انصاری کی شرکت بتائی ہے لیکن ان کے ساتھ امام حسینؑ کا نام نہیں۔ پھر جس کسی نے بھی اس زمانے میں مسلمانوں کی فوج کشیوں کا تذکرہ کیا ہے، اس نے اس میں امام حسینؑ کی شرکت کا ذکر نہیں کیا۔ اس بات پر سبھی متفق ہیں کہ ابوایوب انصاری نے اسی فوجی مہم کے دوران انتقال کیا اور ان کی وصیت کے مطابق ان کو وہیں دفن کر دیا گیا تھا۔ جب سلطان محمد ثانی نے قسطنطنیہ کو فتح کیا تو انہوں نے ہر کام سے پہلے ان کی قبر پر نہایت عمدہ عمارت بنوائی۔ پھر سلاطین عثمانیہ کا یہ معمول رہا کہ جو بھی حکومت سنبھالتا وہ ازراہ برکت اپنی شمشیر بندی اور تاجپوشی کی رسم ابوایوب انصاری کے مزار پر ادا کرتا تھا۔

بعض عرب اور غیر عرب مؤرخین کا کہنا ہے کہ اس جنگ میں مسلمانوں نے رومیوں کے ساتھ لڑنے کے لئے ایک ہوائی جہاز بھی بنایا تھا لیکن جب ایک ہوا باز اس کو لیکر فضا میں گیا تو وہ جہاز گر پڑا اور پاش پاش ہو گیا۔ بعض مؤرخین کا خیال ہے کہ پہلے بزنطیہ کے گورنر نے قسطنطنیہ سے ہوائی جہاز لیا اور عرب لشکر کے خلاف استعمال کیا جس نے وہاں کا محاصرہ کیا تھا۔ جب عرب اس کی ساخت سے واقف ہو گئے تو انہوں نے بھی ویسا ہی جہاز بنایا اور اس پر پرواز کی لیکن جب اس نے کچھ مسافت طے کی اور قریب تھا کہ اپنے مقاصد میں کامیاب ہو جائے عین اس وقت وہ بحیرۂ باسفور میں گر کر تباہ ہو گیا۔

بہرحال تاریخی مصادر نے جنگ قسطنطنیہ میں امام حسینؑ کی شرکت کا ذکر نہیں

کیا ہے۔ یہ بات قابل قبول بھی ہے لیکن اس لئے نہیں کہ اس کی سالاری یزید کر رہا تھا اور اس کا منصوبہ تیار کرنے والے معاویہ تھے۔ جیسا کہ کچھ شیعہ اور غیر شیعہ افراد کا خیال ہے جو اہل بیتؑ کرام کی صحیح حیثیت کو سمجھتے ہی نہیں ہیں' کیونکہ سالار خواہ صالح ہو یا فاسد اہل بیتؑ اسلام کی راہ میں لڑنے کو ہمیشہ تیار رہتے تھے۔ جیسا کہ ان تاریخ سے واضح ہے کہ جو اسلام کی راہ میں قربانیوں سے بھری پڑی ہے۔ بہر حال جنگ قسطنطنیہ میں امام حسینؑ کی عدم شرکت اس لیئے قابل تسلیم ہے کہ آپ معاویہ سے زیادہ روابط نہیں رکھتے تھے۔ نیز معاویہ کے عہد میں آپ کا شام تشریف لے جانا ثابت ہی نہیں۔ اگر ایک ایسی فوج جس کی قیادت یزید کر رہا تھا' امام حسینؑ نے اس میں ایک لشکری کی حیثیت سے شرکت کی ہوتی تو اموی افراد اپنے تمام وسائل سے کام لیکر اس کو اتنی شہرت دیتے۔ یہ معاملہ کسی مؤرخ سے پوشیدہ نہ رہ پاتا۔

امام حسینؑ اور معاویہ کے اہلکار

بعض مؤرخین نے بیان کیا ہے کہ ایک مرتبہ امام حسینؑ اور ولید بن عتبہ بن ابی سفیان کے درمیان ایک قطعۂ زمین کے بارے میں تنازعہ پیدا ہو گیا۔ وہ اس وقت اپنے چچا معاویہ ابن ابی سفیان کی طرف سے مدینہ کا گورنر تھا۔ ولید نے امام حسینؑ کے خلاف چال چلی اور اپنے اقتدار سے فائدہ اٹھانا چاہا۔ اس پر امام حسینؑ نے اس سے کہا: قسم بخدا! یا تو تم میرے حق کے بارے میں انصاف سے کام لو ورنہ میں تلوار لے کر مسجد رسولؐ میں کھڑا ہو جاؤں گا اور حلف الفضول کا سہارا طلب کروں گا۔ تب عبداللہ بن زبیر بھی جو وہاں موجود تھے' بولے

کہ میں بھی خدا سے عہد کرتا ہوں کہ اگر انہون نے حلف الفضول کا سہارا طلب کیا تو میں بھی اپنی تلوار لیکر ان کے ساتھ اٹھ کھڑا ہوں گا تا اینکہ ان کے حق کے بارے میں انصاف کیا جائے یا ہم دونوں ایک ساتھ مر جائیں۔ جب ان دونوں کی گفتگو مسور بن مخرمہ زہری تک پہنچی تو انہوں نے بھی یہی کہا۔ پھر یہ بات عبدالرحمان بن عثمان تیمی تک پہنچی تو انہوں نے بھی ویسا ہی عہد کیا۔ جب ولید بن عتبہ کو اس کی اطلاع ملی تو اس نے امام حسینؑ کے ساتھ انصاف کیا اور آپ کی زمین آپ کو واپس کر دی۔

شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید میں ہے کہ معاویہ اور امام حسینؑ کے مابین حجاز میں واقع ایک زمین کی بابت تنازعہ ہو گیا۔ اس پر امام حسینؑ نے معاویہ سے کہا کہ یہ زمین تم مجھ سے خرید لو یا مجھ کو واپس دیدو یا اس کیلئے عبداللہ بن عمر اور عبداللہ بن زبیر میں سے کسی ایک کو ثالث بناؤ' ورنہ چوتھی صورت تو ''صیلم'' ہی رہ جاتی ہے۔ معاویہ نے پوچھا کہ صیلم کیا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ میں حلف الفضول کا سہارا لوں گا۔ اس کے بعد آپ غصے میں اٹھ کھڑے ہوئے۔ آپ عبداللہ بن زبیر کے پاس سے گزرے تو ان کو معاویہ کے ساتھ اپنی گفتگو سنائی۔ اس پر ابن زبیر بولے: قسم بخدا! اگر آپ نے حلف الفضول کا سہارا لیا تو پھر میں لیٹا ہوں گا تو اٹھ جاؤں گا' بیٹھا ہوں گا تو کھڑا ہو جاؤں گا' کھڑا ہوں گا تو چل پڑوں گا' چل رہا ہوں گا تو دوڑ پڑونگا تا اینکہ میری روح آپ کی روح سے متصل ہو جائے۔ جب معاویہ کو یہ باتیں معلوم ہوئیں تو انہوں نے کہا: ہم کو ''صیلم'' کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ تب انہوں نے امام حسینؑ کو کہلا بھیجا کہ آپ اپنی رقم لے جایئے کیونکہ ہم نے وہ زمین آپ سے خرید لی ہے۔

یہ حلف الفضول جاہلی دور کا وہ عہد نامہ تھا جو قریش کے چند قبیلوں نے ظلم و جور کو مٹانے کے لئے مرتب کیا تھا۔ چنانچہ انہوں نے عبداللہ بن جدعان کے گھر جمع ہو کر باہم

عہد کیا تھا کہ جب کبھی وہ لوگ مکہ میں کسی پر ظلم ہوتا ہوا پائیں گے تو اس سے ظلم کو دور کریں گے اور ہمیشہ حقدار کی طرفداری کریں گے۔

نبی اکرمؐ سے روایت ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا: میں عبداللہ بن جدعان کے گھر میں معاہدہ کے وقت حاضر رہا ہوں۔ اگر مجھ کو ایسے ہی کسی معاہدہ کی طرف بلایا جائے تو میں اس بلاوے کو ضرور قبول کروں گا۔ آنحضرتؐ نے یہ اس لئے فرمایا کہ اس معاہدے کے مقاصد اسلام سے قریب تر ہیں کیونکہ اسلام بھی حق کی طرف داری اور مظلوموں اور پسماندہ افراد کی حمایت کی دعوت دیتا ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ اس معاہدے کو یہ نام دینے کا سبب یہ تھا کہ مکہ کے جن چند ممتاز افراد نے ظلم کو مٹانے کا عہد کیا تھا' ان کے نام فضیل' فضال اور مفضل تھے۔ اس بنا پر یہ عہد نامہ حلف الفضول کے نام سے معروف ہو گیا۔

امام حسینؑ کی سخاوت وعبادت

امام حسینؑ کے متعلق یہ بات مشہور تھی کہ آپ مہمان کی عزت فرماتے' سائل کو دریا دلی سے نوازتے' رشتہ وناتے کا خیال فرماتے' نادار کو عطا فرماتے' مانگنے والے کی ضرورت پوری فرماتے' بے لباس کو لباس دیتے' بھوکے کو کھانا کھلاتے' مقروض کی امداد فرماتے' یتیم پر شفقت فرماتے اور حاجتمندوں کی اعانت فرماتے تھے۔ جیسے ہی ان کے پاس کوئی رقم آتی وہ اس کو خرچ کر ڈالتے تھے۔

راویوں نے ایک بڑھیا کا واقعہ بیان کیا ہے جو امام حسینؑ' آپ کے بھائی امام حسنؑ اور عبداللہ بن جعفر کے ساتھ پیش آیا تھا' جبکہ یہ تینوں بھائی مکہ کے راستے میں تھے۔ تب اس

بڑھیا نے ایک بکری ذبح کی تھی۔ کچھ عرصے کے بعد آپ نے اس کو مدینے میں دیکھا کہ وہ ناداری اور تنگی سے خستہ حال تھی۔ امام حسنؑ نے اس کو ایک ہزار بکریاں اور ایک ہزار دینار عطا فرمائے۔ اسی طرح امام حسینؑ اور عبداللہ بن جعفرؑ نے بھی اس کو اتنا ہی دیا۔ چنانچہ وہ تین ہزار بکریاں اور تین ہزار دینار لیکر اپنے شوہر کے ہمراہ وطن واپس ہوئی۔

کتاب عقد اللآلی میں ہے کہ امام حسینؑ اپنے بھائی امام حسنؑ کی وفات کے بعد ایکبار مسجد نبوی میں تشریف فرما تھے۔ دوسری جانب عبداللہ بن زبیر اور عتبہ بن ابی سفیان بھی بیٹھے تھے۔ اتنے میں ایک اعرابی ناقہ پر آیا اور اس کو مسجد کے دروازے پر باندھ کر اندر آ گیا۔ اس نے عتبہ کو سلام کیا اور اس نے سلام کا جواب دیا۔ تب اعرابی نے اس سے کہا۔ میں نے اپنے ابن عم کو قتل کر دیا ہے اور اب اس کے وارث مجھ سے دیت (خون بہا) طلب کرر ہے ہیں۔ کیا اس کے لئے تم مجھ کو کچھ دے سکتے ہو؟ اس پر عتبہ نے اپنے غلام کی طرف دیکھا اور کہا کہ اس کو سو درہم دیدو لیکن اعرابی نے ان کے لینے سے انکار کر دیا اور عبداللہ بن زبیر کی طرف متوجہ ہو گیا۔ پھر ان سے بھی وہی کہا جو عتبہ سے کہا۔ اس نے اس کو دو سو درہم دیئے جانے کا حکم دیا۔ لیکن اس نے ان کے لینے سے بھی انکار کر دیا اور کہنے لگا کہ اتنی رقم سے میرا کچھ نہیں بنے گا۔ اب وہ امام حسینؑ کی طرف گیا اور سلام کے بعد اپنی ضرورت بیان کی۔ آپ نے اس سے فرمایا: ہم لوگ کسی کو اس کے درجۂ معرفت کے لحاظ سے دیا کرتے ہیں۔ اس نے کہا: آپ جو بھی مناسب سمجھتے ہوں وہ مجھ سے پوچھ لیجئے۔ تب امام حسینؑ نے اس سے دریافت فرمایا: اے اعرابی! ہلاکت سے کس طرح بچاؤ ہو سکتا ہے؟ اس نے جواب دیا اللہ پر توکل کرنے سے۔ پھر آپ نے فرمایا: کونسا عمل سب سے بہتر ہے؟ اس نے کہا: اللہ پر اعتماد۔ تب امامؑ نے اس سے پوچھا: ایک بندے کی زندگی میں کون سی

شے بہترین ہے؟ اس نے جواب دیا وہ علم جس کیساتھ بردباری بھی ہو۔ آپ نے کہا: اگر کسی میں یہ نہ ہو؟ اس نے کہا: پھر وہ مال جسکے ساتھ سخاوت اور کشادگی ہو۔ آپ نے فرمایا: اگر کسی میں یہ بھی نہ ہو۔ اس پر وہ بولا کہ پھر ایسے شخص کیلئے زندگی اور بقاء کے بجائے مرنا اور فنا ہو جانا بہتر ہے۔ امامؑ اسی طرح اس سے سوال فرماتے رہے اور وہ شخص جواب دیتا رہا تا اینکہ امامؑ نے اسکے علم و معرفت پر اظہار تعجب کرتے ہوئے اپنے کارندے کو حکم دیا کہ اس کو بیس ہزار دینار دیدو۔ نیز اس اعرابی سے فرمایا کہ اس میں سے دس ہزار خوں بہا کی ادائیگی کے لئے اور دس ہزار تمہارے اہل و عیال کے خرچ کے لئے ہیں۔ اس پر اعرابی یہ اشعار پڑھنے لگا:

''نہ تو مجھے کوئی اعلیٰ مقام حاصل ہوا ہے' نہ ہی چاہنے والے سے ملاقات ہوئی ہے پھر بھی میں خوش ہوں' لیکن مجھ کو کسی اچھی خوشبو نے فرحت بخشی ہے' بلکہ میں آل رسولؐ کی بدولت خوشی سے ہمکنار ہوا ہوں۔ اب مجھ کو شعر و سخن میں بھی لطف آ رہا ہے۔ یہی حضرات صاحبان عزت ہیں اور یہی صاحبان نجابت۔ ہاں! آسمان کے ستارے انہی سے چمک حاصل کرتے ہیں۔ یا حسینؑ! آپ عزت کی بلندیوں میں تمام انسانوں سے آگے نکل گئے ہیں۔ پھر آپ ایسے سخی ہیں کہ کوئی آپ کے مقام تک نہیں پہنچ سکتا۔ آپ کے والد بزرگوار' امام علیؑ فضائل میں سب سے اعلیٰ تھے' کیونکہ آگے بڑھنے والے ان سے آگے بڑھنے میں ناکام ہو گئے تھے۔ ان کے ذریعے سے اللہ نے ہدایت کا دروازہ کھولا۔ یا حسین! اپنے والد کے بعد اب آپ ہی وہ امام ہیں جن کے ذریعے سے فساد کا دروازہ بند ہوا''۔

تاریخ ابن عساکر میں ہے کہ ایک سائل مدینے کی گلیوں میں پھرتا رہا' یہاں تک کہ

امام حسینؑ کے در پر پہنچ گیا۔اس نے آپ کا دروازہ کھٹکھٹا کر یہ اشعار پڑھے:

''یا حسینؑ! جس کسی نے آپ سے امید لگائی اور آپ کے دروازہ کی زنجیر ہلائی وہ مایوس نہیں ہوا۔آپ صاحب سخاوت ہیں' بلکہ سخاوت کا مرکز 'جبکہ آپ کے والد بزرگوار ہی' فاسقوں کو قتل کرنیوالے تھے''۔

اس وقت امام حسینؑ نماز ادا فرما رہے تھے۔ چنانچہ آپ نماز کو مختصر کر کے اس اعرابی سائل کے پاس تشریف لائے اور اس کے چہرے پر تکلیف اور فاقہ کے آثار ملاحظہ فرما کر واپس ہو گئے۔آپ نے اپنے کارندے کو آواز دی۔ جب وہ دوڑتا ہوا آیا آپ نے اس سے دریافت فرمایا: تمہارے پاس ہمارے خرچ میں سے کیا کچھ بچا ہوا ہے؟ اس نے جواب دیا: میرے پاس صرف دوسو درہم ہیں' جن کی بابت آپ نے فرمایا تھا کہ میں ان کو آپ کے عیال پر خرچ کروں۔آپ نے حکم دیا' وہی لے آؤ کیونکہ اب وہ آ گیا ہے جو ان سے زیادہ حقدار ہے۔پس آپ نے وہ رقم لے کر اس اعرابی کو دیدی اور یہ شعر پڑھے:

''یہ لے لو لیکن میں تم سے معذرت چاہتا ہوں۔تاہم یقین کرو کہ میں تم پر مہربان ہوں۔اگر ہماری حالت کچھ بھی بہتر ہوتی تو ہم تمہارے اوپر زر و مال کی بارش کر دیتے۔مگر زمانہ بڑا پُر آشوب ہے اور ہم تم کو بہت کم دے سکے ہیں''۔

اعرابی نے وہ دوسو دینار لے لئے اور یہ اشعار پڑھے:

''یہ لوگ صاف دل ہیں اور ان کے دامن پاک ہیں۔جب ان کا ذکر کیا جائے تو ان پر درود بھیجا جاتا ہے۔یا حسینؑ! آپ سب کے سب عالی مرتبہ ہیں۔آپ وہ ہیں جن کے پاس قرآن اور اس کی سورتوں کا علم ہے۔جس کسی کو علیؑ سے نسبت نہ ہو اس کو لوگوں میں کوئی عزت حاصل نہیں ہو سکتی''۔

ایک مرتبہ انصار میں سے ایک شخص اپنی حاجت پیش کرنے کے لئے آپ کے پاس آیا۔ آپ نے اس سے فرمایا: اے انصاری بھائی! تم اپنے چہرے کو سوال کرنے کی ذلت سے آلودہ نہ کرو بلکہ اپنی ضرورت ایک کاغذ پر لکھ دو۔ انشاءاللہ میں تم کو اتنا دوں گا جس سے تم خوش ہو جاؤ گے۔ چنانچہ اس نے لکھا: فلاں شخص کے پانچ سو دینار میرے ذمے ہیں اور وہ مجھ سے تقاضا کر رہا ہے۔ آپ اس سے فرما دیجئے کہ وہ میری حالت بہتر ہونے تک انتظار کر لے۔ جب امام حسینؑ نے یہ رقعہ پڑھا تو آپ اندر تشریف لے گئے۔ پھر ایک ہزار دینار کی تھیلی لیکر برآمد ہوئے اور اس سے فرمایا: یہ ایک ہزار دینار ہیں۔ ان میں سے پانچ سو دینار تمہارا قرض ادا کرنے کے لئے ہیں، بقایا پانچسو سے تم اپنی خانگی ضروریات پوری کر لینا۔ اب سنو کہ تم اپنی حاجت ان تین آدمیوں یعنی دیندار یا صاحب مروت یا عالیٰ نسب کے علاوہ، کسی اور سے کبھی بیان نہ کرنا، کیونکہ دیندار اپنے دین کی حفاظت کے لئے تمہاری مدد کرے گا۔ صاحب مروت کو اپنی مروت کے باعث انکار کرنے میں غیرت محسوس ہوگی اور جو عالی نسب ہے وہ یہ سمجھے گا کہ تم کسی حاجت کے لئے اپنی حرمت کو نہ گنواؤ گے۔ پس وہ تمہاری حرمت کو بچانے کے لئے تمہاری حاجت پوری کرے گا۔

راویوں کا بیان ہے کہ جب اسامہ بن زید بیمار تھے تو ایک مرتبہ امام حسینؑ ان سے ملنے گئے۔ تب اسامہ کہہ رہے تھے: ہائے رے پریشانی۔ اس پر امام حسینؑ نے ان سے کہا: اے بھائی! آپ کو کیا پریشانی لاحق ہے؟ وہ بولے: میرا قرض کہ جو ساٹھ ہزار درہم ہے۔ امام حسینؑ نے ان سے فرمایا: بس وہ قرض میرے اوپر ہے۔ اسامہ کہنے لگے: میں ڈرتا ہوں۔ کہیں میں اس کے ادا ہونے سے پہلے ہی مر جاؤں۔ اس پر آپ نے وہ قرض اسی وقت ادا فرما دیا۔

ابن صباغ مالکی کی کتاب فصول المہمہ میں انس بن مالک سے روایت ہے کہ انھوں نے بیان کیا: میں امام حسینؑ کی خدمت میں حاضر تھا کہ آپ کی ایک کنیز گلدستہ لئے ہوئے آئی۔ اس نے وہ گلدستہ آپ کو پیش کیا۔ پس آپ نے اس سے فرمایا: جاؤ! تم اللہ کے نام پر آزاد ہو۔ اس پر میں نے ان سے کہا: ایک کنیز پھولوں کا یہ گلدستہ لے کر آتی ہے اور آپ کو پیش کرتی ہے تو اسی پر آپ اسکو آزاد فرمارہے ہیں؟ آپ نے فرمایا: ہاں! اللہ نے ہم کو یہی سکھایا ہے جیسا کہ وہ فرماتا ہے:

"واذا حییتم بتحیة فحیوا باحسن منها اوردوها"۔

"یعنی جب کوئی تم کو سلام کرے تو تم اس سے بہتر طریقے سے سلام کرو یا وہی لفظ کہہ دو"

(سورۂ نساء آیت۔۸۶)

"واحسن منها عتقها"۔

"اور اس کو آزاد کر دینا اس کے تحفے سے ضرور بہتر ہے"۔

امام حسینؑ کے کسی غلام نے ایک ایسا جرم کیا، جس پر قصاص کے ساتھ سزا بھی لازم تھی۔ پس آپ نے اس کو سزا دینے کا حکم دیا۔ اس پر اس نے کہا: اے میرے آقا! اللہ فرماتا ہے:

"والکاظمین الغیظ"

امام علیہ السلام نے فرمایا: اسکو چھوڑ دو۔ میں نے اپنا غصہ فرو کرلیا۔ پھر اس نے کہا:

"والعافین عن الناس"

اس پر امام نے فرمایا: میں نے تم کو معاف کیا۔ اب اس نے کہا:

"واللہ یحب المحسنین"۔ (سورۂ آل عمران آیت ۱۳۴)

پس امام نے فرمایا: جاؤ! تم اللہ کے نام پر آزاد ہو۔ پھر آپ نے اس کو اتنا دیا جو اس کو زندگی بھر کے لئے کافی ہو۔ تاریخ ابن عساکر میں ہے کہ آپ کے پاس بصرہ وغیرہ سے مال آتا تھا تو آپ اپنے مقام سے اس وقت تک نہ ہٹتے جب تک وہ پورے کا پورا محتاجوں پر تقسیم نہ فرما دیتے۔

ابن قتیبہ نے عیون الاخبار میں لکھا ہے کہ معاویہ اپنے کسی سفر حجاز میں مدینہ بھی گئے۔ تب انہوں نے امام حسنؑ، امام حسینؑ، عبداللہ بن جعفر، ابن زبیر، عبداللہ بن عمر اور عبداللہ بن صفوان کو کپڑوں، خوشبوؤں اور بڑی بڑی رقموں کے تحفے بھیجے۔ انہوں نے اپنے قاصدوں کو حکم دیا: تم میں سے ہر ایک جو کچھ وہاں دیکھے اور سنے اس کو یاد رکھے۔ جب وہ قاصد روانہ ہو گئے تو معاویہ نے اپنے مصاحبین سے کہا: اگر تم چاہو تو میں تمہیں بتا دوں کہ وہ لوگ کیا کیا کریں گے۔ لوگوں نے کہا: ہاں! ہمیں ضرور بتائیے کہ آپ کا کیا خیال ہے۔ اس پر انھوں نے کہا کہ حسنؑ خوشبوؤں میں کچھ اپنی بیویوں کو دیدیں گے، باقی اپنی صحبت میں موجود لوگوں میں تقسیم کر دیں گے اور کسی غیر موجود کا انتظار نہ کریں گے ۔ حسینؑ ان لوگوں کے یتیم بچوں سے ابتداء کریں گے جو ان کے والد کے ساتھ صفین کی جنگ میں مارے گئے تھے۔ اگر ان سے کچھ بچ رہا ہو تو اس سے لوگوں کو دودھ پلائیں گے اور ان کے لئے اونٹ ذبح کریں گے ۔ عبداللہ ابن جعفر کہیں گے کہ اے بدتیح! پہلے تو اس سے میرا قرض ادا کرو، پھر باقیماندہ سے میرے دشمنوں کو نمٹ لو۔ عبداللہ بن عمر، عدی بن کعب کے محتاجوں سے ابتداء کرینگے۔ باقی اپنے اہل وعیال کی ضروریات کے لئے رکھ چھوڑیں گے۔ عبداللہ بن زبیر کے پاس جب میرا آدمی پہنچے گا تو وہ تسبیح پڑھتے ہوں گے اور اس کی طرف توجہ نہ کرینگے۔ جب وہ دوبارہ ان کے پاس جائے گا تو اپنے غلاموں سے کہیں گے: جو کچھ معاویہ نے بھیجا ہے وہ ان کے

قاصد سے لے لو۔ اللہ ان کی نظر التفات کو قائم رکھے اور ان کو جزائے خیر دے۔ تاہم وہ ان چیزوں کی طرف توجہ نہ دیں گے۔ حالانکہ وہ ان کی نظر میں ہر چیز سے بڑھ کر ہوں گی۔ اس کے بعد وہ ان چیزوں کو اپنے اہل وعیال میں جا کر دیکھیں گے اور کہیں گے: تم ان کو سنبھال لو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ میں یہ ابن ہند کو لوٹا دوں۔ عبداللہ بن صفوان کہیں گے: زیادہ نہیں تو تھوڑا ہی سہی۔ معاویہ قریش کے جن افراد کو اس طرح چیزیں بھیجتے ہیں وہ ان کو واپس نہیں کرتے۔ اگر وہ واپس کریں بھی تو ہم ضرور قبول کرلیں گے۔ چنانچہ معاویہ کے بھیجے ہوئے آدمیوں نے واپس آ کر وہی کچھ بیان کیا' جو معاویہ نے کہا تھا۔ یہ سن کر معاویہ بولے: میں ہند کا بیٹا ہوں اس لئے قریش کو خوب جانتا ہوں۔

راویوں نے آپ کے جود وکرم کی ایسی اور بھی مثالیں بیان کی ہیں لیکن ان میں سے بیشتر روایات مُرسل ہیں' جن کے راویوں کا سلسلہ قائم نہیں رہتا اور وہ جانچنے پر صحیح ثابت نہیں ہوتی ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ ان میں سے بعض ان لوگوں کی بنائی ہوئی ہیں جو اس قسم کی داستانوں سے لوگوں کے جذبات کو متاثر کیا کرتے تھے۔ جیسا کہ یہ آخری روایت مرسل ہونے کے علاوہ ایسی ہے جس کا متن ہی یہ ظاہر کر دیتا ہے کہ یہ بنی امیہ کے حامیوں نے اس لئے گڑھی ہے کہ وہ اس سے معاویہ کی زیرکی اور فراست کی ہمہ گیری ثابت کریں اور امام حسنؑ کو اس طرح پیش کریں کہ وہ عورتوں کے علاوہ کسی اور چیز سے سروکار ہی نہ رکھتے تھے۔

تمام مستند تاریخیں اس امر پر زور دیتی ہیں کہ امام حسنؑ اور امام حسینؑ اپنا کل کا کل مال اللہ کی راہ میں صرف کر دیتے تھے کیونکہ وہ محتاجوں اور ناداروں کو خود اپنے اوپر ترجیح دیتے تھے۔ وہ معاویہ کے عطیات اس لئے قبول فرما لیتے تھے کہ وہ سب انہی کا حق تھا۔ جس کے

وہ خود معاویہ اور ایسے ہی دوسرے لوگوں سے زیادہ حقدار تھے جنہوں نے خلافت پر قبضہ کر کے امت پر تسلط حاصل کر لیا تھا اور اس کی آمدنی کو ابن عاص اور ابن شعبہ جیسے حامی' پیرو اور قریبی لوگوں کو خریدنے کے لئے استعمال کرتے تھے۔

حضرات حسنینؑ' معاویہ کے عطیات اس لئے قبول فرما لیتے تھے تا کہ وہ ان کو اس مال کے صحیح حقداروں تک پہنچا دیں جو نادار اور محتاج تھے۔ پس ان دونوں بھائیوں کی ساری زندگی اللہ کے لئے اور اللہ کی راہ میں کام آنے کے لئے تھی۔ چنانچہ راویوں اور مؤرخوں میں یہ امر عام طور پر مشہور تھا کہ امام حسینؑ ہر سال اپنی دولت کا نصف حصہ ناداروں محتاجوں اور یتیموں پر خرچ کرتے اور نصف اپنے عیال پر صرف کرتے تھے۔

بعض روایات میں ہے کہ کبھی کبھی امام حسنؑ اپنا سارا مال غریبوں پر خرچ کر ڈالتے تھے۔ یہی حال امام حسینؑ کا تھا کہ آپ کبھی دولت جمع نہ فرماتے اور نہ مال کا حساب رکھتے تھے۔ اس امر کے متعلق متواتر روایات آئی ہیں کہ آپ نے پچیس حج پا پیادہ چل کر فرمائے جبکہ سواریاں آپ کے آگے آگے چلتی رہتی تھیں۔ جب کبھی آپ یا آپ کے بھائی حسنؑ کسی سوار کے پاس سے گزرتے' تو وہ بھی اپنی سواری سے اتر کر آپ دونوں کے ساتھ پیدل چلنے لگتا تھا۔ ان کا یہ عمل بہت سے لوگوں پر شاق گزرتا تھا۔ چنانچہ حاجیوں کے ایک وفد نے سعد بن ابی وقاص کے پاس آ کر کہا: پیدل چلنا ہم پر بہت شاق ہو رہا ہے لیکن یہ بھی ممکن نہیں ہے کہ رسول اکرمؐ کے بیٹے تو پیدل ہوں اور ہم سواری پر ہوں۔ تب سعد نے آپ دونوں بھائیوں سے عرض کیا کہ لوگوں کیلئے پا پیادہ چلنا دوبھر ہو رہا ہے' کیونکہ جب آپ دونوں پیدل چل رہے ہوں تو کوئی بھی مسلمان سوار ہونا گوارا نہیں کر سکتا۔ پس آپ عوام کی رعایت کے خیال سے سواری استعمال فرمایئے۔ حسنینؑ نے جواب دیا کہ ہم دونوں

نے اپنے اوپر لازم کرلیا ہے کہ یہ راستہ پیدل ہی طے کریں گے البتہ ہم راستہ تبدیل کئے لیتے ہیں۔ چنانچہ آپ دونوں ایک دوسرے راستے سے تشریت لے گئے' جوایسا غیر معروف تھا کہ کوئی ادھر سے آتا ہی نہ تھا۔

ابن عساکر نے ابوسعید خدری سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا: میں نے امام حسنؑ اور امام حسینؑ کو دیکھا کہ انہوں نے کعبہ میں جماعت کے ساتھ نماز عصر ادا فرمائی۔ پھر حجر اسود پر جا کر اس کو بوسہ دیا۔ سات مرتبہ طواف فرمایا اور دو رکعت نماز ادا فرمائی۔ اتنے میں لوگوں نے ان دونوں کو اس طرح گھیر لیا کہ آپ آگے نہ بڑھ سکتے تھے۔ البتہ ان کے ساتھ ایک اور صاحبِ حیثیت شخص بھی تھا۔ امام حسنؑ نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور وہ امام حسینؑ کے پاس سے لوگوں کو ہٹاتا رہا۔ یہاں تک کہ وہ ان میں سے نکل آئے جہاں کہیں بھی لوگ آپ کو دیکھ پاتے' آپ کے چاروں طرف حلقہ بنا لیتے۔ کوئی آپ سے دین کے کسی معاملہ میں حکم دریافت کرتا' کوئی فقہ کا نکتہ معلوم کرتا' کوئی آپ سے روایات سنتا اور کوئی اپنی حاجت پیش کرتا تھا۔ معاویہ نے آپ کے متعلق کسی سے کہا تھا: میں جب مسجد رسول اکرمؐ میں پہنچا تو کیا دیکھتا ہوں کہ وہاں ایک حلقہ ہے' جس میں لوگ اس طرح دم بخود بیٹھے ہیں جیسے ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہوں۔ وہ ابوعبداللہ الحسینؑ کا حلقۂ درس تھا کہ جو اپنی آدھی پنڈلیوں تک قبا ڈالے ہوئے تھے۔ اس قدر مصروفیت کے باوجود وہ ایک دن رات میں ہزار رکعت نماز ادا فرماتے تھے۔ جیسا کہ ابن عبدربہ کی کتاب العقد الفرید میں ہے: امام علیؑ بن حسینؑ سے پوچھا گیا کہ کیوں آپ کے والد بزرگوار کے بہت کم اولاد تھی؟ آپ نے جواب دیا کہ ان کے بچے کیسے پیدا ہوتے جبکہ دن رات میں ایک ہزار رکعت نماز ادا فرماتے تھے۔ پھر عورتوں کے پاس جانے کا موقع ہی کہاں ہوتا تھا۔ آپ رات کی تاریکی

میں اللہ سے یہ دعا فرمایا کرتے تھے: اے اللہ! تو نے مجھ کو نعمتیں دیں لیکن میں تیرا شکر ادا نہ کرسکا۔ تو نے میری آزمائش کی تو میں صابر نہ رہ سکا لیکن میرے ترک شکر پر نہ تو نے اپنی نعمت کو مجھ سے چھینا اور نہ میرے ترک صبر پر تو نے مجھ پر سختی کو جاری رکھا۔ اے اللہ! کریم سے صرف کرم ہی ظاہر ہوتا ہے۔

ایام حج میں عرفات کے مقام پر امام حسینؑ کے اعمال اور مناجاتیں، شیعہ محدثین میں بہت مشہور ہیں۔ ان موقعوں پر آپ پہاڑ کی بائیں جانب کھڑے ہو جاتے اور لوگ آپ کے چاروں طرف اکٹھے ہو جایا کرتے تھے۔ یہ مناجاتیں ایسی ہیں کہ جو کوئی بھی ان کو پڑھے اور ان کے معانی و مقاصد پر غور کرے، اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو جائیں گے۔

اے میرے اللہ! اگر میں سارے زمانوں اور تمام صدیوں میں، بشرطیکہ میری عمر بھی اتنی ہو جائے، برابر کوشش میں لگا رہوں کہ تیری نعمتوں میں سے ایک کا شکر ادا کروں تو میں تیرے احسان کے بغیر ایسا نہیں کرسکوں گا لیکن یہ امر بجائے خود ایک اور شکر کے واجب ہونے کا باعث بن جائے گا۔ اے اللہ! مجھ کو ایسا ڈرنے والا بنا دے، گویا میں تجھ کو دیکھ رہا ہوں۔ میرے نفس میں سکون کا احساس، میرے دل میں یقین، میرے عمل میں خلوص، میری نظر میں نور اور میرے دین میں فہم پیدا کر دے۔

میں تجھ سے سوال کرتا ہوں، اے اللہ! اس حاجت کا کہ اگر تو نے اس کو مجھے عطا کر دیا تو پھر جس سے بھی محروم کر دے کوئی نقصان نہ ہوگا اور اگر تو نے اس کو روک دیا تو پھر جو بھی عطا کر دے گا اُس سے فائدہ نہ ہوگا۔ اے سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والے میں تجھ سے نار جہنم سے نجات کا سوال کرتا ہوں۔ (مفاتیح الجنان، ص ۴۹۳)

میرے اللہ! جس چیز سے میں ڈرتا ہوں' اس میں میری مدد کر' جس سے میں بچنا چاہتا ہوں اس سے مجھے بچالے۔ میرے نفس اور دین میں مجھ کو محفوظ رکھ' میرے سفر میں میری حفاظت فرما اور میرے عیال اور مال کو میرے بعد تک باقی رہنے دے۔ جو رزق تو نے مجھ کو دیا ہے اس میں برکت عطا کر۔ مجھے خود کو کمتر سمجھنے والا بنادے لیکن لوگوں کی نظروں میں مجھ کو معزز قرار دے۔ مجھ کو جن و انس کے شر سے سلامت رکھ۔ میرے گناہوں کی وجہ سے مجھے رسوا نہ کر اور میری خطاؤں کے باعث مجھ کو ذلیل نہ کر' میرے عمل کو نظر انداز نہ کر' اپنی نعمتوں کو مجھ سے دور نہ کر۔ مجھے کسی غیر اللہ پر بھروسہ نہ کرنے دے۔ اے اللہ تو مجھے کس پر بھروسہ کروائے گا؟ کیا ایسے رشتے دار پر جو رشتے کا خیال نہیں رکھتا یا ایسے غیر پر جو مجھ پر حملہ کرتا ہے یا ان پر جو مجھ سے بھی کمزور ہیں جبکہ میرا پالنے والا اور میرے معاملات کا مالک تو ہے۔ میں تجھ سے اپنی بے کسی کی' گھر کی دوری کی اور اس شخص کی شکایت کرتا ہوں جس کو تو نے میرے معاملات کا نگہدار بنایا ہے۔

اے وہ کہ جس کو میں نے مرض میں پکارا تو اس نے مجھ کو شفا دی' برہنگی میں پکارا تو اس نے مجھے لباس پہنایا۔ بھوک میں پکارا تو اس نے مجھ کو سیر کر دیا۔ پیاس میں پکارا تو اس نے پانی بہم پہنچایا۔ ذلت میں پکارا تو اس نے عزت بخشی۔ جہالت کی حالت میں پکارا تو اس نے علم عطا کیا۔ تنہا ہونے کی حالت میں پکارا تو اس نے مجھ کو کثرت عطا کی۔ میں سفر پر تھا تو مجھ کو واپس پہنچایا۔ میں نادار تھا تو مجھ کو دولت مند بنا دیا اور میں طالب نصرت تھا تو مجھ کو نصرت بہم پہنچائی۔

یہ بھی آپ کی مناجات میں سے ہے:

میرے اللہ! میں اپنی دولت مندی کے باوجود نادار ہوں، تو ناداری کی حالت میں کیونکر نادار نہ ہونگا۔ میں اپنے علم کے باوجود جاہل ہوں، تو جہل کی حالت میں کیسے جاہل نہ ہوں گا۔ میرے اللہ میں ملامت کے لائق ہوں لیکن تو تکریم کے لائق ہے۔ میرے اللہ جب مجھ کو میرے قابل ملامت اعمال نے گونگا بنا دیا تو تیرے عفو نے مجھ کو بولنے کا یارا دیدیا۔ جب میری گناہوں نے مجھ کو مایوس کر دیا تو تیرے کرم نے مجھ کو بولنے کے قابل بنا دیا۔

راوی مزید کہتا ہے کہ لوگ آپ کے چاروں طرف جمع ہو کر آپ کی مناجات سنتے اور آپ کی دعا پر آمین کہتے رہتے۔ راوی کا کہنا ہے کہ آپ کے رونے کے ساتھ وہ لوگ بھی اپنے لیئے یہ دعا کر کے روتے تھے۔ میرے اللہ! تیرے لیئے ایسی چیز سے کیسے استدلال کیا جاسکتا ہے جو خود اپنے وجود میں تیری محتاج ہو۔ کیا تیرے علاوہ کسی اور کا کوئی ایسا ظہور ہوسکتا ہے جو تیرے لئے نہ ہو، تا کہ جب تو سامنے نہ ہو تو وہ تیرا مظہر بن سکے یا ایسی دلیل کی ضرورت پڑ جائے جو تجھ تک پہنچا سکے لیکن تو دور ہی کب ہوتا ہے کہ نشانیاں تجھ تک پہنچائیں۔ اندھی ہے وہ آنکھ جو یہ نہ دیکھ سکے کہ تو برابر اس کو دیکھ رہا ہے۔ گھاٹے کا سودا ہے اس بندے کا جو اپنی محبت میں سے کوئی حصہ تیرے لئے قرار نہ دے سکے۔ اسی طرح کے بہت سے جملے ہیں جن سے انسان کو دنیا اور آخرت دونوں کے لیئے اچھے سبق حاصل ہوتے ہیں۔

امام حسینؑ نے اپنے کچھ صحابیوں کو ہدایت کرتے ہوئے فرمایا: ایسا کام مت کرو جو تمہاری طاقت سے باہر ہو۔ جو بات سمجھتے نہیں ہو اس کو بیان نہ کرو۔ جس پر قدرت نہ ہو اس کا وعدہ نہ کرو۔ جس قدر ضرورت ہو اس سے زیادہ خرچ نہ کرو۔ تم نے جتنا حسن سلوک کیا ہو اس سے زیادہ کسی سے توقع نہ کرو۔ تم نے اللہ کی جتنی اطاعت کی ہو اس کے ماسوا پر خوش نہ ہو۔

جتنے کے تم اہل ہو اس سے زیادہ مت لو۔

آپ کا ایک قول یہ بھی ہے کہ: ایک عالم کی خصوصیت یہ ہونا چاہئے کہ وہ اپنے علم اور کلام کو نظر کی حقیقی گہرائی سے جانچتا پرکھتا رہے۔ یہ قول اپنے اختصار کے باوجود عالم اور جاہل کے مابین حد فاصل قائم کرتا ہے کیونکہ جاہل ہمیشہ اپنی رائے کو صحیح اور دوسرے کی رائے کو غلط کہتا ہے۔ نیز وہ معاملات اور ان کے حقائق کو صرف اپنے محدود فکر اور اپنے محدود فہم ہی کے دائرے میں دیکھتا ہے۔ جبکہ ایک عالم ہمیشہ اپنے آپ کو پرکھتا رہتا ہے اور دوسرے کی رائے کو تلاش کرتا ہے تا کہ شاید اس میں اسکو وہ چیز مل جائے جس تک اس کی اپنی فکر و عقل نہ پہنچ سکی تھی۔ امام جعفر صادق علیہ السلام نے بھی اپنے اس قول میں اس طرف اشارہ فرمایا ہے:

''اپنی رائے پر اڑا رہنے والا ایک پھسلواں مقام پر کھڑا ہوتا ہے''۔

امیر المومنین امام علیؑ نے بھی اپنے اس قول میں اسی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ:

''جو کوئی اپنی ہی رائے کو اچھا سمجھتا ہے وہ گمراہ ہے۔ جو اپنی عقل کو کافی سمجھتا ہے' وہ پھسل جاتا ہے''۔

امام حسینؑ کے کچھ اور اقوال یہ ہیں: مومن بُرا فعل نہیں کرتا اور نہ معذرت وغیرہ کا موقع آنے دیتا ہے۔ جبکہ منافق ہر روز ایک بُرا فعل کرتا ہے اور اس کے لئے عذر ڈھونڈتا رہتا ہے۔ لیکن گناہ کا عذر اس سے بھی بُرا ہے۔ آپ نے اپنے بعض اصحاب سے فرمایا: جو تم سے محبت کرتا ہے' وہ تم کو بُری باتوں سے روکے گا' جو تم سے دشمنی رکھتا ہے وہ تم کو بری باتوں کی ترغیب دے گا۔

کسی شخص نے آپ سے کہا: اے فرزند رسولؐ! میں گناہ کرتا ہوں اور اپنے آپ کو گناہ سے روک نہیں سکتا۔ آپ مجھ کو ایسی نصیحت فرمائیے کہ جو میرے لئے فائدہ مند ثابت ہو۔

آپ نے اس سے فرمایا: تم ان پانچ باتوں کو بجالایا کرو۔ پھر جو بھی گناہ کرنا چاہو' کرتے رہنا۔ وہ آدمی بولا: اے ابوعبداللہ! وہ چیزیں بتایئے۔ آپ نے فرمایا: اللہ کا رزق نہ کھاؤ۔ پھر جو گناہ چاہو کرو۔ وہ شخص بولا: پھر میں کہاں سے کھاؤں۔ جبکہ جو کچھ ہے وہ اللہ ہی کا ہے اور اسی کا دیا ہوا ہے۔ امامؑ نے اس سے کہا: اللہ کی زمین سے باہر چلے جاؤ' پھر جو گناہ چاہو کرو۔ وہ شخص بولا: یہ تو پہلے سے بھی کٹھن کام ہے۔ پھر میں رہوں گا کہاں' کیونکہ موجودات میں تو ہر چیز اللہ ہی کی ہے۔ پھر امامؑ نے فرمایا: ایسی جگہ تلاش کرلو' جہاں اللہ تم کو نہ دیکھتا ہو' پھر جو گناہ چاہو کرو۔ اس شخص نے کہا: لیکن اللہ پر تو کوئی بھی راز چھپا ہوا نہیں ہے۔ پھر امام نے فرمایا: جب ملک الموت تمہاری روح قبض کرنے آئے تو اس کو اپنے پاس سے ہٹادو' پھر جو گناہ چاہو کرو۔ پانچویں یہ کہ جب مالک ارادہ کرے کہ تجھ کو جہنم میں ڈالے تو اس میں نہ جاؤ پھر جو گناہ چاہو کرو۔ تب وہ آدمی کہنے لگا اے فرزند رسولؐ! میرے لئے یہی کافی ہے۔ آج کے بعد اللہ مجھ کو ایسی حالت میں نہ دیکھے گا' جو اس کو ناپسند ہو۔

آپ کے کچھ مناظرے بھی ہیں جو خارجیوں کے ایک ممتاز فرد سے ہوئے۔ پھر وہ ہیں جو معاویہ اور ان کے حاشیہ برداروں سے ہوئے تھے۔ علاوہ ازیں حکمت وموعظت پر مشتمل' آپ کے وہ مختصر اقوال بھی ہیں جو آپ اکثر اپنے پاس آنے والوں سے ارشاد فرماتے رہتے تھے۔ جن کو محدثوں اور مؤرخوں نے اپنی اپنی کتابوں میں بیان کیا ہے۔ البتہ طویل بیان اور قاری کی اکتاہٹ کے خوف سے ہمارے لئے ان کا پیش کرنا مناسب نہیں ہے۔

مؤرخوں نے اریبنب بنت اسحاق کے معاملے میں آپ کے بلند موقف کا ذکر بھی کیا ہے جو عراق کے گورنر عبداللہ بن سلام کی بیوی تھی۔ جب یزید اس کی محبت میں بے قرار ہوگیا

تو معاویہ نے اس کے لئے ایک چال چلی۔ اس نے ابن سلام سے وعدہ کیا کہ اگر تم ارینب کو طلاق دے دو گے تو میں اپنی لڑکی کی تزویج تجھ سے کر دونگا۔ اس پر اس نے اپنی بیوی کو طلاق دے ڈالی۔ پھر اس نے معاویہ سے ان کی لڑکی کا رشتہ طلب کیا لیکن اس لڑکی نے معاویہ اور عمر بن عاص کے منصوبے کے مطابق ابن سلام کے ساتھ تزویج کرنے سے انکار کر دیا۔ تاہم معاویہ اپنی چال میں کامیاب نہیں ہو سکے۔ چنانچہ ارینب کا عدّہ ختم ہونے پر جب انہوں نے اس کو اپنے بیٹے یزید کے لئے پیغام بھیجا تو اس کو للچانے کے لئے بطور مہر ایک خطیر رقم بھی روانہ کی۔ پیغام لیجانے والے شخص ابودرداء یا ابوہریرہ تھے۔ تب اتفاق ایسا ہوا کہ ان کی ملاقات امام حسینؑ سے ہوگئی اور انہوں نے آپ کو اپنے آنے کا مقصد بتادیا۔ اس پر امام حسینؑ نے ان سے کہا کہ اس عورت سے میرا ذکر بھی کر دینا۔ چنانچہ جب وہ ارینب کے پاس پہنچے تو انہوں نے اس کو یزید کا پیغام دیا اور یہ بھی بتایا کہ اس کو اپنے باپ کے بعد حکومت ملنے کی توقع ہے۔ پھر انہوں نے امام حسینؑ کا ذکر کیا اور یہ بھی بتایا کہ اسلام میں اور رسول اکرمؐ کی قرابت میں ان کا کیا مرتبہ ہے۔ بعض روایات کے مطابق انہوں نے اس سے عبداللہ بن عمر اور عبداللہ بن زبیر کا ذکر بھی کیا۔ راوی کے بیان کے مطابق اس عورت نے کہا کہ ان میں سے جس سے چاہیں خود آپ ہی میری تزویج کر دیجئے۔ اگر آپ نہ بھی آتے تو میں اس معاملے میں آپ کی رائے لینے کے لئے آپ کو بلوا لیتی۔ راوی کا بیان ہے کہ وہ بزرگ جن کو معاویہ نے اپنا وکیل بنا کر بھیجا تھا' انہوں نے کہا کہ میں کسی کو اس چہرے پر ترجیح نہیں دے سکتا جس کو رسول اکرمؐ بوسہ دیا کرتے تھے۔ پس انہوں نے اس کی تزویج امام حسینؑ سے کر دی اور اس کو وہ مال بھی دیدا جو معاویہ کی طرف سے لائے تھے۔ پھر واپس جا کر معاویہ کو پورا قصہ سنا دیا۔ اس پر معاویہ نے کہا: اے ابوہریرہ! تم نے ہمارا مال دوسروں پر صرف کر ڈالا۔ انہوں

نے جواب میں کہا: یہ دولت تم کو اپنے باپ سے تو نہیں ملی تھی۔ جب ابن سلام معاویہ کی بیٹی کی طرف سے مایوس ہو گیا اور معاویہ نے اس کو اس عہدہ سے بھی ہٹا دیا تو وہ بڑا کبیدہ خاطر ہو کر مدینہ واپس آ گیا۔ ادھر اس نے اپنی مطلقہ بیوی کو کچھ مال دیا ہوا تھا' اس لئے اب وہ اس سے ملنا چاہتا تھا۔ چنانچہ اس نے اس سے ملنے کی خاطر امام حسینؑ سے اجازت چاہی اور آپ نے اجازت دے دی۔ جب اس نے اریب کے پاس جا کر اس سے اپنی دی ہوئی چیزیں مانگیں' تو دونوں رو پڑے۔ پھر عبداللہ بن سلام پر ایسی خاموشی طاری ہوئی جو یہ بتا رہی تھی کہ وہ اس کے فراق میں غمگین ہے۔ حتیٰ کہ اگر کوئی ایسا طریقہ ہو تو وہ اس سے رجوع کا خواہشمند ہے۔ چنانچہ امام حسینؑ نے اریب کو مس کیئے بغیر ہی اسے طلاق دیدی اور اسے اس کے پہلے شوہر کے حوالہ کر دیا۔ اس طرح معاویہ کی چال ناکام ہو گئی اور یزید کے دل کی دل ہی میں رہ گئی۔

ابن قتیبہ اور نویری نے روایت کی ہے کہ اس زمانے میں امام حسینؑ کوفے ہی میں سکونت رکھتے تھے۔ جبکہ عبداللہ بن سلام معاویہ کی طرف سے عراق کا گورنر تھا۔ آپ نے یہ عورت اس کو اسوقت واپس کی' جب معاویہ نے اس کو عراق کی گورنری سے ہٹا دیا تھا اور وہ کوفہ واپس آ گیا تھا۔

شہاب الدین احمد بن قلیوبی نے روایت کی ہے کہ یزید بن معاویہ نے دیوار پر سے ایک خوبصورت عورت کو دیکھا اور اس پر فریفتہ ہو گیا۔ وہ عدی بن حاتم کی بیوی تھی اور اس کی کنیت ام خالد تھی۔ یزید اس کی وجہ سے بیمارئ دل کے ہاتھوں بستر سے لگ گیا لیکن کوئی بھی شخص اس کی بیماری کو نہ سمجھ سکا۔ تب ابن عاص نے معاویہ کو مشورہ دیا کہ یزید کی ماں اس سے تنہائی میں دریافت کرے کہ اس کو کیا عارضہ ہے۔ جب وہ اس سے ملی تو یزید نے اس کو

اپنے دل کا حال بتایا۔ تب ابن عاص نے عدی کو یہ کہہ کر پھسلایا کہ اگر وہ اپنی بیوی اُم خالد کو طلاق دیدے تو اس کی تزویج معاویہ کی بیٹی سے ہو جائے گی۔ جب اس نے طلاق دیدی اور اس کی عدّت ختم ہوگئی تو معاویہ نے ابو ہریرہ کو بھیجا تا کہ یزید کے لئے اس کو پیغام دیں۔ مدینہ میں جب وہ امام حسینؑ، ابن زبیر اور ابن عمر سے ملے تو ہر ایک نے ان سے کہا کہ اس عورت کو میرا بھی پیغام دیں۔ چنانچہ ابو ہریرہ نے اس کو یزید کے علاوہ ان سب کے پیغام بھی دیئے اور معاملہ امام حسینؑ پر آن ٹھیرا۔ وہ اس طرح کہ ام خالد نے یہ فیصلہ خود ابو ہریرہ پر چھوڑ دیا، کہ وہی اس کے لئے بہترین فرد کا انتخاب کر دیں اور انہوں نے امام حسینؑ کو منتخب کیا۔ اُدھر جیسا کہ پہلی روایت میں آ چکا ہے، معاویہ کی بیٹی نے عدی کے ساتھ تزویج کرنے سے انکار کر دیا۔ اس سے وہ بہت ہی غمگین اور کبیدہ خاطر ہو گیا۔ جب امام حسینؑ نے عدی بن حاتم کو رنجیدہ دیکھا تو آپ نے اس کی بیوی کو اس کے ہاں واپس بھیج دیا، اسی روز یہ کہا گیا کہ:

''اے ام خالد خوشی منا کہ کبھی کبھی بیٹھے بٹھائے بھی کام بن جاتا ہے''۔

یہ روایات باہمی اختلاف اور ٹکراؤ کے باوجود، ایک طرف ابن ہند (معاویہ) کی مکر، فریب اور چالبازی کی فطرت سے اور دوسری طرف سے امام حسینؑ کی عالی ظرفی، وفا کیشی اور ظلم و جور سے ٹکراتے رہنے کی فطرت سے بعید نہیں ہیں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ یزید کو یہ واقعہ دوبار پیش آیا ہو، کیونکہ وہ شہوت پرستی میں حد سے زیادہ بڑھا ہوا تھا۔ حالانکہ دونوں واقعات کا یا ان میں سے کسی ایک کا واقع ہونا ظن سے آگے نہیں بڑھتا۔ تاہم یہ گمان رہتا ہے کہ یہ دونوں قصے داستان گویوں یا محبت کرنیوالوں کے بنائے ہوئے ہیں اور یہ بات بعید بھی نہیں ہے۔

یزید بن معاویہ کے ولی عہد ہونے کے متعلق
امام حسینؑ کا موقف

یزید کے ولی عہد مقرر ہونے اور اس کے نتیجہ میں رونما ہونے والے واقعات پر بحث کرنے سے پہلے ضروری ہے کہ ہم اسلام اور مسلمانوں کے زاویۂ نظر سے یزید کی حیثیت کو سمجھ لیں۔ نیز اموی گھرانے کی عام صورت حال کے لحاظ سے اسلام کی حیثیت کو بھی سمجھ لیں۔ اس امر میں کوئی محقق اور کوئی مؤرخ شک نہیں کرتا کہ اموی افراد اسلام کے ظہور سے لیکر اپنی حکومت کے آخری ایام تک اسلام کے بدترین دشمن اور شدید ترین مخالف رہے۔ وہ اسلام میں صرف اس وقت داخل ہوئے جب پیغمبر اکرمؐ سے جنگ آزمائی میں اپنی امکانی قوتیں صرف کر کے ناکام ہو گئے۔ تاہم جب اس میں بادل ناخواستہ داخل ہوئے تو ایک نئے ڈھنگ سے اسلام کے پردے میں جاہلیت کی رسوم کو واپس لائے۔ اس کی خصوصیات کو مسخ کرنے کے منصوبے بنانے لگے۔

جب معاویہ دن میں بیسیوں مرتبہ' تمام گلدستہ ہائے اذان سے محمد رسول اللہؐ کا نام نامی فضاء عالم میں گونجتا ہوا سنتے تو رنج اور کوفت سے ان کی رگیں کانپنے لگتیں جیسا کہ خود انہوں نے مغیرہ بن شعبہ سے کہا تھا۔ جس کا ذکر ہم پچھلی فصلوں میں امام حسنؑ بن علیؑ کی سیرت میں کر آئے ہیں۔ یہی حال اس گھرانے کے دوسرے فرمانرواؤں کا بھی تھا۔ جو حکومت تو اسلام کے نام سے کرتے تھے لیکن ان کا عمل اس کو مٹانے' اس کو خلافِ حقیقت بتانے اور اس کے احکام' قوانین اور طریقوں کو مسخ کرنے کے لئے ہوتا تھا۔ پھر یزید بن معاویہ کہ جس کے خلاف امام حسینؑ نے ایک دائمی موقف اختیار کیا۔ جیسا کہ محدثین اور مؤرخین

بیان کرتے ہیں۔ وہ امویوں میں سے نفس پرستی میں بہت ہی بڑھا ہوا تھا اور ناجائز افعال اور بدکاریوں میں غرق رہتا تھا۔

جب ولید نے رات کے وقت امام حسینؑ سے یزید کی بیعت کرنے کا مطالبہ کیا تو امام حسینؑ نے فرمایا: یزید بن معاویہ ایک بدکار آدمی ہے۔ وہ شراب کا عادی' بے گناہوں کا قاتل اور علانیہ گناہ کرنے والا ہے۔ پس میرے جیسا شخص اس کی بیعت نہیں کرے گا۔

ابن سعد نے یزید کے بارے میں عبداللہ بن حنظلہ کا ایک قول بیان کیا ہے۔ عبداللہ بن حنظلہ وہ ہیں کہ جب یزید نے اپنا لشکر مدینہ بھیجا تو اہل مدینہ نے ان کی بیعت کر لی۔ اس وقت یزید کے لشکر والوں سے خطاب کرتے ہوئے عبداللہ نے کہا: اے لوگو! اللہ وحدہٗ لاشریک سے ڈرو۔ بخدا ہم یزید بن معاویہ کے خلاف اسی وقت اٹھے ہیں' جب ہم کو یہ خوف ہو گیا کہ ہم پر آسمان سے پتھر برس پڑینگے کیونکہ یہ شخص ماؤں' بہنوں اور بیٹیوں سے منہ کالا کرتا رہتا ہے' شراب پیتا ہے اور نماز' روزے کو چھوڑے ہوئے ہے۔ بخدا اگر میرے ساتھ لوگوں میں سے ایک شخص بھی نہ ہو تب بھی میں اس بدکار سے سخت جنگ کروں گا۔ (طبقات ابن سعد)

مؤرخ مسعودی لکھتے ہیں کہ یزید موسیقی کا دلدادہ' کتوں اور بندروں کا شوقین اور شراب کی محفلوں کا رسیا تھا۔ وہ یہ بھی لکھتے ہیں کہ قتل حسینؑ کے بعد ایک روز وہ شراب لئے بیٹھا تھا جبکہ اس کی داہنی جانب ابن زیاد بھی موجود تھا۔ تب اس نے اپنے ساقی کی طرف بڑھ کر یہ شعر پڑھا:

''اے میرے ساقی! مجھے ایسی شراب دے جو میری بے چینی کو دور کرے اور میرے دل کو تازگی بخش دے' پھر ابن زیاد کو بھی ایسی ہی شراب پلاؤ' کیونکہ وہ

میرا رازداں' امانتدار اور میری جنگ اور غنیمت کا انتظام کرنے والا ہے''۔

اس کے بعد اس نے گانے والوں کو حکم دیا اور وہ اس کے سامنے گاتے رہے۔ راوی مزید کہتا ہے کہ یزید کے درباریوں اور اس کے دوسرے ساتھیوں پر بھی وہی بدکاریوں اور جرم و گناہ حاوی ہو گئے جن کا وہ خود مرتکب ہوتا تھا۔ چنانچہ مکہ اور مدینہ میں بھی موسیقی اور شراب خوری ہونے لگی۔ اور وہاں ہر قسم کا لہو و لعب پھیل گیا تھا۔

اس کا ایک بندر تھا جس کو وہ ابو قیس کہتا تھا۔ وہ اس کی شراب کی محفلوں میں بھی موجود رہتا۔ جہاں اس کے بیٹھنے کے لئے ایک گدا رکھا ہوتا تھا۔ پھر وہ تھا بھی بہت شریر اور بدخو۔ اس کو ایک جنگلی گدھے پر بٹھایا جاتا جو زین اور لگام سے سجا ہوتا تھا۔ جب گھڑ دوڑ کا دن آتا تو ابو قیس بھی سواروں کے مقابلہ میں شامل ہوتا تھا۔ کسی دن وہ جیت جاتا اور اس کا گدھا گھوڑے سے پہلے باڑے میں داخل ہو جاتا۔ ابو قیس کو سرخ رنگ کا ریشمی لباس پہنایا جاتا جس پر مختلف رنگوں کے پھول بنے ہوئے تھے۔ اس کے بارے میں کسی شامی شاعر نے یہ اشعار کہے تھے:

''اے ابو قیس اس کی لگام کو اچھی طرح سنبھالے رہنا' کیونکہ اگر تو گرا تو کوئی بچانے والا نہ ہوگا۔ کیا کسی نے اس بندر کو دیکھا ہے جو گدھے پر بیٹھ کر امیر یزید کے گھوڑوں کو ہرا دیتا ہے''۔

محمد بن علی بن طباطبا (ابن طقطقی) رقمطراز ہیں کہ: یزید بن معاویہ شکاری کتوں کو سونے کے کڑے اور زربفت کے کپڑے پہنایا کرتا تھا۔ ہر کتے کی دیکھ بھال کے لئے ایک ایک غلام مقرر رہا کرتا تھا۔ (کتاب الفخری' ص ۱۴۹)

ابن کثیر کہتے ہیں کہ یزید بھاری جسم اور گھنے بالوں والا چیچک رو شخص تھا۔ معاویہ نے

اس کی ماں کو اس وقت طلاق دیدی تھی جبکہ وہ اس کے بطن میں تھا۔ وہ ایک اچھا شاعر تھا' تاہم اس کے شعر زیادہ تر فحاشی و ابتذال سے متعلق ہوتے تھے۔ جیسے اس کے یہ اشعار ہیں:

''میرے وہ ساتھی جو مل بیٹھ کر شراب پیتے اور محبت بھرے نغمے گاتے ہیں' میں ان سے کہتا ہوں کہ تم جی بھر کے لطف اٹھالو' کیونکہ یہ زندگی خواہ کتنی ہی طویل ہو ضرور ختم ہو جانے والی ہے''۔ (البدایہ والنہایہ)

جیسا کہ ابن طقطقی نے کہا ہے کہ یزید کے اسی قسم کے اور بھی بہت سے اشعار ہیں جن میں سے کچھ اشعار انہوں نے بھی نقل کئے ہیں۔

ابن قتیبہ کی کتاب ''الامامت والسیاست'' میں ہے کہ عتبہ بن مسعود نے عبداللہ بن عباس سے کہا: کیا آپ یزید کی بیعت کرلیں گے۔ حالانکہ وہ شراب پیتا' لونڈیوں کے ساتھ کھیلتا اور بدکاریوں میں مست رہتا ہے۔ وہ بولے کہ کیا میں نے تم سے نہیں کہا کہ اس سے زیادہ شراب پینے والا کوئی نہیں ہوسکتا۔ وہ بدترین شرابی ہے۔ اس پر مؤرخوں کا اتفاق ہے کہ اس کی حکومت تین سال اور چھ ماہ تک رہی۔ پہلے سال میں اس نے حسینؑ بن علی کو قتل کیا۔ دوسرے سال میں مدینہ کو تاراج کیا۔ وہاں مردوں کو قتل کیا اور عورتوں کو تین دن تک اپنے فوجیوں کے آگے ڈالے رکھا۔ پھر تیسرے سال میں اس نے کعبے پر فوج کشی کی اور منجنیق سے سنگباری کر کے اس کو منہدم کر دیا۔

ابن طقطقی اپنی کتاب ''الفخری'' میں لکھتے ہیں کہ یزید بن معاویہ کھیل' شراب' شکار اور عورتوں سے شدید رغبت رکھتا تھا۔ اس کو شعر گوئی سے اتنا شغف تھا کہ کہا جاتا ہے اس کی حکومت شعر سے شروع ہوئی اور شعر پر ہی ختم ہوئی۔ جس کسی نے بھی اس کی تاریخ زندگی پیش کی ہے' اس نے یہی بیان کیا ہے کہ وہ دین سے بالکل بے پروائی برتتا اور ہر قسم کی ناجائز

حرکات کرتا رہتا تھا۔ جیسا کہ تمام مؤرخین اور محققین کا اس پر اتفاق ہے کہ وہ دین سے بے پرواہ اور ہر قسم کے ناجائز افعال میں سرشار رہتا تھا۔

بعض مستشرقین اور عرب مصنفین' یزید کی تربیت کے ماحول کو اس کی زندگی کی اس نمایاں کیفیت کا سبب قرار دیتے ہیں' کیونکہ اس کے باپ معاویہ نے اس کی ماں میسون بنت بجدل کلبیہ کو طلاق دیدی جبکہ وہ اس کے بطن میں تھا۔ چنانچہ وہ اپنے میکے والوں کے ہاں بیابان میں چلی گئی اور یزید وہیں پیدا ہوا۔ پھر لڑکپن کی عمر کو پہنچنے تک وہ اسی کے پاس رہا ۔مؤرخین نے میسون کی طلاق کا سبب یہ بیان کیا ہے کہ معاویہ جب اس کے پاس گئے تو وہ یہ اشعار پڑھ رہی تھی:

''مجھ کو اپنا اون کا موٹا لباس اس ریشمیں لباس سے زیادہ محبوب ہے وہی میری آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچاتا ہے۔ وہ جھونپڑا جس میں کھلی ہوائیں آتی رہتی ہیں' مجھ کو اس بلند و بالا محل سے زیادہ محبوب ہے۔ مجھ کو اونٹوں کے یہ کھردرے کجاوے' ان شاہی خچروں کی خوبصورت کاٹھیوں سے زیادہ محبوب ہیں۔ مجھ کو مہمانوں پر بھونکتے ہوئے یہ آوارہ کتے' وہاں کی پیاری پیاری بلیوں سے زیادہ محبوب ہیں۔ ہاں! مجھ کو اپنے نادار اور اجڈ رشتہ دار' ان سخت مزاج گدھوں سے زیادہ محبوب ہیں ''۔

یہ سن کر معاویہ نے اس سے کہا: اے بجدل کی بیٹی !تو نے ہم کو سخت مزاج گدھا کہہ کر دم لیا ہے۔ جا اب تو اپنے رشتہ داروں ہی میں چلی جا۔ چنانچہ وہ بنی کلب کے بیابانی علاقہ میں چلی گئی۔ ان دنوں اس پر عیسائیت کا بھی گہرا اثر تھا۔ اسی زمانہ میں اس کے ہاں یزید پیدا ہوا اور پھر لڑکپن تک اسی کے پاس رہا۔ مؤرخوں کا ایک گروہ کہتا ہے کہ یزید کی تعلیم و تربیت

نسطوری عیسائیوں کے ہاتھوں ہوئی۔ اسکے علاوہ بعض مصنفین کی رائے میں اس کی نشوونما ایسے ماحول میں ہوئی جس میں بیابانی زندگی کا اکھڑپن اور طبیعت کی سختی شامل تھی۔ بعض مصنفین نے یہ بھی کہا ہے کہ اس نے کعب بن جعیل سے کہا کہ وہ انصار کی برائی کرے لیکن اس نے ایسا کرنے سے انکار کردیا۔ البتہ اخطل تغلبی کی طرف رجوع کرنے کی رائے دیدی ۔ چونکہ وہ عیسائی تھا اس لئے اس نے اس بات کو قبول کرلیا۔ پس اسی عیسائی تربیت کا اثر تھا کہ یزید زیادہ تر عیسائیوں ہی کو اپنے قریب رکھتا تھا۔ وہ اپنے خاص معاملات میں بھی انہی کو شریک رکھتا تھا۔ جیسا کہ مؤرخین کا اتفاق ہے کہ اس کو ان لوگوں پر اس حد تک بھروسا تھا کہ اس نے اپنے بیٹے کی تربیت بھی ایک عیسائی ہی کے سپرد کردی تھی۔ اس طرح اخطل وغیرہ کی دی ہوئی عیسائی تربیت کا یہی اثر ہوسکتا تھا کہ اس کا ان لوگوں کے ساتھ پُر اعتماد تعلق اور مضبوط لگاؤ پیدا ہوجائے۔ علائلی نے (اشعت من حیات الحسینؑ) اس پر یہ اضافہ بھی کیا ہے کہ جب یہ امر یقینی ہے یا یقین کے قریب ہے کہ یزید کی تربیت خالص عیسائی طریقہ پر ہوئی تو پھر یہ کوئی حیرت کی بات نہیں ہے کہ وہ احکام شرع کی پابندی سے گریز کرے اور مسلمانوں کے طریقوں کا مذاق اڑاتا رہے کیونکہ اس کے دل میں ان احکام کے ماننے کی کوئی اہمیت اور ان پر عمل کرنے کا کوئی تصور ہی نہ تھا۔ بلکہ اگر وہ بڑا ہوکر ایسا نہ نکلتا تو اس بات پر واقعی تعجب ہونا چاہئے تھا۔

بعض مصنفین اس حقیقت کی روشنی میں یزید کی طرف سے اسلام اور شعائر اسلام کی اہانت کئے جانے کا سبب تلاش کرنے کی کوشش کرتے ہیں لیکن یہ سبب اس کے لئے تب وجہ صفائی بن سکتا تھا جبکہ اس کا یہ برتاؤ بیابانی زندگی اور عیسائی تربیت ہی کا خاص نتیجہ ہوتا۔ اس کے سن بلوغ سے لے کر اپنے باپ کا ولی عہد اور پھر خود فرمانروا ہونے تک اس سے ظہور میں

آتا رہا۔ حالانکہ عرب خواہ وہ حضری ہوں یا بدوی ہوں' ان میں ایسی خصوصیات تھیں جن کو اسلام نے بھی پسند کیا تھا۔ جیسے وفاء' حق ہمسایہ' سخاوت دلیری اور تحفظ ناموس وغیرہ کہ جن کا ذکر تاریخ کرتی ہے لیکن یزید میں' ان میں سے کوئی بات نہ پائی جاتی تھی۔ پھر تاریخ یہ نہیں بتاتی کہ عربوں نے کبھی بہنوں اور پھوپھیوں سے نکاح کو جائز قرار دیا ہو' جیسا کہ یہ تاریخ اس کے بارے میں بتاتی ہے۔ علاوہ بریں جو لوگ بیابانی ماحول میں عیسائیت پر پیدا ہوئے اور اسلام کی فتح سے پہلے اپنی انہی نمایاں خصوصیات کے ساتھ زندہ رہے۔ جب وہ اسلام میں داخل ہو گئے تو وہ ان تمام رسوم پر غالب آ گئے' جو اُن کو اپنے باپ دادا سے ملی تھیں۔ اس پر طرہ یہ کہ خود معاویہ کی ولادت شرک پر ہوئی اور اسی میں ان کی نشو ونما ہوئی تھی۔ وہ قریش کے ساتھ اسلام دشمنی کے تمام مواقع میں شریک تھے۔ نیز لڑکپن میں اور بڑے ہو کر بھی وہ اپنے ان والدین کے ساتھ رہتے تھے جو اسلام سے' ہاشمیوں سے اور علویوں سے دشمنی کے معاملے میں تمام مخلوق خدا میں سب سے زیادہ سخت تھے۔ چنانچہ خود معاویہ ان کے باپ اور ان کی ماں رسول اکرمؐ کی وفات سے صرف دو سال پہلے اسلام میں داخل ہوئے لیکن باطن میں شرک چھپائے رہے۔ البتہ ان کے اندر ایسی ہوشیاری موجود تھی کہ بڑی آسانی سے مسلمانوں کا سا رنگ اپنائے رہتے تھے۔ حتی اینکہ اپنی شام کی گورنری نیز مملکت اسلامی کا حکمران بن جانے کے زمانے میں بھی بڑی کامیابی سے اپنی اس دشمنی کو چھپائے رہے جو وہ اسلام کے لئے رکھتے تھے۔ وہ عام مسلمانوں پر اسلام سے اپنی رغبت ظاہر کرتے رہے۔ حالانکہ وہ ایسے لوگوں میں پلے بڑھے تھے جو اسلام کے بدترین دشمن اور سخت ترین بدخواہ تھے۔ پھر یہ بھی دیکھا جائے کہ وہ بیشتر اموی حکام جو علانیہ طور پر حرام افعال کے مرتکب ہوا کرتے تھے' اسلام کے ظاہری مراسم کی تحقیر کرتے تھے اور یزید کی طرح تمام اسلامی

تعلیمات کے خلاف چلتے تھے۔ وہ کیوں ایسا کرتے تھے؟ حالانکہ نہ وہ بدوی طرز زندگی میں پلے بڑھے تھے اور نہ عیسائی ماحول کے زیر تربیت رہے تھے۔

مختصر یہ کہ بعض مؤلفین کے اس خیال کی تائید نہ تاریخ سے ہوتی ہے نہ اس کی کوئی عقلی بنیاد ہے کہ یزید کی اس روش کا سبب وہ تربیت ہے جو اس کو بدوی زندگی اور مسیحی ماحول میں ملی تھی۔ میری رائے میں اس کا سبب صرف یہ تھا کہ وہ ان احمقوں میں سے تھا جو امور سیاست کو بالکل نہیں سمجھتے اور اپنی شہوانی خواہشات اور بغض کی رو میں بہہ جایا کرتے ہیں۔ اس کے لئے اس سے بڑی اور کیا دلیل ہوگی کہ اس نے امام حسینؑ کو ان کے افراد خاندان اور اصحاب سمیت قتل کر ڈالا اور ان کی عورتوں اور بچوں کو قید کر کے شہر بہ شہر عوام کے سامنے پھرایا۔ حالانکہ وہ رسول اکرمؐ کی ذریت تھے اور لاکھوں مسلمان ان کا احترام کرتے اور ان کے ذریعہ سے آنحضرتؐ کی اور اسلام کی حقانیت اور خوبیوں کی یاد تازہ کرلیا کرتے تھے۔ نیز اس کے بعد اس نے اہل مدینہ سے جنگ کی اور وہاں کی عورتوں کو اپنے لشکر والوں پر مباح قرار دیدیا کیونکہ ان لوگوں نے امام حسینؑ کے قتل کو ایک عظیم واقعہ قرار دیتے ہوئے اس پر ناراضی کا اظہار کیا تھا۔ اس کے علاوہ اس نے مکہ کا محاصرہ کیا اور کعبہ کو منہدم کر دیا۔ ایسے ہی اس کے اور بھی بہت سے برے اعمال اور زیادتیاں ہیں جن کا سبب حماقت، جہالت اور خودرائی کے علاوہ کچھ نہیں۔

بہر حال جب حجاز اور اس کے اطراف کے مسلمانوں نے دیکھا کہ امام حسنؑ کی وفات کے بعد معاویہ نے اپنے حرامکار اور اسلام کی تحقیر کرنے والے بیٹے یزید کے لئے حالات کو سازگار بنانا شروع کر دیا ہے تو انہوں نے امام حسینؑ سے اس مغاملے میں مداخلت کرنیکی خواہش ظاہر کی لیکن آپ ان سب کو صبر کرنے اور حکمت اور تدبر سے حالات

کا سامانا کرنیکی ہدایت فرماتے رہے۔ یزید کے ولی عہد مقرر کیے جانے پر مسلمانوں کے خیالات اوران کی پریشانی کوعبداللہ بن ہمام سلوی نے ان اشعار میں ظاہر کیا ہے:

''ہم ہرایرے غیرے کوامیر المومنین مانتے اوراس کی بیعت کرتے رہے۔ جبکہ ایک کے بعد ایک خودسر حکمران آجاتا تھا۔ یہاں تک کہ یکے بعد دیگرے تین آئے اور گئے۔ پھرتو خوف اورغضب سے ہمارا یہ حال تھا کہ اگر ہم بنی امیہ کا خون بھی پی لیتے تو ہماری سیری نہ ہوتی۔ ارے تمہاری حالت تو یہ ہے کہ رعایا برباد ہورہی ہے اورتم خرگوش کے شکار میں لگے رہتے ہو''۔

استاد ابوعلم کی کتاب ''سیرت اہل بیتؑ'' میں ہے کہ مروان بن حکم نے جو مدینہ میں معاویہ کا گورنر تھا ان کولکھا: عمرو بن عثمان نے خبر دی ہے کہ عراق اور حجاز کے کچھ ممتاز افراد ہم سے کٹ کر حسینؑ بن علیؑ کی طرف مائل ہورہے ہیں اوران کا یہ اقدام خطرہ سے خالی نہیں ہے۔ جب میں نے اس کے بارے میں چھان بین کی تو مجھ کو معلوم ہوا کہ وہ عنقریب سر اٹھانے والے ہیں، پس آپ مجھ کو اپنی رائے سے مطلع کیجئے۔ اس پر معاویہ نے اس کو لکھا: مجھے تمہارا خط مل گیا اوراس میں جو کچھ تم نے امام حسینؑ کے متعلق لکھا ہے اس سے میں آگاہ ہوگیا۔ پس تم ان سے مت ٹکراؤ اوران کو ان کے حال پر چھوڑ دو کیونکہ جب تک وہ ہماری حکومت کے معاملہ میں کوئی جھگڑا نہیں اٹھاتے، ہم نہیں چاہتے کہ ان سے ٹکرائیں۔ پس جب تک ان کی طرف سے کوئی واضح بات ظاہر نہ ہو تم بھی ان سے کنارہ کش رہو۔

نیز انہوں نے امام حسینؑ کو لکھا: مجھ کو آپ کے معاملات کے بارے میں خبریں پہنچی ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ ایسی باتوں سے دور رہیں۔ خدا کی قسم جو شخص اللہ سے عہد و پیمان کرے وہ اس کو وفا کرنے کا پابند ہے۔ پھر آپ جیسا شخص تو عہد کو وفا کرنے کا

سب سے زیادہ حقدار ہے۔ کیونکہ اللہ نے آپ کو خاص بڑائی' بزرگی اور منزلت عطا کی ہے۔ پس آپ اللہ سے کئے ہوئے عہد کو یاد کیجئے اور اس کو وفا فرمائیے۔ کیونکہ اگر آپ مجھ کو ناپسند کریں گے تو میں بھی آپ کو ناپسند کروں گا۔ آپ میرے خلاف چال چلیں گے تو میں بھی آپ کے خلاف چال چلوں گا۔ آپ غور کیجئے کہ کہیں اس امت کا شیرازہ بکھر نہ جائے اور آپ کی وجہ سے اللہ اس کو فتنے میں نہ ڈال دے۔ آپ نے یقیناً لوگوں کو سمجھ لیا ہے اور ان کو آزما لیا ہے۔ لہٰذا اپنی جان' اپنے دین اور اپنے نانا کی امت کا خیال کیجئے تا کہ وہ بیوقوف افراد جو یقین سے محروم ہیں' آپ کو راہ صواب سے ہٹا نہ دیں۔

اس کے جواب میں امام حسینؑ نے ان کو لکھا: مزید یہ کہ تمہارا خط مجھ کو ملا' جس میں تم نے یہ کہا ہے کہ تم کو میرے امور کے متعلق خبریں پہنچی ہیں اور تم مجھ کو ان سے اس لئے دور رکھنا چاہتے ہو کہ ہم تم آپس میں کسی اور عہد کے پابند ہیں۔ ہاں تو جان رکھو کہ نیکیوں کی طرف ہدایت اور رہبری صرف اللہ ہی کر سکتا ہے۔ تم نے ذکر کیا ہے کہ میرے متعلق کچھ باتیں تم تک پہنچائی گئی ہیں۔ پس یہ کام تمھارے ان ملنے والوں نے کیا ہے' جو کہ چغل خور ہیں اور ہمارے بیچ میں پھوٹ ڈالنے کے درپے ہیں۔ ان گمراہ کرنے والوں نے یقیناً جھوٹ بولا ہے کیونکہ میرا ارادہ تم سے جنگ کرنے یا تمہاری مخالفت کرنے کا نہیں ہے' لیکن ایسا نہ کرنے میں مجھے اللہ کا خوف مانع نہیں ہے۔ نہ اس کے لئے مجھے تم سے اور تمہارے ان ملحد اور گم گشتہ راہ دوستوں سے معذرت خواہی کی ضرورت ہے جو سب کے سب ظالموں کا گروہ اور شیطان کے ساتھی ہیں۔ کیا تم حجر بن عدی کندی اور ان کے ساتھیوں کے قاتل نہیں ہو؟ جو نماز کے پابند' عبادت گزار' ظلم سے نفرت کرنے والے بدعتوں پر ٹوکنے والے اور بدی سے روکنے والے تھے۔ وہ اللہ کے معاملے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت

سے ڈرتے نہ تھے۔ پھر بھی تم نے بڑی بڑی قسمیں کھانے اور مکرر پیمان دینے کے بعد ان کو ظلم اور زیادتی سے قتل کر ڈالا۔ تم نے اپنے اور ان کے مابین باندھے گئے کسی پیمان کا خیال نہ کیا۔ اس طرح تم اللہ کے مقابلہ پر جرأت اور اس سے کیئے ہوئے عہد کی تحقیر کے مرتکب ہوئے۔

کیا تم عمر بن حمق کے قاتل نہیں ہو؟ جو رسول اکرمؐ کے صحابی اور اللہ کے ایک نیک بندے تھے۔ کثرت عبادت نے ان کو گھلا دیا تھا جس سے ان کا جسم دبلا ہو گیا تھا اور ان کا رنگ پیلا پڑ گیا تھا۔ تم نے ان کو بھی امان دینے اور ایسے! ایسے عہد و پیمان کے بعد قتل کر ڈالا کہ اگر وہ جنگلی بکریوں کے ساتھ بھی کیئے جاتے تو وہ بھی پہاڑوں کی چوٹیوں سے نیچے اُتر آتیں۔

زیاد بن سمیہ کہ جو عبید بن ثقیف کے یہاں پیدا ہوتھا کیا تم نے اس کو اپنے باپ کا بیٹا قرار نہیں دیا؟ حالانکہ رسول اکرمؐ کا فرمان ہے کہ لڑکا اسی کا ہے جس کے یہاں پیدا ہو اور زنا کار کو صرف پتھر پڑیں گے لیکن تم نے جان بوجھ کر رسول اکرمؐ کی نافرمانی میں اپنی خواہش کی پیروی کی ۔ پھر تم نے اسی شخص کو اہل اسلام پر مسلط کر دیا۔ اب وہ ان کو قتل کرتا ہے' انکے ہاتھ پیر کاٹتا ہے' ان کی آنکھیں نکلواتا ہے اور ان کو کھجور کے درختوں پر پھانسی دیتا ہے۔ گویا کہ نہ تم اس امت میں شامل ہو اور نہ مسلمانوں کا تم سے کوئی تعلق ہے۔

کیا تم وہ نہیں ہو کہ جب حضرمیوں کے بارے میں ابن سمیہ نے تم کو لکھا کہ وہ علیؑ کے طریقے پر ہیں تو تم نے اسے لکھ بھیجا: ہر اس شخص کو قتل کر ڈالو جو علیؑ کے طریقے پر ہو۔ چنانچہ اس نے ان سب کو قتل کر ڈالا اور تمہارے حکم سے ان کے اعضاء کاٹ ڈالے۔ ہاں تو علیؑ کا طریقہ کیا ہے؟ ارے وہ ان کے ابن عم' محمد رسول اللہؐ ہی کا دین تو ہے کہ جس کی خاطر وہ تم

سے اور تمہارے باپ سے لڑا کرتے تھے کہ تم دونوں اپنی گمراہی سے باز آ جاؤ۔ یاد رکھو آج تم اسی دین کی بدولت ہی اس مقام پر بیٹھے ہو جہاں تم اس وقت ہو۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو تمہاری اور تمہارے باپ دادا کی بزرگی ان جاڑے اور گرمی کے تجارتی قافلوں تک ہی محدود رہتی۔ دوسری باتوں کے علاوہ تم نے مجھے یہ بھی کہا ہے کہ اپنی جان اپنے دین اور امت محمدؐ کا خیال کیجئے اور یہ فکر کیجئے کہ کہیں مسلمانوں کا شیرازہ نہ بکھر جائے اور مبادا آپ ان کو فتنہ میں ڈال دیں۔ حالانکہ میری دانست میں اس امت کے لئے اس سے بڑا کوئی فتنہ نہیں ہے کہ تمہاری حکومت اس پر قائم رہے۔ اپنی جان' اپنے دین اور امتِ محمدؐ کو نظر میں رکھتے ہوئے میرے لئے اس سے بڑی کوئی فضیلت نہیں ہے کہ میں تم سے جنگ کروں۔ اگر میں ایسا کروں تو میرا یہ عمل اللہ کی خوشنودی کے لئے ہوگا لیکن اگر میں اس سے باز رہوں تو پھر میں اپنے دین کی خاطر اللہ سے بخشش طلب کروں گا اور اپنے معاملے میں راست روی کے لئے اس کی توفیق چاہوں گا۔

تم نے یہ بھی کہا ہے کہ اگر آپ مجھ کو ناپسند کریں گے تو میں بھی آپ کو ناپسند کروں گا۔ اگر آپ میرے خلاف چال چلیں گے تو میں بھی آپ کے خلاف چال چلوں گا۔ پس میں کہتا ہوں تم میرے خلاف جو چال چلنا چاہتے ہو چل لو۔ مجھے اللہ سے امید ہے کہ تمھاری کوئی چال مجھ کو گزند نہ پہنچائے گی۔ تمہاری وہ چال کسی اور کے مقابلے میں خود تمہارے لئے نقصان دہ ہوگی۔ وہ اس لئے کہ تم اپنی جہالت میں سرشار ہو۔ تم نے اپنے عہد و پیمان توڑنے کی جرأت کی ہے۔ قسم بخدا! تم نے ہم سے کی ہوئی شرطوں میں سے ایک شرط بھی پوری نہیں کی۔ بلکہ تم نے ان لوگوں کو قتل کر کے یقیناً عہد شکنی کی ہے جن کو تم نے صلح، قسم اور عہد کے بعد بھی قتل کر ڈالا۔ تم نے ان لوگوں پر صرف اس لئے ظلم ڈھایا کہ وہ ہماری فضیلتیں

بیان کرتے تھے اور ہمارے حق کی فوقیت کو تسلیم کرتے تھے۔ تم نے ان کو خوف سے قتل کر ڈالا کہ شاید تم اس سے پہلے مر جاتے کہ وہ اپنا کام کرتے یا وہ مر جاتے قبل اس کے کہ تمھاری گرفت میں آتے۔ اے معاویہ! اب سن لو کہ انکا قصاص ضرور لیا جائے گا اور یقین کر لو کہ تمہیں ان کے خون کا حساب ضرور دینا ہوگا۔ یہ بھی جان رکھو کہ اللہ کے پاس ایک کتاب ہے جو کسی چھوٹے بڑے گناہ کو قلمبند کیئے بغیر ہرگز نہیں چھوڑتی۔ تم محض شک اور تہمت کی بنا پر لوگوں کا مواخذہ کرتے ہو اور ان کو ان کے گھروں سے نکال کر جلا وطن کر دیتے ہو۔ اللہ اس ظلم کو اور اپنے بیٹے کے لئے لوگوں سے تمہارے بیعت لینے کو قطعاً معاف کرنے والا نہیں ہے جبکہ وہ ایک نوخیز لڑکا ہے جو شراب پیتا ہے' اور کتوں سے کھیلتا ہے۔ میری نظر میں تم نے اپنے آپ کو خسارے میں ڈالا ہے اور اپنی رعایا کو دھوکہ دیا ہے کیونکہ تم نے ایک جاہل اور بیوقوف کی بات تو سنی لیکن خداترس اور پرہیزگار لوگوں کی بات کو حقیر سمجھا۔

معاویہ نے آپ کا خط پڑھا تو کہنے لگے: جو کچھ ان کے دل میں چھپا ہوا تھا وہ سب انہوں نے ظاہر کر دیا ہے۔ اس پر ان کے بیٹے یزید نے کہا: آپ ان کو اس خط کا ایسا جواب دیجئے جس سے ان کو اپنے چھوٹے پن کا احساس ہو جائے۔ اس میں آپ ان کے باپ کی مصیبتوں کا ذکر کیجئے۔ اتنے میں عبداللہ بن عمرو بن عاص بھی آ پہنچا۔ معاویہ نے اس سے کہا: تم جانتے ہو کہ حسینؑ نے ہمیں کیا لکھا ہے۔ وہ بولا کیا لکھا ہے؟ تب انھوں نے وہ خط پڑھ کر اس کو سنایا۔ اس پر اس نے کہا: آپ ان کو ایسا جواب کیوں نہیں دیتے جس سے وہ اپنے آپ کو ہر لحاظ سے چھوٹا سمجھنے لگیں۔ معاویہ بولے: یزید نے بھی مجھ کو یہی مشورہ دیا ہے' لیکن تم دونوں غلطی پر ہو۔ کیا تم نے غور کیا کہ اگر میں علیؑ پر عیب لگانا چاہوں تو میں کیا کہہ سکتا ہوں۔ علیؑ پر جھوٹا اور انجان سا عیب لگانا تو اچھا نہیں ہے۔ یہ بات میرے لئے بھی

مناسب نہیں کہ میں کسی شخص کا ایسا عیب بیان کروں کہ عام لوگ اس کو جانتے ہی نہ ہوں۔ تا کہ وہ اس میں یہ عیب نہ پا کر میری بات کو جھوٹ نہ قرار دیں۔ اب تم ہی کہو کہ میں حسینؑ پر کیا عیب لگاؤں۔ قسم بخدا! ان پر عیب لگانے کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ تاہم میں بھی یہ چاہتا تھا کہ اب ان کو ایک اور خط لکھ کر ڈراؤں دھمکاؤں لیکن پھر میں نے اپنے دل میں کہا کہ یہ بھی نہ کروں تو اچھا ہے۔

راویوں کا بیان ہے کہ امام حسینؑ اور معاویہ کے درمیان ایک سے زیادہ مرتبہ گفتگو ہوئی تھی۔ اس میں معاویہ یہ کوشش کرتے تھے کہ یزید کی بیعت کے معاملہ میں امام حسینؑ سے اپنی بات کو آخری حد تک پہنچا دیں لیکن سردست وہ یہ چاہتے تھے کہ حتی الامکان شدت سے کام نہ لیں جبکہ وہ سب سے زیادہ امام حسینؑ سے خائف تھے کیونکہ وہ اسلام میں ہر پہلو سے عظیم مرتبہ کے حامل تھے۔ پھر آپ پر بھی معاویہ کے طور طریقے چھپے ہوئے نہ تھے۔ چنانچہ آپ ان کے الفاظ کی نرمی، بات چیت کی طراوت اور فریب کاری سے دھوکہ نہ کھاتے تھے۔ اس کے باوصف آپ ان کو اس طریقہ سے جواب دیتے رہے کہ دونوں کے درمیان تبادلۂ خیالات جاری رہا۔ اسی دوران میں ایک بار آپ نے لکھا: یزید نے اپنے بارے میں رائے دینے کا موقع خود ہی فراہم کر دیا ہے۔ تم اس کے لئے مشتعل کر کے لڑائے جانے والے کتے۔ اپنے ہم جنسوں کی طرف اڑنے والے کبوتر، طبلے، طنبورے اور ناچنے گانے والی لڑکیاں مہیا کر دو۔ پھر تم دیکھو گے وہ انہی چیزوں میں کھو جائے گا۔ لہٰذا جس چیز کی کوشش میں تم لگے ہوئے ہو اس کو چھوڑ دو، کیونکہ مخلوقِ خدا کے معاملے میں تم اپنے جس قدر گناہ لئے ہوئے اللہ سے ملاقات کرنے والے ہو، وہی تمہارے لئے کافی ہیں۔ تاہم میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ تم باطل کیلئے زیادتیاں کرنے اور بغض کی بنا پر ظلم کرنے سے باز نہ آؤ گے۔ یہاں

تک کہ تمہاری عمر کا پیمانہ لبریز نہ ہوجائے ۔ حالانکہ تمہارے اور تمہاری موت کے درمیان صرف آنکھ جھپکنے کا وقفہ ہے۔اس کے بعد تم ہوگے اور تمہارے اعمال ہوں گے جو یوم حساب کے لئے محفوظ ہیں اور اس وقت تمہارے لئے بچاؤ کی کوئی صورت نہ ہوگی۔

ابن جریر طبری نے سنہ ۶۰ ھ کے حالات میں لکھا ہے کہ معاویہ نے اپنے مرض الموت کے دوران اپنے بیٹے یزید کو بلا کر اس سے کہا: اے بیٹے! میں نے تمہارے لئے پورا ساز وسامان مہیا کر دیا ہے۔ معاملوں کو تمہارے لئے ہموار کر دیا ہے' دشمنوں کو تمہارے آگے سرنگون کر دیا ہے اور عربوں کی گردنیں تمہارے آگے جھکا دی ہیں ۔اب مجھے قریش کے چار افراد کے سوا کسی سے خوف نہیں ہے کہ کوئی شخص تم سے اس حکومت کے بارے میں تنازعہ کرے گا جو میں نے تمہارے لئے تیار کی ہے' وہ چار افراد حسینؑ ابن علیؑ' عبداللہ ابن عمر' عبداللہ بن زبیر اور عبدالرحمٰن بن ابی بکر ہیں ۔عبداللہ بن عمر کو تو عبادت نے ناکارہ کر دیا ہے۔ جب ان کے علاوہ بیعت نہ کرنے والا کوئی اور باقی نہ رہے گا تو وہ بھی تمھاری بیعت کر لیں گے ۔البتہ اہل عراق حسینؑ بن علیؑ کو تم سے لڑائے بغیر نہ چھوڑیں گے ۔اگر انھوں نے تم پر فوج کشی کی اور تم ان پر فتحمند ہوگئے تو ان سے درگزر کر دینا کیونکہ ہمارا ان سے قریبی رشتہ ہے اور ان کا مرتبہ بھی عظیم ہے ۔رہے ابوبکر کے بیٹے تو اگر ان کے ساتھ کچھ کریں گے تو وہ بھی کریں گے' ورنہ ان میں زن پرستی اور لہو ولعب کے سوا اور کسی چیز کی ہمت نہیں ہے۔البتہ جو شخص تم پر شیر کی مانند تاک لگائے گا اور لومڑی کی طرح تم کو دھوکہ دے گا' وہ ابن زبیر ہے کیونکہ جیسے ہی اس کو موقع ملے گا وہ تمہارے اوپر جھپٹ پڑے گا۔ پس اگر اس نے تمہارے ساتھ ایسا کیا اور تم کو اس پر فتح حاصل ہو جائے تو تم اس کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالنا۔

ایک دوسری روایت ہے کہ انھوں نے کہا: حسینؑ بن علیؑ ایک قومی فرد ہیں اور امید

ہے کہ ان کے لئے تمہیں انہی لوگوں کی مدد کافی ہو جائے گی جنہوں نے انکے باپ کو قتل کیا اور ان کے بھائی سے کنارہ کشی اختیار کی۔ تاہم ان سے ہمارا قریب کا رشتہ ہے۔ ہم پر ان کا عظیم حق ہے اور ان کی رسول اکرمؐ سے قرابتداری ہے۔ میرا خیال ہے کہ اہل عراق ان کو تم سے بھڑائے بغیر نہ چھوڑیں گے۔ اگر تم ان پر فتحیاب ہو جاؤ تو ان سے درگزر کرنا۔

اگر یہ صحیح ہے کہ انہوں نے امام حسینؑ کے بارے میں یزید کو ایسی وصیت کی تھی، تو پھر اس کی وجہ ان کا یہ علم تھا کہ امام حسینؑ کے قتل سے یزید اور پورے اموی گھرانے پر مکمل تباہی اور بربادی ٹوٹ پڑے گی۔ پھر بھی مجھ کو اس معاملے میں اس لئے شک ہے کہ اگر امام حسینؑ کا وجود خود معاویہ کی حکومت اور اقتدار میں حارج ہوتا تو وہ ان کو کبھی نہ بخشتے اور نہ ہی درگزر کرتے۔ پھر وہ اپنے بیٹے کو ایسے سلوک کی وصیت کیوں کرنے لگے، جو انھوں نے اپنے مخالفین کے ساتھ نہ کیا تھا۔ چنانچہ اس سے قبل وہ امام حسنؑ، حجر بن عدی اور خدا کے دسیوں پاکباز بندوں کو قتل کر چکے تھے۔ علاوہ ازیں انھوں نے سعد ابن ابی وقاص اور عبدالرحمٰن بن خالد بن ولید کو بھی قتل کیا، کیونکہ یہ دونوں انکے بعد یزید کے خلیفہ بنائے جانے پر معترض ہوئے تھے۔ پھر اموی گھرانہ کب عفو درگزر سے واقف ہوا یا ان کے یہاں علوی گھرانے سے قریبی رشتہ کب شمار میں لایا گیا۔ ہاں یہ بات زیادہ قابل ترجیح معلوم ہوتی ہے کہ معاویہ کی زبانی ایسی وصیت اس لئے تیار کی گئی ہے کہ جو کچھ انکے ولی عہد نے امام حسینؑ اور ان کے اہل بیتؑ کے ساتھ کیا، اس کی ذمہ داری ان پر سے کم ہو جائے۔

البتہ جو روایت ابن اثیر نے اسد الغابہ کی دوسری جلد میں بیان کی ہے وہ اموی سیاست کے عین مطابق معلوم ہوتی ہے کہ جس کی بنیاد سخت روی، پُر فریب قتل اور اقتدار کی خاطر ہر قسم کے تشدد کے استعمال پر قائم تھی۔ جیسا کہ ابن اثیر نے کہا ہے کہ جب یزید کے

باپ نے اس کے ولی عہد ہونے کی بیعت لی تو امام حسینؑ نے بیعت کرنے سے انکار کیا اور ان کے ساتھ ہی ابن عمر' ابن زبیر اور عبدالرحمٰن بن ابی بکر نے بھی یزید کی بیعت کرنے سے انکار کر دیا' حالانکہ بیشتر لوگوں نے اس کی بیعت کر لی تھی۔ اس پر معاویہ ایک ہزار شامی سوار لے کر حجاز کی طرف روانہ ہوئے۔ جب وہ مدینہ کے قریب پہنچے تو ان سے حسینؑ کی ملاقات ہوئی۔ جب اس کی نظر آپ پر پڑی تو بولا: میری طرف سے قربانی کے ایسے جانور کو خوش آمدید نہیں کہا جا سکتا جس کا خون بہہ رہا ہے اور اللہ اس کو بہانے والا ہے۔ اس پر امام نے ان سے کہا: اے معاویہ ذرا سنبھل کر بات کرو۔ میں ایسے الفاظ کا مستحق نہیں ہوں۔ تب معاویہ نے کہا: کیوں نہیں! بلکہ تم اس سے بھی بُرے الفاظ کے مستحق ہو۔ پھر جب ابن زبیر نے ان سے ملاقات کی تو انھوں نے ان سے کہا: میری طرف سے ایسے فریب کار کو خوش آمدید نہیں ہے جو سر کو چھپائے ہوئے اپنی دُم کو پٹختا رہتا ہے۔ قسم بخدا! عنقریب اس کو دم کی طرف سے پکڑ لیا جائے گا اور اس کی کمر توڑ دی جائے گی۔ پھر کہا: اس کو میرے پاس سے پرے لے جاؤ۔ یہ کہتے ہوئے انھوں نے ابن زبیر کی سواری کے منہ پر چابک رسید کیا۔ اس کے بعد جب عبدالرحمٰن بن ابی بکر ان سے ملے تو ان سے انہوں نے کہا: ایسا بوڑھا کہ جس کی عقل جاتی رہی ہے' اس کو میری طرف سے خوش آمدید نہیں ہے۔ اس کے ساتھ ان کی سواری کے منہ پر بھی چابک مار دیا۔ نیز انھوں نے ابن عمر کے ساتھ بھی ایسا ہی برتاؤ کیا۔

اس طرح معاویہ مدینہ میں داخل ہوئے مگر ان چاروں افراد میں سے کسی کے گھر پر اترنے کے لئے راضی نہیں ہوئے۔ تاہم دوسرے لوگوں کو بھی ان میں کوئی پسندیدہ بات نظر نہیں آئی۔ پھر وہ مکہ گئے اور وہاں کے لوگوں کے سامنے ایک تقریر کی جس میں اپنے بیٹے یزید

کا ذکر کیا اور اس کی خوب تعریف وتوصیف کی۔ بعد میں وہ بی بی عائشہ سے ملنے گئے۔ وہ یہ خبر سن چکی تھیں کہ معاویہ نے امام حسینؑ اور ان کے اصحاب کو یہ دھمکی دی ہے کہ اگر وہ یزید کی بیعت نہ کریں گے تو ان کو قتل کر دیا جائے گا۔ چنانچہ انھوں نے بی بی عائشہ سے ان لوگوں کی شکایت کی۔ اس پر وہ بولیں: مجھ کو معلوم ہوا ہے کہ تم نے ان لوگوں کو قتل کی دھمکی دی ہے۔ معاویہ نے کہا: میں نے یزید کے لئے بیعت لی ہے اور ان چار افراد کے علاوہ سبھوں نے اس کی بیعت کر لی ہے، تو اب جبکہ بیعت مکمل ہوگئی ہے کیا آپ یہ سمجھتی ہیں کہ اس کو توڑ دیا جائے۔ اس پر وہ بولیں: پھر بھی تم ان کے معاملے میں نرمی سے کام لو اس لئے کہ وہ بھی اسی طرف آجائیں گے جدھر تم انکو لانا چاہتے ہو۔

پھر وہ ان سے مذاق کے طور پر کہنے لگیں: تم نے یہ کیسے یقین کر لیا کہ جو کچھ تم نے میرے بھائی محمد کے ساتھ کیا تھا اس کی وجہ سے میں نے تمہارے پیچھے ایسے آدمی لگا دئے ہیں جو تم کو دھوکہ سے مار ڈالیں۔ اس پر وہ بولے کہ نہیں! نہیں! میں تو آپ کے گھر میں خود کو ہر طرح سے محفوظ سمجھتا ہوں۔ یہ کہہ کر وہ ان کے گھر سے یہ ارادہ لے کر چلے کہ بیعت سے انکار کرنے والوں کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کریں گے بشرطیکہ وہ ان کے مطالبہ کو مان لیں۔ اب انھوں نے امام حسینؑ اور دوسرے معترضین کو بلوایا اور ان کو بتایا کہ میں نے یزید کو کیوں منتخب کیا ہے۔ پھر ان سے خواہش کی کہ وہ اس کی تائید کریں اور اس کا ساتھ دیں۔ گویا انھوں نے ان لوگوں کے ساتھ بھی وہی طرز عمل اختیار کیا جو انھوں نے امام حسنؑ کے ساتھ اس وقت اختیار کیا تھا جب ان کو صلح کی تجویز پیش کی تھی۔ منجملہ اور باتوں کے انھوں نے یہ بھی کہا: حکومت دراصل تمہاری ہی ہوگی، کیونکہ تدبیر مملکت تمہارے ہاتھ میں ہوگی۔ یزید کی خلافت تو بس برائے نام ہوگی۔

ظاہر ہے کہ امام حسینؑ اور آپ کے دوسرے ساتھی اس طرح مطمئن نہ ہو سکتے تھے نہ وہ اس قسم کی پیشکش کے دھوکے میں آ سکتے تھے۔ چنانچہ ان لوگوں نے ان پر زور ڈالا کہ یا تو آپ ابوبکر کی طرح عمل کریں جنھوں نے ایسے شخص کو خلافت کے لئے منتخب کیا جو ان کے اہل میں سے نہیں تھا۔ یا آپ عمر بن خطاب کی طرح عمل کریں جنھوں نے چھ آدمیوں کو نامزد کر دیا اور خلافت انہی میں مرکوز کر دی تھی۔ اس پر وہ غصہ سے بیٹھ گئے اور بولے: اب تک تو میں اس طرح بات کر رہا تھا کہ تم میں سے جس کسی کو کوئی بات ناپسند تھی، وہ مجھ کو ٹوک دیتا تھا، نہ میں اس کو بُرا کہتا تھا نہ اس کی بات کا برا مانتا تھا۔ ہاں سن لو کہ اب میں مسجد نبویؐ جا رہا ہوں، جہاں میں اپنے فیصلے کا اعلان کروں گا۔ اگر تم میں سے کسی نے میری بات کاٹی یا جو کچھ میں کہوں گا اس کی مخالفت کی تو قبل اس کے کہ اس کے الفاظ ہونٹوں پر آئیں، میری تلوار اس کی گردن پر جا پڑے گی۔

پھر امام حسینؑ اور دوسرے تینوں افراد کو مسجد میں لا کر بیٹھا دیا گیا۔ تب معاویہ منبر پر آئے۔ اللہ کی حمد و ثناء کی اور کہا: میں نے اپنے بعد کے لئے مسلمانوں کی حکومت کے معاملے پر بڑا غور کیا ہے لیکن اس کے لئے میں نے اپنے بیٹے یزید سے زیادہ مناسب کسی کو نہیں پایا۔ انہوں نے مزید کہا: میں نے حسینؑ بن علیؑ، عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن زبیر اور عبدالرحمٰن ابن ابی بکر سے کہہ دیا ہے کہ یزید کوئی بھی معاملہ ان کے بغیر طے نہ کرے گا اور وہ ان کی رائے کے بغیر کوئی اقدام نہ کرے گا۔ وہ سب اس بات کو مان گئے ہیں اور یہ امر انھوں نے مجھ پر چھوڑ دیا ہے کہ اب میں جیسے چاہوں اس کو پورا کروں۔

انہوں نے جن افراد کے نام لئے ان میں سے کوئی بھی نہ بولا۔ نہ کسی نے ان کو ٹوکا، کیونکہ بیشتر مؤرخین نے صراحت کی ہے کہ اس وقت ان کے سروں پر تلواریں کھنچی ہوئی

تھیں ۔مگر وہاں موجود عام لوگوں نے محسوس کیا کہ یہ سب معاویہ کے ساتھ متفق ہیں ۔ چنانچہ سب لوگوں نے یزید کی بیعت کرلی ۔ اس طرح مکراور فریب سے معاویہ کی اس خواہش کی تکمیل ہوگئی اور انھوں نے دوسرے شہروں کی طرح' یزید کی بیعت سے مدینہ کی موافقت کا اعلان بھی کردیا۔

معاویہ یہ سب کچھ کر کے شام واپس چلے گئے لیکن ان کے دل میں کھٹکا لگا رہا کہ ان کی مخالفت سب سے پہلے عراق سے سر اٹھائے گی۔ وہاں کے لوگ امام حسینؑ کو خط لکھ کر بلائیں گے تا کہ ان کی بیعت کریں ۔ پھر حالات خواہ کچھ بھی ہوں وہ انکی دعوت کو منظور کرلیں گے۔ چنانچہ مؤرخوں کے ایک گروہ کے مطابق انہی لئے انھوں نے یزید کو امام حسینؑ پر فتحمند ہونے کی صورت میں' ان سے درگزر کرنے کی وصیت کی تھی ۔ میں اس وصیت کے صحیح ہونے کی صورت میں اس کے بارے میں اپنی رائے پہلے ہی ظاہر کر چکا ہوں ۔ پس اگر یہ صحیح بھی ہو تو اس کی وجہ یہ رہی ہوگی کہ معاویہ کو یہ احساس تھا کہ جب کبھی کوئی شخص بنی امیہ سے حکومت چھیننا چاہے گا وہ ان کے خلاف قتل حسینؑ کو ایک زبردست حربے کے طور پر استعمال کرے گا۔

امام حسینؑ عہد یزید میں

معاویہ ابن ابی سفیان نے سنہ ۶۰ ہجری میں وفات پائی۔ ان کی زندگی گناہوں' ناجائز کاموں اور اسلام کے اصولوں کی کھلی خلاف ورزیوں سے بھری ہوئی تھی لیکن ان سب پر طرہ یہ تھا کہ انہوں نے اپنے بیٹے یزید کو مسلمانون پر مسلط کردیا' حالانکہ وہ اس کی بدکرداری

سے واقف تھے۔ باوجودیکہ ان کے ناپسندیدہ اقدام کے خلاف ہر طرف سے آوازیں اٹھ رہی تھیں، پھر بھی وہ اس پر اڑے رہے اور لوگوں سے وعدہ و وعید کے ذریعے اس کے حق میں بیعت لیتے رہے۔ پھر جیسے ہی وہ ان کے بعد حکومت پر قابض ہوا، اس نے نتائج سے بے پروا ہوکر امام حسینؑ نے اپنی حکومت کی شرعی حیثیت کی تصدیق کرانے کی کوشش شروع کردی چنانچہ اس نے مدینہ کے گورنر کو لکھا: سب لوگوں سے عموماً اور امام حسینؑ سے خصوصاً میری بیعت لے لو۔ نیز اس پر زور دیا کہ وہ امام حسینؑ کے ساتھ سختی سے پیش آئے اور ان سے کسی قسم کی رعایت نہ کرے تا اینکہ وہ بیعت کرلیں۔ جونہی گورنر کو وہ خط ملا، اس نے امام حسینؑ کے بارے میں مشورہ کے لئے مروان بن حکم کو بلا بھیجا کیونکہ وہ سمجھ رہا تھا کہ خواہ کچھ بھی ہو وہ یزید کی بیعت نہ کریں گے، اس لئے یہ تعجب کی بات نہیں ہے کہ مروان نے اس کو یہ رائے دی ہو کہ وہ امام حسینؑ کو روکے رکھے تا کہ وہ بیعت کرلیں، ورنہ ان کو قتل کردے۔ اس لئے کہ وہ محمدؐ و آل محمدؐ کا بدترین دشمن تھا اور فی الوقت خود حکومت حاصل کرنے کی فکر میں تھا کیونکہ جب معاویہ نے اس سے یزید کو ولی عہد بنانے کے بارے میں مشورہ کیا تھا تو اس نے اس تجویز کی مخالفت کی تھی۔ چنانچہ بعض مؤرخین کا خیال ہے، اسی بنا پر معاویہ نے اس کو مدینے سے معزول کرکے ایک دوسرے شخص کو گورنر مقرر کردیا تھا۔ مروان یہ بھی جانتا تھا کہ قتل حسینؑ نہ صرف ابوسفیان کے گھرانے کے لئے بدترین نتائج پیدا کرے گا بلکہ وہ حکومت کی طمع اور خواہش رکھنے والوں کے ہاتھ میں سب سے بااثر ہتھیار کا کام دے گا اور پھر ایسا ہی ہوا۔ البتہ یہ بات بعید از قیاس ہے کہ جب اس نے گورنر کو یزید کی بیعت نہ کرنے کی صورت میں امام حسینؑ کو قتل کردینے کا مشورہ دیا تھا۔ اس وقت بغض اہل بیتؑ کے علاوہ یہ بات بھی اس کے دل میں رہی ہو۔ تاہم ولید بن عتبہ بن ابی سفیان خاصا عقلمند ثابت ہوا اور

مروان اس سے ایسے جرم کا ارتکاب کرانے میں کامیاب نہ ہوسکا جس کی مثال تاریخ میں نابود ہے۔

چنانچہ ولید نے امام حسینؑ کو رات کے وقت بلا بھیجا۔ جب قاصد پہنچا تو آپ مسجد میں تشریف فرما تھے۔ اس وقت تک معاویہ کے مرجانے کی خبر لوگوں میں نہ پھیلی تھی۔ تب امامؑ کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ ولید نے آپ کو مرگ معاویہ کی اطلاع دینے اور نئے حکمران کی بیعت لینے کے لئے بلایا ہے۔ چنانچہ آپ نے اپنے بھائیوں، بیٹوں اور دوستوں کو بتلایا کہ گورنر نے مجھے بلایا ہے۔ مزید فرمایا کہ: مجھ کو اندیشہ ہے کہ وہ مجھ سے ایسی بات کا مطالبہ کرے گا جو میں نہ مانوں گا۔ اس لئے ممکن ہے میرے اور اس کے درمیان اختلاف ہو جائے۔ چنانچہ آپ نے ان لوگوں کو کہا کہ تم میرے ساتھ چلے چلو۔ ساتھ ہی یہ سمجھا دیا کہ تم لوگ دروازے پر ٹھہرے رہنا تاوقتیکہ میں تمھارے پاس واپس نہ آ جاؤں۔ آپ نے یہ بھی فرمایا: البتہ اگر تم سنو کہ گھر کے اندر میری آواز بلند ہوئی ہے تو تم سب یک دم وہاں آ جانا۔ چنانچہ وہ سب لوگ آپ کے ساتھ آئے تاہم امامؑ تنہا ہی اندر تشریف لے گئے جہاں پہلے تو گورنر نے ان کو معاویہ کی خبر مرگ سنائی۔ پھر اس نے آپ کے سامنے یزید کا وہ خط پڑھا جس میں اس نے امام حسینؑ سے سخت رویہ اختیار کرنے کا حکم دیا تھا تا اینکہ وہ بیعت کرلیں۔ اس پر امامؑ نے یہ جواب دیا: یہ ایک ایسا معاملہ ہے جو علانیہ طور پر اتمام پذیر ہونا چاہئے۔ پس جب صبح کے وقت اور لوگ جمع ہوں گے تو ہم بھی اس پر غور کریں گے۔ مروان، جو اس موقع پر وہاں موجود تھا، اس نے گورنر کو یہ مشورہ دیا: امام حسینؑ کو روکے رہو، یہانتک کہ وہ بیعت کرلیں۔ ورنہ ان کی گردن اڑا دو کیونکہ اگر یہ اس وقت بیعت کیئے بغیر چلے گئے تو پھر تم کبھی ان پر قابو نہ پاسکو گے۔ اس پر امامؑ نے مروان کو ڈانٹا: اے ابن زرقاء!

تو اس کو میری گردن اڑانے کا مشورہ دے رہا ہے۔اس سے دونوں طرف غصے کے آثار ظاہر ہو گئے۔تب امامؑ نے یہ ضروری سمجھا کہ وہ اس طلب بیعت کے بارے میں گورنر پر اپنی رائے واضح کر دیں۔چنانچہ آپ نے فرمایا: ہم اہل بیتؑ نبوت اور معدن رسالت ہیں۔ ہم ہی سے اللہ نے دین کی ابتدا کی اور ہم ہی پر اس کی انتہا بھی کی ہے۔پھر تم جانتے ہی ہو کہ یزید ایک کھلا ہوا بدکار اور اسلام کی تحقیر کرنے والا شخص ہے۔پس سمجھ رکھو کہ مجھ جیسا شخص اس کی بیعت نہیں کرے گا۔پھر بھی ہم کو اور تم کو صبح کا انتظار کرنا چاہئے۔

اب گورنر ڈرا کہ کہیں امام حسینؑ اور مروان کا اختلاف اتنا نہ بڑھ جائے کہ جس کے نتائج مصلحت کے خلاف ہوں۔اس نے یہ بھی محسوس کیا کہ ہاشمی نوجوان دروازے پر امام حسینؑ کا انتظار کر رہے ہیں۔چنانچہ اس نے آپ سے کہا: اے ابوعبداللہ! اس وقت آپ گھر چلے جایئے۔اب ہماری اور آپ کی ملاقات کل مسجد میں ہوگی۔

جب امام حسینؑ والیٔ مدینہ کے ہاں سے چلے گئے تو مروان نے اس سے کہا: تم نے میرا کہنا نہ مانا بخدا! اب تمہیں ایسا موقع کبھی نہ ملے گا۔اس پر وہ بولا: ارے مروان وائے ہو تم پر۔کیا تم مجھ کو رسول اکرمؐ کے نواسے کو قتل کرنے کا مشورہ دیتے ہو؟ قسم بخدا! جو شخص قیامت میں خون حسینؑ کا جرم لئے ہوئے مقام حساب میں کھڑا ہوگا' اللہ کے سامنے اس کا پلہ ہلکا ہی رہے گا۔

ادھر امام حسینؑ نے وہاں سے آتے ہی سواریاں تیار کرانا شروع کر دیں تا کہ مدینہ کی حدود سے باہر چلے جائیں' کیونکہ آپ نے موقع کی نزاکت کا اندازہ لگا لیا تھا۔جیسا کہ بیشتر روایات بتاتی ہیں' پھر چند ہی روز کے اندر آپ اپنے اہل وعیال سمیت' رات کی تاریکی میں مدینہ سے مکہ کی جانب روانہ ہو گئے۔اس وقت یہ آیت آپ کے ورد زبان تھی:

"فخرج منها خائفاً یترقب قال رب نجنی من القوم الظالمین"۔

"وہ وہاں سے خوف کی حالت میں نکلے اور کہتے جاتے تھے کہ بارالہٰا مجھ کو ظالمین سے نجات دلا دے"۔

(سورۂ قصص آیت ۲۱)

آپ اسی راستے سے جارہے تھے جس سے لوگ عموماً جایا کرتے تھے۔ آپ سے کہا بھی گیا کہ آپ بھی راستہ تبدیل فرما کر سفر کریں، جیسا کہ عبداللہ بن زبیر نے کیا جو امام حسینؑ سے چند روز پیشتر مکہ کی طرف چل کھڑے ہوئے تھے۔ لیکن آپ نے کوئی دوسرا راستہ اختیار کرنے سے انکار کرتے ہوئے فرمایا: قسم ہے اللہ کی میں شاہراہ کو ترک نہ کروں گا تا اینکہ اللہ وہ فیصلہ کردے جو اس کی مرضی کے مطابق ہو۔

آپ ۳ر شعبان سنہ ۶۰ ہجری کو مکہ میں داخل ہوئے۔ پھر شعبان کے باقی ایام، ماہ رمضان، شوال اور ذیقعد میں آپ وہیں قیام پذیر رہے۔ حتی کہ آٹھویں ذوالحجہ کو آپ مکہ سے روانہ ہوگئے۔ اس وقت محمد بن حنفیہ کے سوا آپ کے سب بھائی آپ کے ساتھ تھے۔

البتہ محمد بن حنفیہ کے بارے میں مختلف روایات بیان کی گئی ہیں۔ بعض روایات بتاتی ہیں کہ وہ سخت بیمار تھے اور کسی کام کے لئے اٹھ بیٹھ یا چل پھر نہ سکتے تھے لیکن بعض روایات میں ہے کہ امام حسینؑ نے ان کو حجاز میں اس لئے چھوڑ دیا تھا کہ وہ وہاں کے لوگوں اور ان کی حرکات پر نگاہ رکھیں۔ چنانچہ آپ نے ان سے فرمایا: پیارے بھائی! آپ کے لئے ضروری ہے کہ مدینہ ہی میں ٹھہرے رہیں اور ان لوگوں پر میری طرف سے نگہداری فرماتے رہیں تا کہ ان کی خبریں مجھ سے پوشیدہ نہ رہیں۔ اس پر محمد بن حنفیہ نے آپؑ سے کہا: پیارے بھائی! آپ یزید کی بیعت سے باز رہئے اور جہاں تک ممکن ہو بڑے شہروں سے بھی دور

رہیئے۔البتہ آپ اپنے قاصدوں کولوگوں کے پاس بھیجئے۔اگر وہ آپ کی بیعت کر لیتے ہیں تو اللہ کا شکر ہے اور اگر وہ آپ کے علاوہ کسی اور پر اتفاق کرتے ہیں تو اس سے آپ کے دین اور آپ کے عقل میں کوئی کمی نہ آئے گی' آپ کے مقام و مرتبہ میں کوئی فرق نہ پڑیگا۔ اسپر امام حسینؑ نے فرمایا میرے بھائی خدا آپکو جزائے خیر دے کہ آپ نے نصیحت اور شفقت کا حق ادا فرمایا ہے۔ہاں تو میں سردست اپنے بھائیوں' بھتیجوں اور مددگاروں کے ساتھ مکہ جارہا ہوں۔ پیارے بھائی !قسم بخدا!اگر دنیا میں میرے لئے کوئی بھی جائے پناہ اور مقام امن نہ رہے گا' تب بھی میں ہرگز یزید کی بیعت نہ کروں گا۔اس کے بعد جیسا کہ بیشتر روایات بتاتی ہیں' آپ نے انکو بعض اہم امور کے بارے میں ہدایات دیکر رخصت فرمایا۔

بیشتر روایات میں جو یزید کی بیعت کے متعلق امام حسینؑ کے موقف سے بحث کرتی ہیں وہ بتلاتی ہیں کہ مکہ کے راستے میں عبداللہ بن مطیع نے امام حسینؑ سے ملاقات کی اور کہا: میری جان آپ پر فدا ہو' آپ کہاں کا ارادہ رکھتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: سردست تو مکہ کی طرف جاتا ہوں لیکن آئندہ کے لئے میں اللہ سے استخارہ کروں گا۔ اس پر عبداللہ بولے: اللہ آپ کی مدد فرمائے اور ہم کو آپ کا فدیہ قرار دے۔آپ مکہ تشریف لے جارہے ہیں لیکن آپ کوفہ ہرگز نہ جایئے گا۔وہاں آپ کے والد بزرگوار کو قتل کیا گیا۔پھر آپ کے بھائی کا ساتھ چھوڑ دیا گیا اور ان پر ایسا پُر فریب حملہ کیا گیا اس میں ان کی جان ہی چلی جاتی۔ پس آپ کعبہ ہی میں رہئے۔آپ عرب کے سردار ہیں۔اہل حجاز میں سے کوئی آپ سے روگردانی نہ کرے گا اور لوگ ہر طرف سے آپ کے پاس آتے رہیں گے۔اے ابوعبداللہ! میرے چچا اور ماموں سب آپ پر فدا ہوں' آپ ہرگز کعبہ سے نہ ہٹیئے گا۔اگر آپ مارے

گئے تو قسم بخدا! آپ کے بعد ہم سب برباد ہو جائیں گے۔

امام حسینؑ مکہ میں

امام حسینؑ اپنے اہل وعیال، بھائیوں، بھتیجوں اور بعض مددگاروں کے ساتھ مدینہ سے روانہ ہوئے۔ آپ نے اپنے بھائی محمد بن حنفیہ کو وہیں چھوڑا تا کہ وہ آپ کو حکومت کے کارندوں کے افعال سے باخبر رکھیں۔ قبل اس کے کہ آپ مدینہ سے روانہ ہوں، آپ اپنے نانا، اپنی والدہ اور اپنے بھائی کے مزاروں پر حاضر ہوئے۔ آپ نے امت کی طرف سے کیئے ہوئے ظلم و جور اور احکامِ دین کی تحقیر کے بارے میں ان سے شکایت فرمائی۔ آپ نے مکہ کی جانب انہی مہینوں میں سفر فرمایا جن میں مسلمان وہاں عمرہ اور حج ادا کرنے کے لئے جمع ہوتے ہیں۔ آپ مکہ میں چار ماہ اور کچھ دن مقیم رہے۔ اس زمانہ میں آپ لوگوں کے دلوں اور ذہنوں کے مرجع بنے ہوئے تھے۔ چنانچہ مسلمان آپ کے گرد جمع رہتے اور آپ سے احکام اسلام اور حلال اور حرام کے مسائل معلوم کرتے تھے۔ بیشتر اوقات اور لوگوں کے ساتھ ابن زبیر بھی آپ کی خدمت میں آتے تھے۔ مکہ کے گورنر یحییٰ بن حکیم نے امام سے کوئی تعرض نہیں کیا اور آپ کو آپ کے حال پر چھوڑے رکھا۔ یہی وجہ ہوئی کہ یزید نے اس کو اس عہدے سے برطرف کر دیا اور اس کی بجائے عمر بن سعید بن العاص کو گورنر بنا دیا۔ پھر اس سے اگلے مہینے یعنی رمضان میں مدینہ کو بھی اسی کے تحت کر دیا اور ولید بن عتبہ کو وہاں سے برطرف کر دیا، کیونکہ ابن قتیبہ کے بقول قبل ازیں اس نے بھی امام حسینؑ کے ساتھ معتدل رویہ اختیار کیا تھا۔

اس دوران مختلف علاقوں کے لوگوں کو معلوم ہو گیا کہ امام حسینؓ نے یزید کی بیعت سے انکار کر دیا ہے۔ اس لئے عام لوگوں خاص کر اہل کوفہ کی نظریں آپ کی طرف اٹھنے لگیں کیونکہ اس زمانے میں وہ یزید کے بارے میں سب سے زیادہ بددل تھے اور ان میں سے بیشتر افراد امام حسینؓ کی طرف مائل تھے۔ انہی دنوں وہ سلیمان بن صرد خزاعی کے مکان میں جمع ہوئے، تب سلیمان نے ان کے سامنے تقریر کرتے ہوئے کہا: تم سب کو معلوم ہو گیا ہے کہ معاویہ وفات پا گئے اور ان کے بعد یزید نے حکومت سنبھال لی ہے۔ تم یہ بھی جانتے ہو کہ امام حسینؓ نے یزید کی بیعت نہیں کی اور وہ اپنے اہل وعیال سمیت مدینہ سے مکہ چلے گئے ہیں۔ تم لوگ جو ان کے انصار ہو، اس وقت ان کو تمہاری نصرت کی سخت ضرورت ہے۔ پس اگر تم ان کے مددگار اور ان کے دشمن سے جنگ کرنے والے ہو تو ان کو لکھ بھیجو۔ ہاں اگر تم کو اپنی کمزوری اور کم ہمتی کا اندیشہ ہے تو پھر ان کو دھوکے میں نہ رکھنا۔ اس پر سب نے کہا کہ ہم ضرور ان کے دشمن سے جنگ کریں گے اور اپنی جانیں ان پر قربان کر دیں گے۔ چنانچہ باہم گفتگو اور مشورہ سے ان کی یہ رائے طے پائی کہ اپنا ایک وفد امامؑ سے ملاقات کرنے مکہ بھیجیں۔ چنانچہ ان میں سے ممتاز اور ذی حیثیت افراد نے اسی وفد کے ہاتھ ایک خط بھی لکھ بھیجا جس میں کہا گیا تھا:

''پس بات یہ ہے کہ ہمارے نزدیک آپ کے سوا کوئی دوسرا امام نہیں ہے۔ آپ ہماری طرف تشریف لے آئیے تا کہ اللہ آپ کے ذریعے ہم کو حق پر متحد کر دے۔ اس وقت یہاں کا گورنر نعمان بن بشیر ہے لیکن ہم اس کے ساتھ جمعہ و جماعت میں شریک نہیں ہوتے، نہ اس کے ساتھ نماز عید کے اجتماع میں جاتے ہیں۔ آپ کی تشریف آوری کی اطلاع پر ہم اس کو کوفے سے نکال باہر کریں گے تا کہ وہ

شام چلا جائے''

بعدازاں ان لوگوں کے خطوط کا سلسلہ جاری رہا۔ یہاں تک کہ وہ دس بیس اور پچاس تک پہنچ گئے۔ ان میں سے بیشتر خطوں میں وہ لوگ یہ کہتے تھے:

''علاقہ سرسبز ہے اور پھل تیار ہیں۔ ہمارے نزدیک آپ کے سوا کوئی اور امام نہیں ہے۔ پس آپ تشریف لے آئیے کیونکہ آپ ہی حکومت کے سب سے زیادہ حقدار ہیں۔ بلکہ آپ ہی خلافت اور امامت کے لئے سب سے زیادہ موزوں ہیں''۔

ان کے یہ خطوط وقتاً فوقتاً آپ کے پاس پہنچتے رہے۔ یہاں تک کہ ان کی تعداد اتنی ہوگئی کہ ان سے دو تھیلے بھر گئے۔ چنانچہ آپ مکہ سے عراق روانہ ہوئے تو اہل کوفہ کے یہ خطوط اپنے ساتھ لے گئے تاکہ اگر ان لوگوں کی طرف سے کوئی خرابی یا انحراف کی صورت سامنے آئے تو آپ ان خطوں کی بنیاد پر اپنا نقطۂ نظر واضح کردیں۔

بعض روایات واضح کرتی ہیں کہ عراق کے علاوہ اسی مضمون کے خط مدائن اور دوسرے مقامات سے بھی آئے تھے۔ نیز عراق، یمن اور دیگر اسلامی علاقوں سے وفد بھی آتے رہے جو آپ سے بیعت کرنے کی پیشکش کرتے اور یزیدی حکومت کے خلاف اپنے اتحاد کا اظہار کرتے تھے۔ بایں ہمہ امام حسینؑ ان لوگوں کی خواہش کو پورا کرنے کا ارادہ نہ رکھتے تھے، تاوقتیکہ آپ اصل حالات معلوم کرلیں اور ان لوگوں کو اس طرح آزمالیں کہ جس میں کسی الجھاؤ کی گنجائش نہ ہو۔ چنانچہ آپ نے اپنے چچازاد بھائی مسلم بن عقیل کو شہر کوفہ بھیجا۔ وہ آپ کے نزدیک قابل اعتماد اور علم، عقل اور شجاعت میں سب سے برتر تھے۔ آپ نے ان کو ہدایت کی کہ اگر وہ اہل کوفہ کو ان کے خطوں کے مطابق پائیں تو اس بات

سے آپ کو مطلع کر دیں، پھر ان کے بعد آپ بھی وہاں پہنچ جائیں گے۔

بعض روایتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ مسلم بن عقیل اپنے اس سفر کو کوئی نیک فال نہیں سمجھ رہے تھے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ اہل عراق اپنی بات سے کس طرح پلٹ جاتے تھے۔ جیسا کہ وہ ان کے چچا امیر المومنین امام علیؑ کے ساتھ اپنے پیمان سے منحرف ہو گئے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ امیر المومنینؑ یہ تمنا کرنے لگے تھے کہ ان کو موت یا قتل کے ذریعے ایسے غداروں سے چھٹکارا مل جائے۔ اسی طرح ان لوگوں نے ان کے عم زاد بھائی امام حسنؑ کے ساتھ بھی بے وفائی کی اور ان کو مجبور کر دیا تھا کہ وہ معاویہ کے حق میں حکومت سے دستبردار ہو جائیں۔ مسلم بن عقیل نے اس معاملے میں امام حسینؑ کے سامنے وضاحت بھی پیش کی لیکن آپ نے ان کو اس مہم سے الگ نہ ہونے دیا۔ چنانچہ وہ کوفہ روانہ ہو گئے۔ گو اب بھی وہ اس مہم کو بدشگونی پر محمول کر رہے تھے۔ بعد میں جب ان کے دونوں رہبر راستہ بھول گئے اور ان میں سے ایک پیاس کی شدت سے مر گیا تو انہوں نے ایک بار پھر امام حسینؑ کو لکھا کہ انہیں اس مہم پر جانے سے معذور سمجھا جائے لیکن آپ نے ان پر زور دیا کہ وہ کوفہ کی جانب اپنا یہ سفر جاری رکھیں۔ چنانچہ انھوں نے اپنے اس سفر کو جاری رکھا۔ یہاں تک کہ کوفہ میں داخل ہو گئے۔ وہاں کے لوگوں نے کشادہ دلی سے ان کا استقبال کیا اور وہ مختار بن ابوعبیدہ ثقفی کے یہاں مہمان ٹھہرے۔ وہیں وہ لوگوں سے ملاقاتیں کرتے اور امام حسینؑ کے مقاصد کی تشہیر کرتے رہے۔ چنانچہ جن لوگوں نے امامؑ کی تا مرگ بیعت کا اقرار کیا، ان کی تعداد کم وبیش چالیس ہزار تک پہنچ گئی۔ اس زمانے میں نعمان بن بشیر، یزید کی طرف سے کوفے کا گورنر تھا۔ مؤرّخوں کا کہنا ہے کہ وہ امن پسند تھا، تفرقے سے نفرت کرتا تھا اور سکون کو ترجیح دیتا تھا۔ اسی وجہ سے اس پر کمزوری اور بدنظمی کا الزام عائد کیا جاتا تھا۔ چنانچہ اس کے کچھ

ساتھی جو یزید کے حامی تھے' انھوں نے کوشش کی کہ اس کو مسلم بن عقیل کے ساتھیوں سے بھڑا دیں لیکن اس نے سختی اور درشتی کے ساتھ حالات کا مقابلہ کرنے سے انکار کر دیا۔

لوگوں کو امام حسینؓ کی طرف دعوت دیئے جانے کا سلسلہ کوفہ اور اس کے نواح میں پھیلتا رہا۔ چنانچہ لوگوں میں آپ کا اس قدر چرچا ہو گیا کہ اب وہ نعمان اور اس کے حاشیہ برداروں کو شاق گزرنے لگا۔ چنانچہ بنی امیہ کے کسی بہی خواہ نے مسلم بن عقیل کی تحریک اور نعمان بن بشیر کی کمزور پالیسی کی خبر یزید تک پہنچا دی۔ اس نے اپنے خط میں لکھا کہ: اگر آپ کو عراق پر حکومت کرنے میں ذرا بھی دل چسپی ہے تو یہاں کسی ایسے آدمی کو بھیجئے کہ جس کے ارادے' قوت اور پختگی پر آپ کو بھروسہ ہو۔ اس خط کے ملنے پر یزید نے اپنے ساتھیوں سے مشورہ کیا۔ اس موقع پر اس کے باپ کے ایک قریبی ساتھی سرجون رومی نے کہا: تمہارا کیا خیال ہے' اگر اس وقت معاویہ تمہارے سامنے آ جائیں اور تم کو مشورہ دیں تو کیا تم اس پر عمل کرو گے؟ اس نے کہا: ہاں! میں ان کے مشورے پر ضرور عمل کروں گا۔ تب اس نے ایک خط نکالا جو معاویہ نے اپنی وفات کے وقت سرجون کے حوالے کر دیا تھا۔ وہ خط اس بارے میں تھا کہ اگر ضرورت پڑے تو عبیداللہ بن زیاد کو کوفہ کا گورنر مقرر کر دیا جائے۔ پس یزید نے اس خط کے مضمون پر عمل کرنے میں ذرا بھی پس وپیش نہ کی اور اسی وقت ابن زیاد کو حکم بھیج دیا کہ کوفہ جا کر اقتدار سنبھالے اور وہاں کو معاملات کو درست کرے۔ اس نے یہ امر اسی پر چھوڑ دیا کہ وہ جس کو مناسب سمجھے بصرہ میں اپنی جگہ مقرر کر دے۔ نیز اس کو یہ حکم بھی دیا کہ اگر اس میں اللہ اس کی مدد کرے تو وہ مسلم بن عقیل کو قتل کر دے' پھر امام حسینؑ سے بھی جنگ کرے اور ہو سکے تو ان کو بھی قتل کر دے اور ان کا سر میرے پاس بھیج دے۔ یہ خط ملتے ہی ابن زیاد نے بصرے کی امارت اپنے ایک مددگار

کے سپرد کردی اور تھوڑے سے آدمیوں کے ساتھ روانہ ہوگیا۔ یہاں تک کہ وہ اپنا بھیس بدلے اور منہ کو چھپائے ہوئے کوفہ میں داخل ہوا۔ تب وہ لوگ اس کو حسینؑ بن علیؑ سمجھ رہے تھے۔ چنانچہ جب وہ اہل کوفہ کے کسی گروہ کے قریب سے گزرتا تو وہ اس کو کشادہ دلی سے خوش آمدید کہتے۔ پھر ہر طرف سے یہ آوازیں بلند ہوتی تھیں کہ اے فرزند رسولؐ! خوش آمدید، آپ کو ہزار بار خوش آمدید، یہاں آپ کی تشریف آوری اور قیام مبارک ہو، لیکن وہ اس وقت خاموش تھا اور بالکل بولتا نہ تھا۔ کسی کو سلام بھی کرتا تو صرف اشارہ ہی کر دیتا تھا لیکن وہ غصے اور جلن سے کھول رہا تھا جس میں ہر گھڑی اضافہ ہوا جا رہا تھا۔ یہاں تک کہ وہ گورنر کے محل پر جا پہنچا، لیکن نعمان نے امام حسینؑ کے حامیوں کے خوف سے اس کا دروازہ بند کر رکھا تھا۔ چنانچہ اس نے دروازہ کھولنے سے انکار کر دیا، اور کہنے لگا: اے فرزند رسولؐ! خدا کی قسم میں آپ سے جنگ نہیں کروں گا تاوقتیکہ آپ مجھ سے جنگ نہ کریں لیکن میرے لئے یہ جائز نہیں کہ اپنے فرائض کی ادائیگی میں کمی کروں۔ پس آپ یہاں سے تشریف لے جایئے اور کوفہ میں جہاں چاہیں قیام فرمایئے۔ خدا کی قسم جب تک آپ مجھ سے دور رہیئے گا، میں آپ سے جنگ نہ کروں گا۔ اب تو عبیداللہ اپنے غصے پر قابو نہ رکھ سکا کیونکہ وہ دیکھ رہا تھا کہ عوام محل کے راستے میں حائل ہیں اور امام حسینؑ کے نام کے نعرے لگا رہے ہیں۔ اس نے یہ بھی دیکھا کہ کوفہ کا گورنر لوگوں سے الگ اپنے قصر میں بند ہے۔ اب اس کے بس میں کچھ نہیں ہے اور اس پر اتنا خوف طاری ہے کہ جس سے اس کی روح اس کے جسم سے مفارقت کر جائے۔ تب اس نے کہا: دروازہ کھولو، ورنہ میں خود ہی کھول لوں گا۔ میں عبیداللہ بن زیاد ہوں! تمہارے فرمانروا نے مجھ کو اس شہر کا حاکم بنا کر بھیجا ہے۔

مسلم بن عقیل کے ساتھ غداری

جیسے ہی نئے گورنر نے قصر میں قدم رکھا اور اقتدار سنبھالا' اس کے ساتھ ہی اس نے مسلم کے بارے میں سوچنا شروع کر دیا۔ پھر اس نے نتائج سے بے پروا ہو کر لوگوں کو متفرق کرنے اور مسلم کو گرفتار کرنے کے لئے ہر قسم کی تدابیر بروئے کار لانا شروع کر دیں۔ ادھر بات کی بات میں ابن زیاد کے کوفہ آنے کی خبر ہر طرف پھیل گئی۔ وہاں کے لوگ اس کی طبیعت کی درشتی' ارادے کی پختگی اور سخت گیری سے پہلے ہی واقف تھے لہٰذا فطری طور پر ان لوگوں کی صفوں میں ہلچل پڑ گئی جو مسلم بن عقیل کی قیادت میں یزید کے طرز عمل کی مخالفت کر رہے تھے۔ ان حالات میں مسلم نے امام حسینؑ کے حق میں اپنی تحریک کو آگے بڑھانے کے لئے ایک نیا راستہ اختیار کیا۔ چنانچہ اب وہ ہانی بن عروہ کے مکان میں منتقل ہو گئے اور اپنی سرگرمیوں کو چند خاص افراد کے سوا سب سے پوشیدہ رکھنے لگے۔ ادھر ابن زیاد نے اپنے خاص داؤ پیچ سے ان کی تلاش شروع کر دی۔ چنانچہ وہ اپنی ایک تدبیر کو کام میں لا کر مسلم بن عقیل کے خفیہ مرکز کا سراغ لگانے میں کامیاب ہو گیا۔ ہانی اس زمانے میں بنی مراد کے سردار تھے اس لئے کوفہ میں ان کی بات سنی اور ان کی رائے مانی جاتی تھی۔ یہیں سے وہ واقعات ظاہر ہونے لگے جو مؤرّخوں میں مشہور ہیں۔ کیونکہ ان کا تعلق اسی واقعہ کربلا سے ہے جو اپنے وقوع پذیر ہونے کے وقت سے تمام آنے والی نسلوں میں برابر مرکز گفتگو ہے اور اہل بیتؑ سے وابستگی کا نمایاں نشان بنا رہا ہے۔ مزید یہ کہ جب تک صفحۂ ہستی پر ایسے افراد کا وجود باقی ہے جو بہادری کے کارناموں' عظیم قربانیوں اور مثالی کرداروں کی قدر کرتے ہیں جن کے عملی نمونے امام حسینؑ نے پیش کر دکھائے' یہ تاریخ انسانی کا ممتاز

ترین اور سب سے زیادہ سبق آموز واقعہ مانا جاتا رہے گا۔ لیکن اس خیال سے کہ یہاں میں اپنے قاری کو زیادہ دیر تک روکے نہ رہوں، میں اس مرحلہ سے جلد گزر جاؤں گا جس میں سید الشہداء امام حسینؑ نے اپنی زندگی کے اٹھاونویں (۵۸) سال کو ختم فرمایا جو کُل کی کُل نیکی، جہاد، عطاء اور ہر معنی سے شرافت، فضیلت اور عظمت سے بھرپور تھی۔

بات ہو رہی تھی ابن زیاد کی، چنانچہ جب یہ نیا گورنر حیلے بہانے سے ہانی بن عروہ کو گرفتار کرنے میں کامیاب ہو گیا، جنہوں نے امام حسینؑ کے سفیر (مسلم بن عقیل) کو پناہ دی، ان کی اچھی مہمانداری کی اور رائے اور تدبیر میں ان کے ساتھ شریک رہے تھے۔ اس نے ان کو گرفتار کرنے کے بعد قتل کر دیا اور ان کی لاش قصر کے اوپر سے عوام الناس کی جانب پھینک دی جو وہاں چاروں طرف سے ہجوم کیئے ہوئے تھے۔ اس سے لوگوں پر خوف طاری ہو گیا اور وہ میدان چھوڑ کر بھاگنے لگے۔ چنانچہ ہر شخص اپنے اپنے گھر کی طرف چل دیا اور کسی کو اس معاملے کی پروا ہی نہ رہی۔

جب مسلم بن عقیل کو معلوم ہوا کہ ہانی پر کیا گزری اور یہ کہ مذحج ایسا با وسیلہ قبیلہ بھی ان کو چھوڑ کر چلا گیا ہے تو وہ اپنے ساتھیوں کو لیکر اٹھ کھڑے ہوئے۔ ان کے منادیوں نے لوگوں میں اس کا اعلان کر دیا اور وہ ان سب کے ساتھ گورنر کے محل کا محاصرہ کرنے کو چل پڑے۔ ابن زیاد اس محاصرے کی ابتدا میں تو سخت پریشان ہوا، لیکن پھر اپنے حیلے بہانوں سے اس پریشانی سے نکلنے اور لوگوں کو مسلم بن عقیل سے گریزاں کر دینے میں کامیاب ہو گیا۔ چنانچہ سب لوگ ان کا ساتھ چھوڑ کر چلے گئے۔ جب نماز مغرب کا وقت آیا تو انھوں نے ان چند آدمیوں کے ساتھ نماز ادا کی جو ان کے ساتھ رہ گئے تھے۔ لیکن جب آپ مسجد سے باہر تشریف لائے تو آپ بے یار و مددگار اور تن تنہا رہ گئے تھے، کوئی ان کو راستہ بتانے

والا بھی نہ تھا۔ مزید یہ کہ لوگوں نے ان پر اپنے گھروں کے دروازے بھی بند کر رکھے تھے۔ چنانچہ وہ اس تلاش میں چلے کہ کسی گھر میں ان کو آج رات کے لئے پناہ مل جائے۔ وہ رات کی تاریکی میں ادھر ادھر پھر رہے تھے کہ ایک مکان کے دروازے پر ان کو ایک عورت کھڑی نظر آئی جیسے وہ کسی کے انتظار میں تھی۔ انہوں نے اس سے اپنا تعارف کرایا اور اس کے یہاں رات گزارنے کی خواہش ظاہر کی۔ اس نے خوش دلی سے ان کو اپنے گھر میں بلا لیا اور کھانا پیش کیا لیکن انھوں نے کچھ نہ کھایا۔ اتنے میں اس عورت کے لڑکے کو وہاں آپ کے مقیم ہونے کی خبر لگ گئی جبکہ ابن زیاد نے ان کے متعلق خبر دینے والے کے لئے انعام مقرر کر رکھا تھا۔ چنانچہ صبح ہوتے ہی وہ لڑکا گورنر کے محل میں گیا اور محمد بن اشعث کو مسلم بن عقیل کی جائے قیام کی خبر دیدی۔ جیسے ہی ابن زیاد کو یہ خبر پہنچی' اس نے اپنے بہت سے سپاہیوں کو محمد بن اشعث کی قیادت میں اس مکان کی طرف روانہ کر دیا جس میں مسلم بن عقیل پناہ گزیں تھے۔ انہوں نے ٹاپوں کی آواز سنی تو سمجھ گئے کہ لوگ ان کی تلاش میں آ پہنچے ہیں۔ چنانچہ آپ اپنی تلوار لے کر اس گھر سے نکلے اور ان کی طرف بڑھے وہ دوسو سے کچھ اوپر سپاہی تھے جنہوں نے گھر کو ہر طرف سے گھیر لیا تھا۔ پھر بھی وہ اکیلے مسلم سے شکست کھا کر بھاگ نکلے۔ ان کے اس طرح کمزوری دکھانے پر ابن زیاد نے ان کی کمک کے لئے مزید سوار اور پیادے بھیج دیے۔ پھر تو ان کے اور ابن زیاد کے سپاہیوں کے درمیان سڑکوں پر خونریز مقابلہ ہوا جس میں ان لوگوں نے مسلم پر بلند مقامات سے آگ اور پتھر برسائے۔ تاہم انہوں نے جنگ سے ہاتھ صرف اس وقت روکا جب ابن اشعث نے ان کو امان دینے کا وعدہ کیا۔

اب وہ ان کے ساتھ گورنر کے محل گئے لیکن جب ابن زیاد کے پاس پہنچے تو انہوں نے اس کو سلام نہیں کیا۔ اس کے بعد دونوں میں بڑی دیر تک گفتگو ہوتی رہی، جس میں مسلم بن عقیل پوری آزادی، جرأت اور استدلال سے باتیں کرتے رہے۔ یہاں تک کہ ابن زیاد عاجز ہو کر رہ گیا اور اس کی رگیں پھول گئیں۔ تب وہ علیؑ، حسنؑ اور حسینؑ کو بُرا کہنے پر اتر آیا۔ پھر اس نے اپنے سپاہیوں کو حکم دیا کہ مسلم کو محل کی چھت پر لے جا کر قتل کر ڈالو اور ان کی لاش لوگوں کے سامنے اوپر سے نیچے پھینک دو اور اس کو کوفہ کی سڑکوں پر خوب گھسیٹو۔ اس کے بعد مسلم بن عقیل کی لاش کو بھی ہانی بن عروہ کی لاش کے برابر میں پھانسی پر لٹکا دو۔ افسوس کہ یہ سب کچھ ہوتا رہا اور اہل کوفہ سڑکوں پر اس طرح کھڑے رہے گویا ان کو مسلم کے معاملہ کا کوئی علم ہی نہیں ہے۔

فرزدق نے اس کے متعلق یہ اشعار کہے ہیں:

''اگر تم نہیں جانتے ہو کہ موت کیا ہے تو سرِ بازار ہانی بن عروہ اور مسلم بن عقیل کی لاشوں کو دیکھو۔ ہاں تم اس نوجوان کو دیکھو کہ جس کا رنگ موت نے بدل ڈالا ہے اور اس کو بھی دیکھو کہ جس کو قتل کرنے کے بعد سولی پر چڑھایا گیا ہے۔ اگر تم لوگ اپنے بھائی کے خون کا بدلہ نہیں لے سکتے ہو تو اس عورت کی طرح بیٹھ رہو جو ذرا سی چیز پر راضی ہو جاتی ہے''۔

مسلم بن عقیل نے ابن اشعث سے خواہش کی تھی کہ کوفہ میں یہ جو کچھ ہوا ہے وہ امام حسینؑ کو اس کی اطلاع دیدے اور ان سے کہدے کہ آپ ان لوگوں کے پاس نہ آئیں۔

ابن اشعث نے ان سے اس کا وعدہ بھی کرلیا تھا لیکن اس نے اپنا وعدہ پورا نہیں کیا۔

امام حسینؑ کی مکہ سے عراق روانگی

اب ہم تھوڑی دیر کے لئے کوفہ چھوڑ کر جہاں ابن مرجانہ (عبیداللہ ابن زیاد) ظلم وستم کرنے میں مصروف ہے اور امام حسینؑ کے دوستوں کو چن چن کر نکال رہا ہے، مکہ واپس چلتے ہیں تا کہ جہاں تک ممکن ہو انتہائی اختصار کے ساتھ امامؑ کے کربلا کی جانب سفر کا مطالعہ کریں۔ اس المیہ کی خاطر جوان تمام قربانیوں میں زیادہ حیرت خیز مانا جاتا ہے جو انسان نے ماضی اور حال میں پیش کی ہیں اور جو آج تک ایک ایسا زندہ مثالی واقعہ بنا ہوا ہے کہ جس پر امامؑ کے چاہنے والوں، نیز دوسروں نے بھی دسیوں کتابیں لکھی ہیں۔

جیسا کہ ہم پچھلے صفحات میں بیان کر چکے ہیں، امام حسینؑ مکہ میں آغاز شعبان سنہ ۶۰ ہجری میں فروکش ہوئے جبکہ آپ سے چند روز قبل عبداللہ بن زبیر بھی وہاں پہنچ چکے تھے، اس لئے کہ مؤرخوں کے بیان کے مطابق وہ بھی یزید کے اقتدار سنبھالنے پر نالاں تھے۔ تاہم ابن زبیر کو امام حسینؑ کا مکہ میں موجود ہونا بُرا لگ رہا تھا کیونکہ وہ خوب سمجھتے تھے کہ جب تک امام حسینؑ یہاں موجود رہیں گے لوگ میری طرف متوجہ نہ ہوں گے اور نہ ہی وہ مجھے کوئی اہمیت دیں گے۔ وہ یہ بھی جان رہے تھے کہ لوگ کسی بھی شخص کو امام حسینؑ کے برابر نہ مانیں گے۔ پھر بھی جب تک امام حسینؑ مکہ میں قیام پذیر رہے، عبداللہ بن زبیر آپ کی صحبت سے علیحدہ نہیں ہوئے اور مسلسل آپ سے ہم کلام ہوتے اور آپ کی باتیں سنتے رہے۔ جب ان کو اہل کوفہ کے خطوں کے آنے کا علم ہوا تو انھوں نے امامؑ کو ان کی دعوت

قبول کرنے اور وہاں تشریف لے جانے کا مشورہ دیا اور کہا: میرے پاس آپ کے انصار جیسے لوگ ہوتے تو میں ان کی دعوت کو قبول کرنے میں ایک لمحہ بھی تامل نہ کرتا۔ پھر اس خیال سے کہ امام حسینؑ ان کی یہ بات کہنے کا بُرا نہ مانیں، خود اپنے لئے بھی اس کو پسند کیا اور تمنا ظاہر کی کہ کاش! آپ کے انصار جیسے میرے بھی انصار ہوتے۔ مزید کہا کہ اگر آپ چاہیں تو اٹھیں ہم آپ کی بیعت کرتے ہیں اور تا مرگ آپ کا ساتھ دینے کو تیار ہیں۔

تاہم امام حسینؑ پر ان کے اندرونی خیالات، نیز ان کی فریب کاری، غداری اور نفاق چنداں پوشیدہ نہ تھا۔ جیسا کہ اپنی تحریک میں اس طرح کے لوگوں سے مدد لینے کا نتیجہ آپ سے مخفی نہ تھا۔ علاوہ ازیں آپ اپنے موقف پر پورا وثوق رکھتے تھے کیونکہ آپ نے اس کی شرائط اور اس کے نتائج کے ہر پہلو کو سمجھ کر قدم آگے بڑھایا تھا۔

امام حسینؑ نے ملاحظہ فرمالیا تھا کہ یزید کی بیعت کر لینا اسلام کے لئے ایسا خطرہ تھا کہ جس کی تلافی ممکن نہ تھی۔ آپ نے یہ بھی دیکھ لیا تھا کہ سبھی لوگوں کی نظریں آپ پر لگی ہوئی تھیں اور وہ اس معاملے میں آپ کے فیصلے کے منتظر تھے۔

آپؑ اہل عراق کی کیفیت کو بھی دوسرے لوگوں سے زیادہ جانتے تھے کیونکہ آپؑ کے والد بزرگوارؑ اور برادر عالی قدرؑ کو ان کی غدّاری اور بے وفائی کا تلخ تجربہ ہو چکا تھا۔ آپؑ کو یہ توقع نہیں تھی کہ وہ لوگ یزید اور اس کے ساتھیوں کے خلاف جنگ میں آپ کی مدد کریں گے۔ لیکن آپؑ یزید ایسے ظالم فرمانروا کے ساتھ نیاز مندانہ طرز عمل اختیار نہیں کرنا چاہتے تھے، اس پر خواہ آپؑ اور آپؑ کے بچے قتل ہو جائیں اور آپؑ کی عورتیں قیدی بنائی جائیں۔ تاکہ لوگوں کے ذہنوں میں یہ خیال جاگزیں نہ ہو کہ جس اسلام کی نمائندگی امام حسینؑ کر رہے ہیں، وہ اسی قسم کی فرمانروائی پیش کرتا ہے۔

چنانچہ آپؑ نے نتائج سے بے پروا ہوکر عراق جانے کا فیصلہ کرلیا۔ ادھر مسلم بن عقیل نے آپؑ کو جلدی آنے کے لئے لکھا اور بتلایا تھا کہ کس طرح لوگوں نے میرا خیر مقدم کیا ور آپؑ کو بسرعت پہنچنے پر اصرار کیا تھا' جبکہ یزید اور اس کے ساتھی بھی کوفہ کے واقعات سے باخبر تھے۔ چنانچہ انھوں نے حج کے موقع پر اپنے سپاہی مکہ بھیجے تا کہ وہ امام حسینؑ کو بہر حال قتل کردیں' خواہ آپؑ غلاف کعبہ ہی میں پناہ گزیں ہوں' لیکن آپؑ کو اس بات کا علم ہوگیا۔ تب آپؑ نے فوراً حج کو عمرہ میں بدل کر احرام کھول دیا اور ۸/ذی الحجہ کو مکہ سے روانہ ہوگئے ' تا کہ آپ کہیں خانہ کعبہ میں قتل نہ کردیئے جائیں' آپؑ کا خون ضائع نہ ہوجائے اور پھر اس سے وہ نتیجے حاصل نہ ہوسکیں' جو بعد میں آپؑ کے قتل ہونے سے حاصل ہوئے کہ جن سے ظالموں اور جفا کاروں کے کرداروں کی سیاہی واضح ہوگئی۔

اگر یزید کے سپاہی آپ کو چھپ کر قتل کردینے میں کامیاب ہوجاتے جیسا کہ آپ سے پہلے اس کے باپ کے ہاتھوں آپ کے والد بزرگوار کے ساتھ ہوا تھا جبکہ وہ مسجد میں نماز ادا فرما رہے تھے تو وہ لوگ یہی مشہور کردیتے کہ امام حسینؑ کسی خارجی کی تلوار سے مارے گئے۔ اس طرح وہ آپ کے خون سے بری الذمہ ہوجاتے جیسا کہ آپ کے والد بزرگوار کے خون سے بری ہوگئے۔ پھر ان کا یہی قول عام ہوجاتا اور تاریخی حقیقت کے طور پر مان لیا جاتا۔

وہ روایات جو یہ بیان کرتی ہیں کہ امام حسینؑ مکہ سے چلے گئے تھے' ان سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ جس صبح کو آپ روانہ ہوئے اس سے پہلے کی رات میں آپ نے اپنے بھائی محمد بن حنفیہ سے فرمایا: میرے بھائی! مجھ کو یہ اندیشہ تھا کہ یزید کے سپاہی مجھ کو خانہ کعبہ ہی میں دھوکے سے قتل کرڈالیں گے' جس سے مقدس گھر کی حرمت زائل ہوجائے گی۔

جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں کہ ذی الحجہ کی آٹھویں تاریخ کو امام حسینؑ نے عمرہ کے لئے احرام باندھا اور خانۂ کعبہ کا طواف فرمایا' صفا اور مروہ کے مابین سعی کی اور اپنے سر کے بال منڈوا دیئے۔ اس کے بعد آپ نے احرام کھول دیا اور اپنے سگے اور چچیرے بھائیوں' بھتیجوں اور اپنے اصحاب اور اپنی خواتین کو لے کر مکہ سے روانہ ہو گئے۔ چنانچہ عام لوگ تو اس روز عرفات کی طرف رواں تھے اور آپ مکہ سے عراق کی طرف تشریف لے جا رہے تھے۔ اس موقع پر ابوبکر بن عبدالرحمٰن بن حارث بن ہشام مخزومی نے اہل کوفہ کی غداری اور بے وفائی کا حوالہ دیا اور آپ کو عراق جانے سے منع کیا۔ اس نے آپ کو یہ مشورہ بھی دیا کہ آپ ان لوگوں سے کنارہ کش رہیں لیکن آپ نے رکنے سے انکار فرما دیا اور اپنی راہ چلتے رہے۔ اسی طرح عبداللہ بن عباس نے بھی اہل عراق کی غداری کا ذکر کیا اور آپ کے والد بزرگوار اور برادر عالی قدر کے ساتھ ان کی پچھلی سیاہ کاریاں یاد دلائیں' لیکن آپ اپنی رائے پر قائم رہے۔ تب ابن عباس نے آپ سے کہا: اگر میں یہ سمجھتا کہ آپ کا دامن پکڑ کر اور گردن میں بازو ڈال کر رو کے رہنے اور چیخ چیخ کر لوگوں کو اپنے گرد جمع کر لینے سے آپ میرا کہنا مان لیں گے تو میں ضرور ایسا کرتا۔ اس پر امام حسینؑ نے ارشاد کیا: ارے بھائی اس معاملے میں اللہ اپنا فیصلہ صادر کر چکا ہے۔ پس اب اس پر عمل کرنا ضروری ہے۔

ابن عباس مایوس ہو گئے اور آپ سے رخصت ہوتے ہوئے رو پڑے۔ جب امام حسینؑ کے پاس چل دیئے تو راستے میں ان کو عبداللہ بن زبیر مل گئے۔ ابن عباس نے ان سے کہا کتنے خوش قسمت آدمی ہو تم' کہ تمہارے لئے فضا صاف ہو گئی۔ دیکھو! حسینؑ وہ جا رہے ہیں' اب تم خوشیاں مناؤ اور مزے اڑاؤ۔

آپ کو کوفہ جانے سے باز رہنے کا مشورہ دینے اور آپ کو اہل کوفہ کی غداری اور نفاق

سے آگاہ کرنے والے صرف ابن عباس ہی نہ تھے بلکہ عبداللہ بن جعفر، محمد بن حنفیہ اور پھر عبداللہ بن مطیع نے بھی آپ کو یہی مشورہ دیا۔ چنانچہ جب عبداللہ ابن جعفر کی آپ سے مکہ کے باہر ملاقات ہوئی تو انہوں نے کہا:

''میں آپ کو اسلام کی حرمت کی خاطر اللہ کا واسطہ دیتا ہوں۔ میں آپ کو قریش کی بزرگی اور عرب کے وقار کی قسم دیتا ہوں۔ اگر آپ بنی امیہ سے ان کا اقتدار لینا چاہیں گے تو وہ ضرور آپ کو قتل کر ڈالیں گے۔ اگر انہوں نے آپ کو قتل کر دیا تو پھر وہ کسی سے نہ ڈریں گے۔ پس آپ کوفہ نہ جائیے اور بنی امیہ کا سامنا نہ کیجئے''۔

آپ کو عراق نہ جانے کا مشورہ دینے والوں میں عبداللہ بن عمر بھی تھے۔ جب انھوں نے سنا کہ امام حسینؑ مکہ سے روانہ ہو گئے ہیں تو وہ فوراً سوار ہوئے اور آپ سے ملنے چلدیئے یہاں تک کہ وہ ایک منزل پر آپ سے جا ملے اور پھر کہنے لگے: اے فرزند رسولؐ! کہاں کا ارادہ ہے؟ آپ نے فرمایا: عراق کا! اس پر وہ بولے کہ آپ اپنے نانا کے مقدس وطن کو لوٹ جائیے، لیکن آپ نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا۔ جب انہوں نے عراق جانے پر آپ کا اصرار ملاحظہ کیا تو کہنے لگے: اے ابوعبداللہ! ذرا وہ جگہ مجھ کو دکھائیے کہ جہاں رسول اکرمؐ آپ کو بوسہ دیا کرتے تھے۔ پس امام حسینؑ نے اپنے بدن کی وہ جگہ ان کے سامنے کر دی۔ انہوں نے تین بار اس جگہ پر بوسہ دیا اور رو کر کہنے لگے: اے ابوعبداللہ! میں آپ کو اللہ کے سپرد کرتا ہوں۔

وہ لوگ جو امامؑ کو مکہ میں مقیم رہنے کا مشورہ دے رہے تھے، ان کے جواب میں آپ نے آخری بات یہ فرمائی کہ آپ کا مکہ میں یا کہیں اور جا کر رہنا، آپ کو امویوں کے چنگل

سے نجات نہ دے گا کیونکہ وہ لوگ آپ کے پیچھے پڑے رہیں گے کہ یا تو یزید کی بیعت کرلیں یا قتل کر ڈالے جائیں' یہاں تک کہ راوی کے بقول اگر آپ پاتال میں بھی چلے جائیں گے تو وہ بھی آپ کے پیچھے وہاں پہنچ جائیں گے۔

پس امام حسینؑ کا قافلہ عراق کی سمت چلتا رہا۔ وہ ان لوگوں کو اپنے پیچھے چھوڑ گیا جو آپ کو حجاز میں قیام کی رائے دے رہے تھے۔ ادھر یہ لوگ بھی آپ کے بارے میں بے چین تھے اور آنکھیں لگائے ہوئے تھے کہ دیکھیں ان سرکشوں کے ہاتھوں آپ پر کیا گزرتی ہے۔ امامؑ چلے جارہے تھے کہ راستہ میں فرزدق شاعر سے ملاقات ہوگئی۔ جب آپ نے ان سے اہل کوفہ کا حال دریافت کیا تو انھوں نے کہا: اے فرزند رسولؐ! آپ واپس مکہ تشریف لے چلئے کیونکہ ان لوگوں کے دل تو آپ کی طرف ہیں لیکن ان کی تلواریں بنی امیہ کا ساتھ دینے والی ہیں' لیکن کیا کیا جائے کہ ہر فیصلہ آسمان سے صادر ہوتا ہے اور اللہ جو چاہتا ہے وہی کرتا ہے۔ اس پر امام حسینؑ نے ان سے کہا: جو اللہ کا فیصلہ ہے وہ ہو کر رہے گا۔ پھر آپ کا قافلہ اپنے راستے پر رواں رہا۔ جب آتا جاتا کوئی شخص مل جاتا تو آپ اس سے اہل عراق کے متعلق دریافت فرماتے تھے' یہاں تک کہ مسلم بن عقیل اور ہانی بن عروہ کا قتل ہونا اور اس کے قبل و بعد کے واقعات آپ کو معلوم ہوگئے۔ (تاریخ طبری' ج ۶' ص ۲۱۶۔۲۱۷)

وہ بیشتر روایات جو امام حسینؑ کے سفر کربلا کو بیان کرتی ہیں' ان سے معلوم ہوتا ہے کہ جب آپ نے منزل ثعلبیہ پر قیام فرمایا تو غروب آفتاب کے قریب آپ سے بنی اسد کے دو آدمی آکر ملے اور آپ کو مسلم اور ہانی کے قتل کی اطلاع دی۔ اس پر آپ نے کئی بار

"ان للّٰہ وانا الیہ راجعون "۔(سورۂ بقرہ آیت ۱۵۶) کی تلاوت فرمائی۔تب ان دونوں نے آپ کی خدمت میں عرض کیا کہ ہم خود آپ کی اور آپکے عیال کی سلامتی کے لئے اللہ کا واسطہ دے کر کہتے ہیں کہ آپ یہاں سے واپس چلے جایئے کیونکہ کوفہ میں آپ کا کوئی دوست اور مددگار نہیں ہے۔اس پر بنو عقیل تڑاخ سے بولے کہ ہم اپنے خون کا بدلہ لیئے بغیر ہرگز نہ ٹلیں گے یا پھر ہم بھی مسلم کی طرح مارے جائیں گے۔تب امام حسینؑ نے ان کے چہروں پر نظر ڈال کر فرمایا: ان عزیزوں کے قتل ہوجانے کے بعد زندگی میں کوئی لطف نہیں رہے گا۔ان دونوں کا بیان ہے کہ پھر ہم سمجھ گئے کہ آپ کا ارادہ پختہ ہے اور آپ ہرگز واپس نہ ہوں گے۔

آپ کے بعض اصحاب نے آپ سے کہا: بخدا! آپ مسلم بن عقیل کی طرح نہیں ہیں اگر آپ کوفہ پہنچیں گے تو لوگ تیزی سے آپ کے پاس آجائیں گے لیکن منزل زبالہ میں آپ کو عبداللہ بن یقطر کے قتل کی اطلاع بھی ملی، جن کے ہاتھ آپ نے مسلم بن عقیل اور کوفہ کے کچھ لوگوں کو خط بھیجا تھا۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب تک آپ کو مسلم بن عقیل کے مارے جانے کی خبر نہیں پہنچی تھی۔ چنانچہ حصین بن نمیر نے عبداللہ بن یقطر کو قادسیہ سے گرفتار کر کے عبیداللہ بن زیاد کے پاس بھیج دیا تھا۔اس نے ان کو حکم دیا کہ تم منبر پر جا کر حسینؑ اور ان کے والد پر لعنت کرو۔ پھر اتر آنا تا کہ میں تمہارے متعلق فیصلہ کروں لیکن عبداللہ نے منبر پر جا کر معاویہ، یزید بن معاویہ اور عبیداللہ بن زیاد پر لعنت کی اور کہا: اے لوگو! میں تمہاری طرف حسینؑ بنت فاطمہؑ بنت رسول اللہؐ کا یہ پیغام لے کر آیا ہوں کہ تم ان کی نصرت کرو اور ابن مرجانہ کے خلاف ان کا ساتھ دو۔اس پر عبیداللہ کے حکم سے ان کو محل کے اوپر سے گرا دیا

گیا جس سے ان کی ہڈیاں چور چور ہو گئیں۔ پھر ایک شخص نے آ کر ان کو ذبح کر دیا، جس پر لوگوں نے اس کو بہت کچھ برا بھلا کہا۔

تاریخ طبری میں ہے کہ جب امام حسینؑ کو مسلم، ہانی اور ابن یقطر کے قتل کی خبر ملی اور معلوم ہوا کہ کوفہ شہر اب بنی امیہ کے حق میں پوری طرح آمادہ ہے تو آپ نے اپنے اہل خاندان اور ان تمام عربوں کے سامنے تقریر فرمائی جو راستے میں آپ کے ساتھ ہو گئے تھے۔ آپ نے ان کو اہل کوفہ کی حالت سے آگاہ کیا اور بتایا کہ انہوں نے ہمارا ساتھ چھوڑ دیا ہے۔ اس کے بعد فرمایا: تم میں سے جو کوئی جانا چاہے آزاد ہے، ہمارا اس پر کوئی ذمہ نہیں ہے۔ چنانچہ عام لوگ آپ کے سامنے سے اٹھ اٹھ کر دائیں اور بائیں کو چل پڑے۔ یہاں تک کہ آپ کے ساتھ صرف وہ ساتھی رہ گئے جو آپ کے ساتھ مدینہ سے آئے تھے۔ آپ نے یہ اس لئے کیا کہ آپ جان رہے تھے کہ جو لوگ راستہ سے آپ کے ساتھ ہو لئے تھے ان کا خیال تھا کہ آپ ایک ایسے مقام کی طرف تشریف لے جا رہے ہیں جہاں کے لوگ آپ کی اطاعت پر قائم ہیں۔ پس آپ نے اس بات کو ناپسند فرمایا کہ وہ لوگ اس خیال سے آپ کے ساتھ چلیں۔ کیونکہ آپ ایک ایسے خطرے کی طرف پیشقدمی فرما رہے تھے جس کے مقابلے میں صرف وہی افراد ٹھہر سکتے تھے جو آخرت کو دنیا پر ترجیح دیتے ہوں اور سرکشوں اور ظالموں کے ساتھ زندگی گزارنے کو بدبختی کا موجب قرار دیتے ہوں۔

امام حسینؑ اپنے مخلص اصحاب، اہل خاندان اور بھائیوں کے ہمراہ اپنی راہ پر رواں تھے۔ اتنے میں آپ نے اور آپ کے اصحاب نے دیکھا کہ کچھ سائے ان کی طرف بڑھتے چلے آ رہے ہیں۔ بعضوں نے ان سایوں کو کوفہ کے باغات اور درخت خیال کیا۔ تب امام حسینؑ نے ان سایوں کو غور سے دیکھا جو آپ کے قافلے کے قریب ہوتے جا رہے تھے۔ آپ نے

فرمایا: نہ یہ کوفہ ہے نہ اس کے باغات' جیسا کہ تم لوگ سمجھ رہے ہو' بلکہ یہ گھوڑوں کی گردنیں' نیزوں کی انیاں اور لشکریوں کے جسم ہیں۔ پھر چند ہی لمحوں کے بعد قافلے والوں پر عیاں ہوگیا کہ جو سائے ان کی طرف بڑھے آ رہے تھے۔ وہ ایک ہزار سوار ہیں' جن کو عبیداللہ بن زیاد نے حر بن یزید ریاحی کی سرکردگی میں اس حکم کے ساتھ بھیجا تھا کہ امام حسینؓ کا راستہ روک لے اور ان کو اپنے ساتھ چلنے پر مجبور کرے۔ جب وہ سوار امام حسینؑ کے قافلے کے قریب پہنچ گئے تو ان لوگوں نے ان سے دریافت کیا کہ وہ کس غرض سے آئے ہیں۔ اس پر حر نے ان سے کہا: ہم کو یہ حکم ملا ہے کہ ہم تمہارے ساتھ لگے رہیں اور تم کو ایسی جگہ ٹھہرنے پر مجبور کریں' جہاں نہ پانی ہو اور نہ کوئی جائے پناہ۔ دوسری صورت یہ ہے کہ تم لوگ یزید اور عبیداللہ بن زیاد کی فرمانبرداری قبول کرلو۔ اس پر طرفین کے درمیان طویل گفتگو ہوئی لیکن وہ کسی ایسے نتیجے پر نہ پہنچ سکے جو دونوں کے لئے قابل قبول ہو کیونکہ حر اس پر راضی نہ ہوا کہ امام حسینؑ حجاز واپس چلے جائیں یا اس راستے پر گامزن رہیں جو کوفہ جاتا تھا۔ ادھر امام حسینؑ اس پر تیار نہ تھے کہ یزید اور ابن زیاد کے سامنے سر جھکا دیں۔ چنانچہ جب حر نے سب کے ساتھ نماز ادا کرلی تو امام حسینؑ نے ایک تقریر فرمائی جس میں آپ نے کہا: میں تمہاری طرف صرف اس وقت آیا ہوں جب تمہارے خطوط مجھ کو ملے' بلکہ تمہارے خط اور قاصد لگاتار میرے پاس آتے رہے لیکن اگر تم مجھ کو ناپسند کرتے ہو تو میں اس پر تیار ہوں کہ حجاز واپس چلا جاؤں یا اللہ کی زمین پر موجود دوسرے علاقوں کی طرف نکل جاؤں۔ پھر آپ نے عقبہ بن سمعان کو حکم دیا کہ وہ ان لوگوں کے خط لاکر دکھائے۔ اس پر حر نے آپ سے کہا: اے ابوعبداللہ! ہم میں سے کسی نے یہ خط آپ کو نہیں لکھے ہیں۔

بعدازاں قافلہ اپنے راستے پر چلتا رہا لیکن حر اسے کوفہ جانے سے روکنے کی کوشش

کرتا رہا۔ اور امام حسینؓ کے انصار یہ کوشش کرتے رہے کہ اس کو جنگ پر اکسائیں اور اسی جنگل میں ہی اس کو مقابلہ آزمائی پر مجبور کر دیں' اس معاملے میں زہیر بن قین بہت پیش پیش تھے۔ چنانچہ انہوں نے امام حسینؓ کی خدمت میں عرض کیا: ہمارے لئے ان لوگوں سے اس وقت لڑ لینا زیادہ آسان رہے گا' بہ نسبت اس کے کہ ان کے علاوہ دوسروں سے لڑا جائے' لیکن امام حسینؓ نے اس تجویز کو ناپسند فرما دیا' کیونکہ ان لوگوں نے آپ سے جنگ کا اعلان نہیں کیا تھا' لہٰذا آپ نے فرمایا کہ میں ان سے جنگ میں ابتدا نہ کروں گا۔ ابھی ان لوگوں کو اس وسیع صحرا میں چلتے ہوئے چند ہی دن گزرے تھے جبکہ حر امام حسینؓ کے ساتھ ساتھ چلا آ رہا تھا۔ اس دوران وہ آپ کو بنی امیہ کے ساتھ جنگ کرنے سے ڈراتا اور آپ کو اہل کوفہ کی آپ کے والد بزرگوار اور برادر عالی قدر کے ساتھ غداری اور بے وفائی کا حوالہ دیتا رہا تھا۔ ادھر کوفہ سے عمر بن سعد ایک لشکر لے کر نکلا جس کی تعداد بعض روایات میں تیس ہزار اور بعض نے اس سے بھی زیادہ بیان کی ہے۔ تیسری روایت یہ ہے کہ ابن زیاد نے کوفہ اور اس کے اطراف کے تمام لوگوں کو امام حسینؓ سے جنگ کرنے کا حکم دیدیا تھا۔ اس نے ان کو یہ دھمکی دی کہ جو کوئی بھی ہتھیار بندی کے قابل ہوا اور وہ امام حسینؓ سے جنگ کرنے کو نہ آیا تو اس کو قید یا قتل کر دیا جائے گا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ قید خانے امام حسینؓ کے دوستوں سے بھر گئے اور ان میں سے کچھ لوگ روپوش بھی ہو گئے۔ البتہ بنی امیہ کے ساتھی نیز لالچی اور مصلحت پرست افراد امام حسینؓ سے جنگ کرنے کے لئے نکل کھڑے ہوئے اور کوفہ میں ایسے لوگوں کی تعداد کچھ زیادہ ہی تھی۔ البتہ اس لشکر کی تعداد پانچ ہزار بتانے والی روایت' جو بعض لوگوں نے گڑھ لی ہے' ایک طرف تو وہ مرسل ہے' یعنی اس کے راویوں کا سلسلہ کٹا ہوا ہے۔ پھر وہ حالات جو ایسے واقعات سے متعلق ہوتے ہیں' وہ بھی اس کی تائید نہیں

کرتے کیونکہ کوئی بھی شخص ان تمام امکانات اور حالات کا مطالعہ کیئے بغیر اس روایت کو قبول نہیں کرسکتا۔ خصوصاً ایسا شخص جو اہل کوفہ کی قلابازیوں اور تلوّن مزاجیوں سے واقف ہو۔

بہرحال کوفہ سے آنے والے لشکروں نے امام حسینؑ کا راستہ روک لیا اور آپ کو مجبور کیا کہ آپ کربلا میں ایسے مقام پر فروکش ہوں جو جنگ کے نقطۂ نظر سے نامناسب اور پانی سے دور ہو۔ پھر عبیداللہ بن زیاد کے احکام کے مطابق ان لوگوں نے امام حسینؑ پر شدت کرنا شروع کردی اور وہ آپ کے اور پانی کے درمیان حائل ہوگئے۔ جب امام حسینؑ نے ان کی کثرت تعداد ملاحظہ فرمائی اور دیکھا کہ اگر آپ یزید بن معاویہ کی اطاعت قبول نہیں کرتے تو یہ لوگ آپ سے جنگ ضرور کریں گے۔ تب آپ نے رسول اکرمؐ کا عمامۂ مبارک زیب سر فرمایا اور اپنے ہتھیار لگا کر ناقہ پر سوار ہوئے اور ان کے لشکر کے اتنے قریب جا پہنچے کہ وہ لوگ آپ کو سن سکیں۔ چنانچہ اللہ کی حمد کے بعد آپ نے ان لوگوں کے بھیجے ہوئے خطوں اور ان کے پیمان کے بارے میں ان سے سوال و جواب فرمائے، لیکن ان لوگوں نے آپ کی باتوں کو جھٹلایا۔ تب آپ نے وہ خط منگوائے جو دو بڑے تھیلوں میں بھرے ہوئے تھے۔ وہ آپ نے ان لوگوں کے سامنے پھیلا دیے۔ اب آپ نے نام لے لے کر ان لوگوں کو آواز دی جنہوں نے وہ خط لکھے تھے اور نصرت کے عہد و پیمان کئے تھے۔ وہ سب چپ ہو رہے اور انہوں نے آپ کے جواب میں کچھ نہیں کہا۔ اس کے بعد آپ نے ان لوگوں سے دریافت فرمایا کہ وہ کیوں آپ کے قتل کے درپے ہیں؟ کیا انکا کوئی خون آپ کے ذمہ ہے یا آپ نے ان کا کوئی مال چھین لیا ہے یا آپ نے اسلام میں کسی بدعت کو رواج دیا ہے۔ پھر آپ نے لوگوں کے نام لے لے کر دریافت کرنا شروع کیا کہ کیا وہ آپ کے علاوہ صفحۂ ارض پر اپنے نبیؐ کی بیٹی کے کسی اور بیٹے سے آگاہ ہیں۔ کیا انہوں نے

آپ کے نانا یعنی نبی کو یہ کہتے نہیں سنا ہے کہ حسنؑ اور حسینؑ اہل جنت کے سردار ہیں۔ آپ نے مزید کہا کہ اگر تم نے خود رسول اکرمؐ سے نہیں بھی سنا ہے تو آج مسلمانوں میں وہ لوگ موجود ہیں کہ اگر تم ان سے پوچھو گے تو وہ تم کو بتائیں گے کہ نبیٔ اکرمؐ نے یہ حدیث بارہا بیان فرمائی۔ جیسے جابر بن عبداللہ انصاری، زید بن ارقم ہیں اور ان کے علاوہ بھی آپ نے متعدد نیک عمل صحابہ کے نام گنائے۔ آپ نے اپنی تقریر ختم کرتے ہوئے فرمایا: پھر بھی اگر تم اپنے خطوں سے انکار کرتے ہو تو مجھ کو وہیں چلے جانے دو جہاں سے میں آیا ہوں۔ یا میں اللہ کی وسیع زمین پر کہیں چلا جاؤں گا یا میں کسی سرحد پر جا کر کفار سے جنگ کرتا ہوں، یہاں تک کہ مر جاؤں۔ آپ نے یہ سب کچھ اتمام حجت کے لئے فرمایا تھا۔

تاہم ان لوگوں نے ان میں سے کوئی بات بھی نہ مانی بلکہ اپنی سرکشی اور باطل پرستی پر اڑے رہے۔ پھر انہوں نے وہی جواب دیا جو اہل مدین نے اپنے نبی کو دیا تھا، جس کو قرآن نے اس طرح بیان کیا ہے:

''وہ کہنے لگے کہ ہم تمہاری بیشتر باتوں کو سمجھ ہی نہیں رہے ہیں اور ہم تم کو کمزور پاتے ہیں''۔
(سورۂ ہود آیت ۹۱)

پس اگر آپ ابن زیاد کے آگے جھک جائیں تو وہ آپ کے متعلق فیصلہ کر دے گا۔ ورنہ ہم آپ سے ایسی جنگ کریں گے کہ جس کا کم سے کم نتیجہ یہ ہوگا کہ سر کٹ کٹ کر گرتے ہوں گے اور ہاتھ پیر جدا ہوں گے۔

امام حسینؑ رنجیدہ ہو کر اپنے خیام کی طرف واپس آ گئے۔ تب آپ نے اپنے اصحاب سے فرمایا: یہ لوگ جنگ پر اصرار کر رہے ہیں اور ان کا نشانہ میرے علاوہ کوئی اور نہیں ہے۔ اگر وہ مجھ پر غالب آ جائیں گے تو ان کو تم سے کوئی سروکار نہ ہوگا۔ پس جب رات ہو جائے

تو تم میں سے ہر ایک ایسی جگہ پر چلا جائے جہاں اس کو امن حاصل ہو۔ تم مجھ کو اور ان ظالم لوگوں کو یہاں چھوڑ جاؤ۔

لیکن آپ کے باوفا اصحاب اور پاکباز اہل خاندان نے آپ سے مفارقت اختیار کرنا اور اپنی جانوں کو آپ سے زیادہ عزیز رکھنا گوارا نہیں کیا۔ وہ سب آپ سے وابستہ ہو گئے' حالانکہ آپ نے ان کے سامنے حالات کی صحیح تصویر پیش فرما دی تھی۔ اگرچہ کسی دوسرے کے لیئے اپنی جان دینا سب سے بڑی قربانی ہے۔ پھر بھی ان لوگوں نے ایک زبان ہو کر آپ سے کہا: ہم آپ سے جدا ہرگز نہ ہوں گے اور نہ آپ کے سامنے شہید ہونے کے بجائے آپ کے بعد اس دنیا کی زندگی کو پسند کریں گے۔ ان میں سے کسی نے آپ سے کہا: اے ابوعبداللہ! قسم بخدا اگر مجھے معلوم ہو جائے کہ میں قتل کر دیا جاؤں گا' پھر زندہ ہو جاؤں گا' پھر قتل ہو جاؤں گا اور یہ عمل میرے ساتھ ستر مرتبہ کیا جائے گا لیکن اس طرح آپ اور آپ کے اہل وانصار اس یزیدی گروہ کے چنگل سے بچ جائیں گے تو میں اس کو گوارا کرنے میں ذرا بھی تامل نہ کروں گا۔ آپ کے اصحاب اور اہل خاندان نے ایسے ہی باہم ملتے جلتے الفاظ کہے۔ جنگ کرنے کا پختہ ارادہ ظاہر کیا اور آپ کے سامنے شہادت حاصل کرنے کو اپنی خوش بختی قرار دیا۔

حر بن یزید ریاحی پر امام حسینؑ کے کلمات اور ان کے صحیح موقف کا اتنا اثر ہو چکا تھا کہ وہ اپنے سابق طرز عمل پر نادم ہو گئے۔ وہ کبھی اپنے گھوڑے کو امام حسینؑ کے لشکر کے قریب لے آتے اور کبھی اس سے دور لے جاتے۔ ان کے چہرے پر رنج اور پریشانی کے آثار نمایاں تھے۔ یہاں تک کہ ان کے ایک ساتھی نے ان سے کہا: قسم بخدا! میں نے تم کو کبھی ایسی حالت میں نہیں دیکھا تھا' بلکہ اگر مجھ سے پوچھا جاتا کہ اہل کوفہ میں سب سے بہادر کون

ہے تو میں تم کو نظر انداز نہ کرتا۔ اب حر نے اس سے اپنے دل کی کیفیت بیان کر دی اور کہا: سچ تو یہ ہے کہ اس وقت میں اپنے لئے جنت و جہنم اور دنیا و آخرت کے مابین فیصلہ کر رہا ہوں۔ کسی بھی عقلمند کے لئے مناسب نہیں ہے کہ وہ آخرت اور جنت پر کسی دوسری چیز کو ترجیح دے۔ اس کے بعد انہوں نے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور امام حسینؑ کے خیمہ کے دروازے پر جا کھڑے ہوئے۔ امامؑ باہر تشریف لائے تو حر ادب سے جھک گئے اور آپ کے ہاتھوں پر بوسہ دے کر آپ سے معافی مانگنے لگے۔ اس کے بعد کہنے لگے: میرے آقا! وہ میں ہی ہوں کہ جس نے آپ کو اس جگہ آنے پر مجبور کیا اور واپس جانے سے روک دیا۔ اگر مجھ کو یہ معلوم ہوتا کہ یہ لوگ آپ کے ساتھ یہ کچھ کریں گے تو میں ہرگز ایسا نہ کرتا' تو کیا اب میری توبہ قبول ہو سکتی ہے؟ امامؑ نے فرمایا: ہاں! ہاں! اللہ تمہاری توبہ قبول فرمالے گا۔ وہ بڑا بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔ اس پر حر نے آپ سے کہا: میں توبہ کا صرف یہی مطلب سمجھتا ہوں کہ آپ کے سامنے جنگ کرتے ہوئے آپ پر نثار ہو جاؤں۔ یہ کہہ کر وہ میدانِ دغا میں چلے گئے' جہاں وہ خوب لڑے' پھر لوگوں نے ان کو گھیر لیا اور قتل کر ڈالا۔

امام حسینؑ اور عمر بن سعد کے مابین گفتگو اور تبادلۂ خیالات ہو رہا تھا۔ بالآخر یہ طے ہوا کہ امام حسینؑ مکہ واپس چلے جائیں' یا اللہ کی وسیع زمین پر کسی اور جگہ فروکش ہو جائیں' چنانچہ عمر بن سعد نے عبید اللہ بن زیاد کو لکھا کہ وہ اس سمجھوتے کو منظور کر لے۔ اس پر اس نے کہا: اس وقت جبکہ وہ پوری طرح ہمارے چنگل میں آ گئے ہیں تو اب وہ بچ کے نکل جانا چاہتے ہیں۔ نہیں قسم بخدا ہرگز ایسا نہیں ہوگا۔ بس اب تو ان کو اسیری کی حالت میں' ذلت کے ساتھ میرے پاس آنا ہوگا۔ پھر چاہوں تو میں ان کو معاف کر دوں اور چاہوں تو ان کو قتل کر دوں۔ یہی کچھ اس نے ابن سعد کو بھی لکھ بھیجا۔ جس وقت اس نے یہ خط پڑھا تو کہنے لگا: لیکن جب

تک حسینؑ کے پہلو میں ان کے باپ کا دل ہے وہ ہرگز اس پستی کو قبول نہ کریں گے۔

چنانچہ جب آپ کو ان مذاکرات کی ناکامی کا علم ہوا تو آپ نے ایسی زندگی پر کہ جس میں عبیداللہ بن زیاد کا قیدی بننا ہو' موت کو ترجیح دی اور فرمایا: قسم بخدا! میں ہرگز تمہارے سامنے ذلیل بن کر نہ جاؤں گا اور نہ غلاموں کی طرح سر جھکاؤں گا۔ ہاں میں ان حالات میں موت کو خوش بختی اور ظالموں کے ساتھ زندہ رہنے کو بد بختی تصور کرتا ہوں۔

ابن زیاد نے عمر بن سعد کو حکم دیا کہ نویں محرم سنہ ۶۱ ھ کو اپنے تمام ساتھیوں کو لے کر امام حسینؑ پر حملہ کر دے۔ چنانچہ ان لوگوں نے اسی روز شام کے وقت امام حسینؑ کے خیموں کی طرف یلغار کر دی۔ جبکہ آپ کو اور آپ کے ساتھیوں کو ان کے اس اچانک حملے کا خیال تک بھی نہ تھا۔ تاہم امام حسینؑ اور آپ کے ساتھی شیروں کی طرح اپنے خیموں سے باہر نکل آئے لیکن امامؑ نے یہ ارادہ کیا کہ ان سے ایک رات کی مہلت حاصل کر لیں۔ پس آپ نے اپنے بھائی عباسؑ کو ان لوگوں کے پاس بھیجا' لیکن ابن سعد نے اگلی صبح تک کی مہلت دینے سے انکار کر دیا۔ جیسا کہ راوی کہتے ہیں' اس وقت عمرو بن حجاج زبیدی نے کہا: اے سبحان اللہ! قسم بخدا اگر یہ لوگ ترک و دیلم بھی ہوتے تو ہم ان کے ایسے سوال کو رد نہ کرتے اور مان لیتے۔ بہرحال اپنے سرداران لشکر کے ساتھ خاصی ردوبدل کے بعد عمر بن سعد نے آپ کو دسویں محرم کی صبح تک مہلت دے ہی دی۔

اس رات امام حسینؑ نے اپنے ساتھیوں کو جمع کیا اور حمد وثناء کرتے ہوئے فرمایا:

''اے اللہ! میں تیری حمد کرتا ہوں کہ تو نے ہم کو نبوت کا اعزاز عطا کیا۔ ہم کو قوت بصارت وسماعت وفہم عطا کی۔ ہم کو قرآن کی تعلیم دی اور دین کے احکام سکھائے۔ پس تو ہم کو اپنا شکر گزار بنا لے۔ امابعد میں نے اپنے اصحاب اور اپنے

اہل خاندان سے زیادہ نیک اور باوفا کسی کو نہیں پایا۔ اللہ تم سب کو بہترین جزا دے، لیکن تم کو معلوم ہونا چاہئے کہ یہ دشمن میرے علاوہ کسی اور کے درپے نہیں ہیں۔ میں تم سب کو چلے جانے کی اجازت دیتا ہوں۔ میری طرف سے تم آزاد ہو، تمہارے لئے نہ کوئی رکاوٹ ہے اور نہ تم پر کوئی ذمہ داری ہے۔ اس وقت رات کا اندھیرا تم پر پردہ کیئے ہوئے ہے، اسی تاریکی میں تم لوگ چلے جاؤ اور اپنے آپ کو بچالو"۔

اس پر آپ کے بھائیوں اور بیٹوں نے کہا: کیا ہم ایسا اس لئے کریں کہ آپ کے بعد زندہ رہیں، اللہ ہمیں ایسا دن کبھی نہ دکھائے۔ ان کے بعد آپ کے اصحاب بولے اور ایک زبان ہوکر کہا: قسم بخدا، اے ابوعبداللہ! ہم ہرگز آپ کو نہ چھوڑیں گے تا اینکہ ہم ان دشمنوں کے سینوں میں اپنے نیزے توڑ نہ ڈالیں۔ ہاں! جب تک ہمارے ہاتھوں میں تلواروں کے قبضے رہیں گے ہم ان کو مارتے رہیں گے۔ اگر ہمارے پاس ان سے لڑنے کے لئے ہتھیار نہ رہیں گے تو ہم ان کو پتھروں سے نشانہ بنائیں گے۔ یہاں تک کہ ہم آپ کے ساتھ شہید ہوجائیں۔ اس پر امام حسینؑ نے ان کا شکریہ ادا کیا۔ ان کے لئے جزائے خیر کی دعا کی اور پھر ان درجات کی بشارت دی جو اللہ نے ان کے لئے جنت میں مہیا کیئے ہیں۔

اس رات آپ اپنے خاص خیمہ میں تشریف فرما تھے اور ابوذر کے غلام جون آپ کی تلوار صاف کررہے تھے۔ اس وقت آپ کی زبان پر یہ اشعار جاری تھے:

"اے زمانے! تو کیسا خراب دوست ہے۔ تو ہر صبح وشام کیسے کیسے دوست اور ساتھی چھین لیتا ہے۔ یہ زمانہ کسی کا بدل لے کر مطمئن نہیں ہوتا۔ ہاں اصل فیصلہ تو اللہ کے ہاتھ میں ہے اور ہر زندہ اسی کے راستے پر رواں ہے"۔

آپ کی ہمشیرہ زینبؑ بنت علیؑ نے آپ کا یہ کلام سن لیا۔ ان سے رہا نہ گیا اور وہ اپنے دامن کو سنبھالتی ہوئی آئیں اور کہنے لگیں کہ: ہائے کیا مصیبت آ پڑی ہے۔ کاش! موت مجھ کو ختم کر دیتی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے گویا میری ماں فاطمہؑ میرے باپ علیؑ اور میرے بھائی حسنؑ آج ہی فوت ہوئے ہیں۔ اے بزرگوں کی یادگار اور ہماری زندگی کے سہارے بھائی حسینؑ! امامؑ نے ان کو دیکھا تو فرمایا: اے بہن! ایسا نہ ہو کہ شیطان آپ کو بے صبر بنا دے۔ پھر آپ نے ان کو اپنے بارے میں دلاسہ دیا۔ صبر کی تلقین فرمائی اور اپنے اہل وعیال کے بارے میں ان کو وصیتیں فرمائیں۔ پھر وہ رات آپ نے اور آپ کے اصحاب نے نمازیں ادا کرنے اور قرآن پڑھنے میں کاٹ دی۔ یہاں تک کہ صبح ہوگئی۔

محرم کی دسویں تاریخ کو صبح ہوتے ہی یزید کی فوج امام حسینؑ کے خیام پر حملہ آور ہوگئی۔ آگے آگے عمر بن سعد تھا۔ اس نے ایک تیر اپنی کمان کے چلے پر چڑھا کر امام حسینؑ کے خیموں کی طرف چلایا اور کہنے لگا: دیکھو! گورنر کے سامنے یہ گواہی ضرور دینا کہ حسینؑ اور ان کے اصحاب کی طرف سب سے پہلا تیر میں نے چلایا ہے۔ اب تو ہر طرف سے امام حسینؑ کے خیموں اور حرم سرا پر تیروں کی بارش ہونے لگی۔ تب امامؑ نے اپنے اصحاب کو یوں ابھارا: یہ تیر دشمنوں کے قاصد ہیں جو تمہاری طرف آ رہے ہیں۔ اس پر وہ لوگ خونخوار شیروں کی طرح نکل پڑے۔ ان کو نہ موت کا خوف تھا نہ دشمنوں کا ڈر تھا کیونکہ وہ صرف اللہ سے ملاقات کرنے کی آرزو رکھتے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا وہ اپنے ان درجات کو دیکھ رہے ہیں جو انبیاء، صدیقین اور اللہ کے دیگر صالح بندوں کے لئے مقرر کر دیئے گئے ہیں۔ ان میں سے جو بھی میدان میں جاتا اس کی زبان پر یہی آخری الفاظ ہوتے تھے: سلام ہو آپ پر اے ابوعبداللہ! بعدہ، وہ آپ کے اصحاب کو وصیت کرتا تھا کہ وہ بھی آپ پر

اپنی جان اور روح کو فدا کر دیں۔ اب طرفین مین جنگ زور پکڑ گئی۔ چنانچہ امام حسینؑ کا ہر ساتھی شہید ہونے سے پہلے دس بیس دشمنوں کو تہ تیغ کر دیتا تھا۔ تاہم چند ہی گھنٹوں میں باری باری ان سب کا خاتمہ ہو گیا۔ اب خود امام حسینؑ ان کے بھائی' بیٹے اور رشتہ دار رہ گئے۔ یہ لوگ جنگ کے لئے اس بہادری سے آگے بڑھے کہ جس کی مثال اس سے قبل دیکھنے اور سننے میں نہ آئی تھی۔ ان میں سے جو بھی قتل ہو جاتا امام حسینؑ اس کو جنگاہ سے لا کر اپنے مقتول اصحاب کے برابر لٹا دیتے تھے۔ حتی کہ وہ وقت بھی آ گیا کہ آپ کے بیٹے علی اکبرؑ جنگ کے لئے نکلے۔

راویوں کا کہنا ہے کہ آپ رفتار و گفتار میں رسول اکرمؐ سے بہت زیادہ مشابہت رکھتے تھے۔ چنانچہ کسی ہمعصر شاعر نے آپ کے بارے میں لکھا تھا:

''آنکھ نے آج تک آپ کا سا نہ پیدل چلنے والا دیکھا' نہ سوار....''۔

حضرت علی اکبرؑ کی رخصت کے وقت امام حسینؑ نے فرمایا: اے اللہ! اس قوم کے بارے میں گواہ رہنا کہ اب ان کے مقابلے کے لئے وہ جوان جا رہا ہے' جو صورت و سیرت میں تیرے رسولؐ کے ساتھ سب سے زیادہ مشابہ ہے' لہٰذا جب کبھی ہم تیرے رسولؐ کی زیارت کرنا چاہتے تھے' تو اس پر نظر ڈال لیا کرتے تھے۔ اے اللہ ان لوگوں سے دنیا کی برکتیں سلب کر لے۔ ان میں باہمی تفرقہ اور آپس کی جدائی پیدا کر دے۔ ان کو متعدد گروہوں میں تقسیم کر دے اور ان میں کبھی محبت قائم نہ ہونے دے۔ جیسا کہ راوی بیان کرتے ہیں کہ آپ نے عمر بن سعد کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا: اللہ تجھ کو تیرے قرابتداروں سے اسی طرح جدا کر دے جس طرح تو نے میرے جگر پاروں کو ذبح کیا ہے۔ تو نے رسول اکرمؐ سے میری قرابت کا کوئی لحاظ نہیں کیا ہے۔ پھر علی اکبر نے دشمن پر حملہ کیا اور نامور بہادروں کی طرح جنگ کرتے رہے'

یہاں تک کہ یزیدیوں میں سے دوسو افراد کو قتل کر ڈالا جیسا کہ ان روایات سے ظاہر ہوتا ہے جن میں معرکۂ کربلا کا بیان آیا ہے۔

امام حسینؑ کی طرف سے آپ کے بھائیوں اور اہل خاندان میں سب سے بڑے جنگ آزما عباس بن علیؑ تھے۔ وہ خود اور ان کے تین بھائی جوان سے پہلے شہید ہوئے وہ سب ایک ہی ماں سے تھے کہ جن کا نام فاطمہ بنت حزام تھا اور وہ ام البنین کہلاتی تھیں۔ جب امام حسینؑ کے اصحاب، بھائیوں اور بیٹوں میں سے کوئی اور باقی نہ رہا تو حضرت عباسؑ نے امامؑ کی خدمت میں حاضر ہو کر دشمن سے لڑنے کی اجازت طلب کی۔ امامؑ ان کو گلے لگا کر روئے اور پھر اجازت مرحمت فرمادی۔ حضرت عباس اہل کوفہ پر حملہ کرتے تو وہ اس طرح بھاگنے لگتے جیسے خونخوار بھیڑیئے کے سامنے سے بکریاں بھاگتی ہیں۔ آپ نے دشمنوں کو اس کثرت سے تہ تیغ کیا کہ اہل کوفہ چلا اُٹھے۔ جب آپ شہید ہوگئے تو امام حسینؑ نے یہ الفاظ ادا فرمائے: اب تو میری کمر ٹوٹ گئی۔ میری راہ مسدود ہوگئی اور میرے دشمن خوش ہوگئے۔

ایک روایت میں ہے کہ امام حسینؑ اور حضرت عباسؑ ایک ساتھ جنگ کے لئے آگے بڑھے۔ وہ دونوں جس طرف بھی رخ فرماتے صفیں الٹ کر رکھ دیتے۔ جس رسالہ کی طرف جاتے وہاں کشتوں کے پشتے لگ جاتے۔ بالآخر دشمن ان دونوں بھائیوں کے مابین حائل ہونے میں کامیاب ہوگئے۔ تب انہوں نے ایک درخت کے پیچھے چھپ کر حضرت عباسؑ پر حملہ کیا اور ان کو قتل کر ڈالا۔ اب امام حسینؑ تنہا رہ گئے تھے۔ چنانچہ دشمن کے جتھے آپ پر ٹوٹ پڑے۔ حمید بن مسلم نے آپ کی جنگ کو بیان کیا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ میں نے کوئی ایسا شخص نہیں دیکھا کہ جس کے برادر، فرزند، رشتہ دار اور مددگار قتل کئے جا چکے ہوں اور وہ آپ سے زیادہ دلیر، زورآور اور جنگ آزما ہو۔ آپ یکہ و تنہا ہوتے ہوئے بھی ان پر بڑھ بڑھ کر حملے

کررہے تھے لیکن وہ اپنی تیس ہزار کی تعداد کے باوجود بھی آپ کے سامنے سے ٹڈیوں کی طرح پراگندہ ہوجاتے۔اس پر آپ اپنے خیام اور یزیدی لشکر کے درمیان آ کھڑے ہوتے تھے۔اس وقت آپ کی زبان پر یہ کلمات جاری تھے:

"لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم"۔

ابن سعد نے جب یہ حال دیکھا تو اس نے اپنے لشکر کو حکم دیا کہ وہ آپ پر پتھر برسائیں اور تیروں کی بارش کریں ۔ چنانچہ ہر طرف سے آپ پر تیر اور پتھر پڑنے لگے۔یہاں تک کہ آپ نڈھال ہوگئے ۔اس مرحلے پر شمر بن ذی الجوشن نے اپنے ساتھیوں کو لے کر آپ کے خیام کا رخ کیا' جس سے وہاں عورتوں اور بچوں کی آوازیں بلند ہوگئیں۔تب آپ نے فرمایا: وائے ہو تم پر اے آل ابوسفیان کے ساتھیو! اگر تمہارا کوئی دین نہیں ہے اور تم کو قیامت کے دن کا کوئی خوف نہیں ہے تو دنیا کے غیرت داروں ہی کا سا طریقہ اختیار کرو اور اگر تم اپنے خیال میں عرب ہو تو بھی اپنے بزرگوں کے راستے پر چلو۔ ارے لڑائی تو میرے اور تمہارے درمیان ہو رہی ہے' اس لئے عورتوں پر اس کی کوئی ذمہ داری نہیں ہے۔پس جب تک میں زندہ ہوں' تم میرے اہل حرم کو ستانے سے باز رہو۔ امام حسینؑ کی اس ملامت کو سنکر وہ لوگ آپ کے خیام سے تو ہٹ آئے لیکن اس کے ساتھ ہی انہوں نے آپ کو تیروں' نیزوں اور پتھروں سے مارنا شروع کر دیا۔یہاں تک کہ آپ نیزوں' تلواروں' تیروں اور پتھروں کے زخموں سے چور ہوکر گر پڑے ۔پھر وہ ظالم اور ستمگار آپ تک پہنچ گئے جبکہ آپ موت کو گلے لگانے کے لئے تیار تھے۔پس شمر نے آپ کا گلا کاٹ دیا اور آپ راہِ خدا میں شہید ہوگئے۔

ابن حجر نے صواعق میں بیان کیا ہے کہ قتل حسینؑ کے وقت اللہ کا غضب اس طرح ظاہر ہوا

کہ آسمان تیرہ وتار ہوگیا اور دن میں ستارے نظر آنے لگے۔ پھر عذاب خدا ہر شخص پر نازل ہوا جو آپ کے قتل میں شریک تھا۔ وہ مزید کہتے ہیں:

''کیا وہ قوم جس نے حسینؑ کو قتل کیا' قیامت کے روز ان کے نانا کی شفاعت کی امید کرسکتی ہے؟''۔

مقریزی نے سرّی سے روایت کی ہے کہ جب امام حسینؑ قتل ہوگئے تو آسمان نے گریہ کیا اور آفتاب کو گہن لگ گیا۔ آسمان کا رونا اس کی شفق ہے۔ جیسا کہ علی بن میسرہ نے بیان کیا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ مجھ سے میری دادی نے بیان کیا کہ امام حسینؑ کے قتل کے دنوں میں وہ ابھی نوجوان تھی۔ تب کئی دن تک آسمان ایسے رہا گویا کہ وہ جما ہوا ہے۔ زہری سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا: مجھ کو بتایا گیا ہے کہ قتل حسینؑ کے روز بیت المقدس میں جو پتھر اٹھایا جاتا اس کے نیچے سے خون ابلتا تھا۔ دنیا تین روز تک تیرہ وتار رہی اور آسمان سے خون کی بارش ہوئی۔ ایسے ہی کچھ اور واقعات کے بارے میں بہت سی روایات ہیں لیکن ان کے راویوں کے سلسلے پورے نہیں ہیں۔ بہرحال اللہ کے لئے ایسے امور چنداں مشکل بھی نہیں' جبکہ ایسا کرنا اس کی مصلحت کے مطابق ہو۔

امام حسینؑ کی شہادت کے بعد دشمنوں نے آپ کے گھوڑے کا سامان اتار لیا۔ آپ کے خیموں کو تاراج کیا۔ عورتوں کی چادریں اور ان کے زیور چھین لئے۔ پھر ابن زیاد کی ہدایت پر عمر بن سعد نے دس سواریوں کو حکم دیا اور انہوں نے اپنے گھوڑوں کی ٹاپوں سے آپ کے جسد پاک کو پامال کرڈالا۔ اس کے بعد ان لوگوں نے مقتولین کے جسموں سے ان کے سروں کو کاٹ کر علیحدہ کیا' نیزوں پر بلند کیا' یہ سب اٹھہتّر (یا بہتّر) سر تھے جن کو ان قبیلوں کے لوگوں نے باہم بانٹ لیا جنہوں نے ان کے قتل میں شرکت کی تھی۔ اس کے بعد

عمر سعد کے حکم سے عورتوں کو بے کجاوہ اونٹوں پر ننگے سر سوار کرادیا گیا اور ان کو اس طرف سے لیجایا گیا جہاں ان کے عزیزوں کے سر بریدہ جسم ریت پر پڑے تھے۔ چنانچہ بی بی زینبؑ نے جب اپنے بھائی کے جسم کو نیزوں، تلواروں اور گھوڑوں کی ٹاپوں سے پارہ پارہ دیکھا تو اپنے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف بلند کر کے فرمایا: بارالٰہا! ہماری اس قربانی کو قبول فرمالے۔ غضب یہ تھا کہ ابن سعد نے اپنے مقتولین کو دفن کیا لیکن امام حسینؑ اور آپ کے اصحاب کو بیابان کربلا میں اسی طرح پڑا رہنے دیا۔ بیشتر روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ان شہیدون کا کفن دفن امام زین العابدینؑ کے ہاتھوں تین دن کے بعد تکمیل کو پہنچا تھا۔ مؤرخوں کا بیان ہے کہ جنگ ختم ہوجانے پر عمر ابن سعد سر ہائے شہداء کو کوفہ لے گیا۔ امام حسینؑ کا سر خولی بن یزید اصبحی کے پاس تھا۔ اس نے ابن زیاد کے محل کا دروازہ بند پایا تو وہ امام کے سر اقدس کو اپنے گھر لے گیا اور اس کو ایک برتن میں رکھ کر بستر پر چلا گیا۔ تب اس نے اپنی بیوی سے کہا کہ میں تیرے پاس دنیا کی ایک بڑی دولت لایا ہوں۔ دیکھ یہ سرِ حسینؑ تیرے پاس گھر میں موجود ہے۔

طبری کی روایت میں ہے کہ جب اس نے اپنی بیوی کو بتایا کہ وہ امام حسینؑ کا سر اقدس لایا ہے تو وہ بہت غصے ہوئی اور کہنے لگی: وائے ہو تجھ پر! لوگ تو سونا اور چاندی لے کر آتے ہیں اور تو رسولؐ کے بیٹے کا سر لے آیا ہے۔ قسم بخدا! اب کبھی میرا اور تیرا سر اس گھر میں اکٹھا نہ ہوں گے۔ یہ کہہ کر وہ اس کے پاس سے اٹھی اور گھر کی ایک جانب چلی گئی۔ پھر کہنے لگی: میں برابر ایک نور دیکھتی رہی جو اس برتن میں سے ایک ستون کی مانند بلند ہو رہا تھا اور میں نے کچھ سفید پرندے بھی اس کے چارون طرف اڑتے ہوئے دیکھے۔

روای بیان کرتے ہیں کہ ابن زیاد نے لوگوں کو عام اجازت دیدی کہ وہ محل میں

آجائیں جبکہ امام حسینؑ کا سر مبارک اس کے سامنے رکھا ہوا تھا۔ تب وہ آپکے دندان مبارک پر اپنی چھڑی لگائے جاتا تھا۔ زید بن ارقم نے یہ حال دیکھا تو بول اٹھے: ان ہونٹوں پر سے اپنی چھڑی ہٹالے، مجھے قسم ہے اس خدا کی کہ جس کے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے۔ میں نے بارہا رسول اکرمؐ کو انہیں پر بوسہ لیتے دیکھا ہے۔ اسکے بعد وہ دھاڑیں مار کر رونے لگے۔ اس پر ابن زیادہ نے ان سے کہا: اگر تم بڈھے نہ ہو گئے ہوتے اور تمہاری عقل مختل نہ ہوتی تو میں تم کو قتل کر ڈالتا۔ یہ سنکر وہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑے ہوئے اور یہ کہتے ہوئے چل پڑے: اہل کوفہ! آج سے تم غلام بن گئے ہو۔ تم نے حسینؑ کو قتل کر ڈالا اور اپنے اوپر ابن مرجانہ کو حاکم بنالیا ہے۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ ابن زیاد امام حسینؑ کے دندان منبارک پر چھڑی لگاتا اور یہ شعر پڑھتا جاتا تھا:

''ہم ایک ایسے شخص کا سر کچل رہے ہیں جو ہمارے لئے نہایت سخت نافرمان اور ظالم تھا''۔

اس موقع پر صحابیِ رسولؐ ابو برزہؓ موجود تھے۔ انہوں نے اس سے کہا: ابن زیاد! ایسا نہ کر کیونکہ میں نے ان دانتوں پر تیری چھڑی کی جگہ رسول اللہؐ کے ہونٹوں کو دیکھا ہے۔

جب قیدی ابن زیاد کے سامنے حاضر کیئے گئے تو جناب زینبؑ بنت علیؑ ایک جانب ہو گئیں اور خود کو اوٹ میں کر لیا۔ اس وقت ابن زیاد نے ان کی طرف متوجہ ہو کر پوچھا: یہ غیر معروف سی عورت کون ہے؟ آپ نے کوئی جواب نہ دیا۔ اس نے دوبارہ اور سہ بارہ یہی سوال کیا۔ آپ نے پھر بھی جواب نہیں دیا۔ اس پر اس کے درباریوں میں سے کسی نے اس سے کہہ دیا کہ یہ زینبؑ بنت فاطمہؑ بنت رسول اللہؐ ہیں۔ تب اس نے ان کی طرف دیکھ کر کہا:

اللہ کی حمد ہے، جس نے تم کو ذلیل کیا، تم کو قتل کرادیا اور تمہارے دعووں کو جھٹلا دیا۔ اس پر آپ نے فرمایا: ہاں حمد ہے اس اللہ کے لئے جس نے ہم کو اپنے نبی محمدؐ کے واسطہ سے عزت بخشی اور ہم کو برائیوں سے اچھی طرح پاک رکھا۔ ہاں! اے ابن مرجانہ! بے شک فاسق ذلیل ہوتا ہے اور بدکار جھوٹا ثابت ہوتا ہے اور وہ ہمارے علاوہ دوسرے لوگ ہیں۔ اس پر اس نے آپ سے کہا: تم نے دیکھا نہیں کہ اللہ نے تمہارے بھائی حسینؑ کے ساتھ کیا کیا؟ آپ نے فرمایا: میں نے تو بھلائی ہی بھلائی دیکھی ہے۔ اللہ نے ان لوگوں کا قتل ہونا مقدر کر دیا تھا۔ چنانچہ وہ اپنی جائے آرام پر پہنچ گئے۔ عنقریب اللہ تجھ کو اور ان کو ایک جگہ اکٹھا کرے گا، جہاں تو چیخ چیخ کر روئے گا۔ او ابن مرجانہ! تیری ماں تجھے روئے۔ پھر اس روز دیکھنا کہ کس کو کامیابی حاصل ہوتی ہے۔ اس بھرے دربار میں ثانی زہراءؑ کا یہ دوبدو جواب سن کر اس کو بہت غصہ آیا اور وہ آپ کو مارنے کا ارادہ کرنے لگا۔ اس پر عمرو بن حریث نے اس سے کہا: یاد رکھو کہ یہ ایک عورت ہیں اور عورتوں کو ان کی باتوں پر پکڑا نہیں جاتا۔ تب اس نے آپ کی تضحیک کرنے کے لئے پھر سے جلی کٹی باتیں کرنا شروع کیں اور بولا: اللہ نے تمہارے سرکش سردار حسینؑ اور تمہارے خاندان کے پُرغرور اور باغی افراد کے قتل سے میرے دل کو ٹھنڈا کر دیا ہے۔ اس وقت آپ کے دل پر چوٹ لگی، آپ رونے لگیں اور بولیں: قسم بخدا! تو نے ہمارے بڑوں کو قتل کر ڈالا، ہماری شاخوں کو کاٹ دیا اور ہماری جڑ کو اکھاڑ پھینکا۔ اگر یہ تیرے دل کے ٹھنڈا ہونے کا باعث ہوا ہے تو پھر ضرور تیرا دل ٹھنڈا ہو گیا ہے۔

اس نے امام علیؑ بن حسینؑ سے بھی اسی طرح کی سخت گفتگو کی تھی جس میں آپ نے اس کی سطوت سے کوئی خوف نہ کھایا اور نہ ہی آپ اس کے اقتدار سے ڈرے۔ اس پر مارے

غصے کے ابن زیاد کی رگیں پھول گئیں اور اس نے آپ کو قتل کرنے کا ارادہ کیا لیکن بی بی زینبؑ ان سے لپٹ گئیں اور ان کی بجائے خود مرنے پر تیار ہو گئیں۔ پھر اس سے کہنے لگیں: تو نے ہمارے جتنے خون کر ڈالے تمہارے لئے وہی بہت ہیں۔ اب اگر تو ان کو بھی قتل کرنا چاہتا ہے تو ان کے بجائے مجھے قتل کر دے۔ اس پر اس کے درباریوں میں سے کسی نے اس سے کہا کہ علیؑ بن حسینؑ کی بیماری ہی ان کی موت کے لئے کافی ہے۔ چنانچہ اس نے ان کو چھوڑ دیا اور کہنے لگا:

''کیسی عجیب محبت ہے کہ یہ بی بی ان کی بجائے مر جانے کی خواہشمند تھیں''۔

امام زین العابدینؑ اور بی بی زینبؑ کی ابن زیاد، یزید اور اہل کوفہ کے ساتھ گفتگو کے بارے میں روایوں نے بہت کچھ کہا ہے اور مؤلفین نے بھی امام حسینؑ کے عظیم اقدام اور واقعات کربلا کے سلسلے میں ان کا ذکر کیا ہے۔ البتہ میں نے بخوفِ طوالت یہاں آپ کی حیات طیبہ، عظیم قربانی اور اس کے بعد رونما ہونے والے واقعات میں سے صرف انہی چند پہلوؤں کے تذکرے پر اکتفا کی ہے۔

مختصر یہ کہ قتل حسینؑ نے عالم اسلام کو ہلا ڈالا اور لوگوں کے دلوں کو دہلا دیا۔ مسلمانوں کے دلوں کو اس سے جو صدمہ پہنچا وہ اس سے یہ سمجھے کہ گویا آفتاب کو گہن لگ گیا ہے۔ ستارے ٹوٹ کر تباہ ہو گئے ہیں۔ آسمان خون برسا رہا ہے اور ہر طرف سے جنوں کی غیبی آوازیں آ رہی ہیں کہ تم نے اپنے نبیؐ کے بیٹے کو مار ڈالا اور اپنے رسولؐ کی عترت کو تباہ کر دیا ہے۔ پس اب تم دنیا اور آخرت میں عذاب اور ذلت کا انتظار کرو۔ یہانتک کہ جب امویوں نے دنیا میں ادھر سے ادھر تک اس واقعہ کے بارے میں مسلمانوں کا ردعمل دیکھا اور اموی خاندان کے خلاف ان کا غم وغصہ ملاحظہ کیا تو وہ ندامت کا اظہار کرنے لگے اور کربلا کے تمام واقعات سے اپنی بریت کا

اعلان کرنے لگے۔ چنانچہ مروان کے سگے بھائی یحییٰ بن حکم نے یہ شعر کہہ ڈالے:

''کیا غضب ہے کہ ابن زیاد ایسے کمینے اور دو غلے حسب ونسب والے شخص کی قرابت دار سمیہ کی نسل کنکروں کی طرح پھیل جائے اور رسول اللہؐ کی بیٹی فاطمہؑ زہراؑء کی نسل فرات کے کنارے قطع ہو جائے''۔

اسی طرح معاویہ بن یزید بھی خوب رویا اور جب اس سے رونے کا سبب پوچھا گیا تو کہنے لگا: میں اس پر نہیں رو رہا ہوں کہ جو ہاتھ سے جاتا رہا بلکہ اس پر رنج کر رہا ہوں کہ اب بنی امیہ کے گناہوں میں میرے گناہ بھی شامل ہو جائیں گے۔

اس زمانے میں جو صحابی باقی تھے انہوں نے لوگوں کو بتلایا کہ: ہم نے خواب میں نبیؐ اکرمؐ کو دیکھا ہے کہ آپ کے گیسو غبار آلودہ ہیں اور آپ ہاتھ میں ایک شیشی لئے ہوئے ہیں جس میں خون ہے۔ تب ہم نے ان سے دریافت کیا تو آپ نے جواب دیا: میں نے حسینؑ کو قتل ہوتے دیکھا تو ان کا خون اس شیشی میں جمع کر لیا ہے۔ جس روز ان کے قاتل اپنے اللہ کے سامنے پیش کئے جائیں گے میں ان پر اس خون کا دعویٰ کروں گا۔

بنی امیہ پر مسلمانوں کے غصہ اور عتاب کی وجہ سے یزید بن معاویہ بھی مجبور ہو گیا کہ قتل حسینؑ کی ذمہ داری ابن زیاد پر ڈال دے۔ چنانچہ وہ کہنے لگا: اللہ ابن مرجانہ پر لعنت کرے۔ قسم بخدا کہ میں نے اس کو قتل حسینؑ کا حکم نہیں دیا تھا اور نہ اس پر راضی ہوا ہوں۔ اس نے میرے اوپر اتنا بڑا بوجھ ڈال دیا ہے جسے میں اپنی ہمت سے زیادہ محسوس کر رہا ہوں۔ قسم بخدا! میں تو دل سے چاہتا تھا کہ چاہے میں ہر چیز سے محروم رہ جاؤں لیکن حسینؑ قتل نہ ہوں۔

جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے کہ اس نے یہ اس وقت کہا جب اس کو یہ اطلاع پہنچی تھی کہ قتل حسینؑ سے تمام مسلمان بے قرار ہو گئے ہیں اور اب ملک کے مختلف علاقوں میں اس حکومت کے

خلاف شورش کی تیاریاں کررہے ہیں حالانکہ ان خبروں کے آنے سے پہلے اس نے ابن زیادہ کو اپنا مقرب بنایا اور اس کے اس ظلم پر اس کی تعریف وتوصیف کی تھی۔

امام حسینؑ کا سر اقدس

اس امر پر مؤرخوں کا اتفاق ہے کہ جب عبیداللہ ابن زیاد نے یزید کے حکم سے عمر بن سعد کو امامؑ سے جنگ کرنے کے لئے بھیجا تو اس کو ہدایت کی تھی کہ بعد شہادت وہ آپ کے اعضاء قطع کرڈالے اور آپ کا سر اقدس اس کے پاس بھیج دے۔ نیز یہ کہ عمر ابن سعد نے امام حسینؑ آپ کے اہل خاندان اور اصحاب کے اعضاء قطع کرکے ان کے سرہائے مبارک کوفہ بھیج دیے۔ پھر ابن زیاد نے ان کو قیدیوں کے ساتھ یا بعض روایات کے مطابق ان سے پہلے شام بھیج دیا۔ مزید یہ کہ ابن سعد نے اپنے مقتولین کو تو دفن کیا لیکن امام حسینؑ ان کے عزیزوں اور ان کے ساتھیون کی لاشوں کو میدان کربلا میں چھوڑ دیا۔ اسکے بعد امام حسینؑ حضرت عباس اور ان کے تمام ساتھیوں کے لاشیں انہی مقامات پر دفن ہوئیں جہاں اس وقت ان کے مزارات واقع ہیں۔ اس میں محدثین ومؤرخین میں سے کسی کو کوئی شک نہیں ہے۔

جیسا کہ ہم پہلے بیان کرچکے ہیں کہ ابن زیاد نے امام حسینؑ کا سر اقدس، دوسرے سروں کے ساتھ شام بھیج دیا جہاں یزید نے اس کو ایک طشت میں اپنے سامنے رکھوایا اور بعض راویوں کے بقول آپ کے دندان مبارک کو چھڑی سے ضربیں لگاتے ہوئے یہ اشعار پڑھنے لگا:

''کاش! بدر کی جنگ میں مارے جانے والے میرے بزرگ آج تلواریں لگنے سے خزرج کے لوگوں کی سراسیمگی دیکھتے۔ یقیناً وہ مارے خوشی کے جھوم جاتے' اپنے معبودوں کی حمد کرتے اور کہتے کہ اے یزید! تجھ کو کبھی زوال نہ ہو''۔

اس کے بعد آپ کے سر اقدس کو دفن کیا گیا لیکن کب اور کہاں؟ اس کے متعلق راویوں اور مؤرخوں کے متعدد اقوال ہیں۔ یہاں تک کہ بعض مؤرخین کے بیان کے مطابق اس بارے میں نو قول پائے جاتے ہیں۔ البتہ اکثر شیعہ اس روایت پر اعتماد کرتے ہیں کہ آپ کا سر اقدس بھی آپ کے جسدِ اطہر کے ساتھ کربلا میں مدفون ہے کیونکہ امام زین العابدینؑ نے اپنے والد کا سر یزید سے طلب فرمایا اور اس نے وہ ان کو دے دیا تھا۔ چنانچہ شام سے مدینہ جاتے ہوئے جب آپ کربلا سے گزرے تو آپ نے امام حسینؑ کے سر اقدس کو ان کے جسد اطہر کے ساتھ ہی دفن کر دیا تھا۔

دوسرا قول یہ ہے کہ یزید نے امامؑ کے سر مبارک کو مدینہ بھیج دیا تھا۔ پھر وہاں کے گورنر عمرو بن سعید بن العاص نے اس سر کو بقیع میں آپ کی والدہ گرامی اور برادر عالی قدر کے برابر میں دفن کر دیا۔ ابوالفداء کی اس رائے کو عمر بن الوردی نے اپنی تاریخ کی پہلی جلد میں اور علی بن عبداللہ سمہودی نے وفاء الوفاء میں اختیار کیا ہے۔ البتہ انہوں نے اس پر اتنا اضافہ کر دیا ہے کہ ابن ابی الدینار بلاذری کے بقول لوگوں کو یزید بن معاویہ کے خزانہ میں امام حسینؑ کا سر اقدس ملا تو انھوں نے اس کو کفنا کر دمشق شہر کے باب الفرادیس کے قریب دفن کر دیا۔

اسعاف الراغبین میں روایت ہے کہ یزید بن معاویہ نے حکم دیا کہ امام کے سر اقدس

کومختلف علاقوں میں پھرایا جائے۔ چنانچہ جب یہ عسقلان میں پہنچا تو وہاں کے حاکم نے اس کو وہیں دفن کر دیا۔ بعد میں جب عسقلان پر انگریزوں کا تسلط ہوا تو فاطمیوں کے ایک وزیر صالح طلائع نے اس کو کثیر رقم کے عوض ان سے حاصل کرلیا۔ وہ اس کو لینے کے لئے کئی منزلیں پیدل چل کر گیا۔ پھر اس کو آبنوس کی ایک کرسی پر سبز رنگ کے ریشمی جزدان میں رکھ دیا اور اس کے نیچے مشک اور دوسری خوشبوئیں بکھیر دیں۔ بعد میں اس کے اوپر مشہد حسینی تعمیر کرایا جو قاہرہ میں خان خلیلی کے قریب ایک مشہور جگہ ہے۔

نورالعین فی مشہد الحسینؑ کے مؤلف نے ''مرشد الزور الیٰ طریق الابرار'' کے حوالے سے یوں نقل کیا ہے: عہد فاطمیین کے ایک عالم نے بیان کیا ہے کہ قاہرہ میں امام حسینؑ کا وہ سر مبارک ہے جو عسقلان میں تھا۔ عباس نے خلیفہ ظاہر فاطمی کو لکھا کہ انگریزوں نے عسقلان پر تسلط جمالیا ہے، وہاں وہ سر دفن ہے جس کو حسینؑ بن علیؑ کا سر کہا جاتا ہے۔ آپ کسی کو اختیار دے کر بھیجئے تا کہ وہ اس کو حاصل کر لے۔ چنانچہ انھوں نے مکنون الخادم کو کچھ آدمی دیکر بھیجا اور وہ اس سر اقدس کو عسقلان سے مصر لے آئے۔ پھر اس کو قصر میں لے جایا گیا جہاں وہ اب تک ہے۔ خلیفہ ظاہر نے مسجد فاکہانی اسی غرض سے بنوائی کہ یہ سر اقدس اس میں رکھا جائے۔ نیز طلائع بن زریک نے بھی اس سر کو رکھنے کے لئے باب زویلہ کے باہر ایک مسجد بنوائی جس کو جامع صالح کہتے ہیں لیکن اس کے بعد ان سب نے یہ کیا کہ اس کو قصر کے اس قبہ دیلم میں رکھ دیا جائے جو اس محل کے باب الخدام کے قریب واقع ہے۔ اس بارے میں مہذب بن زبیر نے ایک طویل قصیدہ نظم کیا جس کے ایک شعر

میں وہ کہتا ہے:

''ہائے افسوس! ان سرہائے مبارک پر جو دفن کے بعد بھی اِدھر اُدھر لے جائے جارہے ہیں''۔

مقریزی کہتا ہے کہ افضل ابن امیر الجیوش ایک بڑا لشکر لے کر بیت المقدس کی طرف بڑھا جبکہ ارتق کے بیٹے سقمان اور ایلغازی بھی اپنے عزیزوں اور کثیر ترک فوجیوں سمیت اس کے مقابلے پر نکلے۔ سامی بک کی کتاب قاموس الاعلام میں ہے کہ یہی وہ ارتق ہے جو بنی ارتق کی اس حکومت کا بانی ہے کہ جس میں دیار بکر، حلب اور ماردین کے علاقے شامل تھے جن پر ارتق کے بیٹے سقمان اور ایلغازی سنہ ۴۸۴ سے سنہ ۵۱۶ تک حکمران رہے ہیں۔ چنانچہ افضل بن امیر الجیوش نے ان دونوں بھائیوں کو لکھا اور ان سے یہ خواہش کی کہ وہ قدس کا علاقہ بغیر جنگ کے ان کے سپرد کر دیں۔ انہوں نے اس بات کو نہ مانا لہٰذا اس نے شہر پر ہلہ بول دیا اور منجنیق سے سنگ باری شروع کر دی۔ اب تو ان دونوں کے سامنے ہار مان لینے کے علاوہ کوئی صورت نہ رہی، اس لئے انہوں نے قدس اس کو دیدیا۔ اب یہ اپنے لشکر میں واپس آیا اور پھر عسقلان میں داخل ہو گیا جہاں ایک بوسیدہ مکان میں امام حسینؑ کا سر اقدس موجود تھا۔ اس نے سر اقدس کو نکال کر عطر لگایا اور صندوق میں بند کر کے ایک اور مکان میں رکھوا دیا۔ پھر اس مکان کی تعمیر و تجدید کرائی کہ جس میں وہ سر اقدس پہلے رکھا ہوا تھا۔ جب وہ مکان بن کر تیار ہو گیا تو افضل، امامؑ کے سر اقدس کو سینے سے لگا کر پیدل لے چلا اور اس کو اسی پہلے مقام پر رکھ دیا۔ بعدہٗ سنہ ۵۴۸ ھ میں یہ سر اقدس عسقلان سے قاہرہ منتقل کیا گیا تو امیر سیف المملکت اور قاضی موتمن بن مسکین اس کو عسقلان سے قاہرہ

لائے اوراس کوشاہی محل کے باب الخدام کے قریب قبّہ دیلم میں دفن کیا گیا۔ پس جوکوئی بھی وہاں جاتا اس مقبرے کی زمین کو بوسہ دیتا تھا۔

(خطوط مقریزی، ج ا)

ان معاملات کے بارے میں تحقیق کرنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ اگر سر اقدس کا قاہرہ میں ہونا صحیح ہے تو پھر یہ دو مرحلوں سے گزر کر وہاں پہنچا ہے۔ وہ اس طرح کہ ابتداء یہ دمشق میں یزید بن معاویہ کے حکم سے باب فرادیس کے قریب ایک مکان میں دفن کیا گیا یا یہ یزید کے خزانے میں سے ملا اور اس کو باب فرادیس کے قریب دفن کیا گیا۔ ابن ابی الدینار بلاذری اور واقدی نے بھی سر اقدس کے دمشق میں دفن کیئے جانے کو ترجیح دی ہے۔ تاہم بعض لوگوں کی رائے ہے کہ امام حسینؑ کا سر اقدس باب فرادیس کے قریب دفن ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ یزید بن معاویہ نے اس کو اپنے باپ کی قبر میں دفن کیا تھا۔ بعض کا کہنا ہے کہ وہ مسجد میں دفن ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ شہر کی فصیل میں دفن ہوا اور اس کے بعد فاطمیوں کے ہاتھوں دمشق سے عسقلان پہنچا اور پانچویں صدی ہجری تک وہیں رہا۔ یہ رائے عثمان مدوخ نے اپنی کتاب "العدل الشاهد فی تحقیق المشاهد" میں اختیار کی ہے۔ چنانچہ وہ ان مختلف مرحلوں کو بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں: اس کی دلیل یہ ہے کہ کسی عالم نے باب فرادیس کے قریب ایک مکان کو گرانا شروع کیا تا کہ وہ اپنی کتابوں کے لئے محافظ خانہ بنائے۔ وہاں اس کو دیوار میں ایک طاق دکھائی دیا جو ایک بڑے پتھر سے بند تھا۔ اس پر کچھ ایسے نقش کھدے ہوئے تھے جن سے لوگوں کو معلوم ہوا کہ یہ امام حسینؑ کے سر اقدس کی جاء دفن ہے۔ انہوں نے حاکم شام کو اس کی اطلاع دے دی۔ اس نے خود آ کر اس کو دیکھا

اور کہا کہ وہ اس مکان میں کوئی تبدیلی نہ کریں۔ اس کے بعد اس نے یہ معاملہ سلطان عبدالمجید خاں بن سلطان محمود خاں کے سامنے پیش کیا۔ انھوں نے حکم دیا کہ اس طاق کو تمام علماء، امراء اور ممتاز افراد کے سامنے کھولا جائے۔ چنانچہ لوگوں نے وہ بڑا پتھر اپنی جگہ سے ہٹایا تو وہاں ان کو خالی جگہ ملی کہ جس میں کچھ بھی نہ تھا۔ جب وہاں موجود لوگوں نے اس کو اچھی طرح دیکھ لیا تو حاکم شام نے کہا کہ اس کو اسی طرح بند کر دیا جائے جیسا کہ وہ پہلے سے تھا۔ پھر یہ معاملہ سلطان عبدالمجید تک لیجایا گیا۔ تب انہوں نے حکم دیا کہ اس پتھر کے چاروں طرف چاندی کا ایک طاق بنا دیا جائے۔ عثمان مدوخ مزید لکھتے ہیں: میں اس طاق کے وزن کی مقدار بھی جانتا ہوں اور میرے خیال میں یہ سات ہزار درہم ہوگا۔ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ ان امور سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ سر اقدس پہلے دمشق میں دفن ہوا اور پھر تقریباً سو سال کے بعد عسقلان کے مقبرہ میں پہنچا جہاں سے شاہ صالح طلائع کے ذریعے سے چھٹی صدی ہجری میں قاہرہ منتقل ہو گیا۔

امام حسینؑ کے سر اقدس کے قاہرہ میں اب تک موجود ہونے کو عبدالرحمٰن کتخدا نے اس وقت ثابت کیا جب مسجد مبارک کے مجاور نے مسجد کو توسیع کرنی چاہی۔ چنانچہ کہا گیا کہ امامؑ کے سر اقدس کا یہاں دفن کیا جانا کوئی مسلمہ بات نہیں ہے۔ اس پر کتخدا نے تحقیق کرنی شروع کر دی۔ پس اس نے جائے دفن کو لوگوں کے سامنے کھولا اور پھر استاد جوھری شافعی اور استاد شیخ جلوی مالکی اس کے اندر اترے، جو دونوں ہی عظیم علمائے باعمل میں سے تھے۔ انہوں نے وہاں ساگوان کی ایک کرسی دیکھی جس پر سونے کا ایک طشت رکھا تھا۔ اس میں ریشم کی سبز دستار تھی اور اس کے اندر سر اقدس موجود تھا۔ چنانچہ انہوں نے لوگوں کو یہ سب کچھ بتلا دیا۔

تب وہاں مسجد اور مقبرہ بنایا گیا اور ان کے لئے جائدادیں وقف کردی گئیں جن کی آمدنی ان پر صرف کی جاتی ہے۔ یہ بھی کہا گیا کہ امام حسینؑ کا سر اقدس شہر رقّہ کی مسجد میں دفن ہے۔ یہ رائے عبداللہ بن عمر وراق نے اپنی کتاب مقتل میں ظاہر کی اور لکھا کہ جب ابن زیاد نے امام حسینؑ کا سر اقدس یزید بن معاویہ کے پاس بھیجا تو وہ کہنے لگا کہ میں اس کو عثمان کے سر کے بدلہ میں آل ابی معیط کے پاس بھیجے دیتا ہوں۔ چونکہ وہ لوگ اس وقت رقّہ میں رہتے تھے لہٰذا اس نے وہ سر اقدس ان کے پاس بھیج دیا اور وہاں انہوں نے اس کو اپنے کسی مکان میں دفن کردیا۔ بعد میں یہ مکانات مسجد میں داخل کر لئے گئے۔ اس طرح اب وہ سر اقدس وہاں سدرہ کی جانب دفن ہے۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ امامؑ کا سر اقدس دمشق ہی میں ہے اور وہاں سے باہر نہیں گیا۔ ذہبی نے تاریخ اسلام میں ابوبکر سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا: میں ان لوگوں میں شامل تھا جنہوں نے دمشق میں ولید بن یزید پر حملہ کیا اور اس کے خزانوں کو لوٹا تھا۔ تب میں نے وہاں سے ایک صندوق اٹھالیا اور میں سمجھتا تھا کہ اس میں بہت زیادہ دولت ہے پس میں اپنے گھوڑے پر سوار ہوا اور اس کو اپنے آگے رکھ لیا۔ جب میں پھاٹک سے نکل گیا تو میں نے اس کو کھولا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ اس میں ایک سر ہے اور اس پر ریشمی کپڑا لپٹا ہوا ہے۔ جس کے اوپر لکھا ہوا ہے کہ یہ حسینؑ بن علیؑ کا سر ہے۔ میں گھوڑے سے اتر پڑا اس کے لئے اپنی تلوار سے قبر کھودی اور اس کو دفن کردیا۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ امام مظلومؑ کا سر اقدس سلیمان بن عبدالملک کے زمانے تک شاہی خزانے میں رہا۔ پھر اس نے اس کو دفن کیا لیکن جب حبشیوں کا تسلط ہوا تو انہوں نے وہ جگہ دریافت کر کے اسکو کھود نکالا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ سر اقدس تیمور لنگ کے زمانے تک

مدفون رہا۔ پھر وہ لوگ اس کو نکال کر اپنے ملک لے گئے اور وہاں دفن کر دیا۔ اسی طرح ابن تیمیہ سمیت کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ امام حسینؓ کا سر اقدس قاہرہ کی اس نامبردہ جگہ پر نہیں ہے۔ بہر حال جائے دفن کے بارے میں اور بھی بہت کچھ کہا گیا ہے' لیکن جن لوگوں نے یہ اقوال پیش کیئے ہیں انھوں نے کوئی قطعی دلیل یا قابل اطمینان روایت بیان نہیں کی ہے۔ یہاں تک کہ جن شیعہ علماء نے یہ کہا ہے کہ امام حسینؓ کا سر اقدس آپ کے جسد مطہر کے ساتھ کربلا میں دفن ہے' انہوں نے بھی کوئی اطمینان بخش دلیل پیش نہیں کی ہے۔ اتنی بات یقینی ہے کہ جسد اطہر تو کربلا ہی میں دفن ہے جہاں آپ کا مزار ہے۔ البتہ سر اقدس کے بارے میں یہی کہا جا سکتا ہے کہ وہ قیدیوں کے ساتھ شام لے جایا گیا تھا۔

رہی یہ بات کہ سر اقدس دمشق سے عسقلان' رقہ' مدینہ یا قاہرہ لے جایا گیا تھا' یا بنی امیہ کے خزانوں میں پڑا رہا تو اس کے لئے ان کتابوں میں جو ہمارے پاس موجود ہیں' کوئی ایسی دلیل نہیں ملتی کہ جس سے کسی ایک قول پر اطمینان حاصل ہو سکے۔ بہت ممکن ہے کہ یزید بن معاویہ نے اس کو مسجد دمشق کے پہلو میں یا وہاں کے قبرستان میں دفن کر دیا ہو' کیونکہ اس نے اسلامی مملکت کے مختلف علاقوں میں اپنے خلاف غم و غصے کا احساس کر لیا تھا اور خوب سمجھ لیا تھا کہ خود اس کے لئے اور تمام بنی امیہ کے لئے امام حسینؑ کو قتل کرنے کے نتائج نہایت ناگوار ثابت ہوں گے اس لئے وہ یہ کوشش کر رہا تھا کہ اپنے اس جرم کی تلافی کرے جس کی مثال تاریخ میں نایاب ہے۔ چنانچہ وہ امام زین العابدینؑ اور ان کے ساتھی قیدیوں کی طرف جھک رہا تھا' جبکہ ابن زیاد سے دوری اختیار کرتا جا رہا تھا۔ وہ اپنی محفلوں میں اس پر لعنت کرتا اور کہتا تھا کہ ابن مرجانہ نے مجھ پر ایسا بوجھ ڈال دیا ہے جو مجھ سے اٹھائے نہیں اٹھتا۔

اس رنج اور غم سے بھری ہوئی فضا میں یہ امر بعید از قیاس ہے کہ اس نے امام حسینؑ کے سر اقدس کو اپنے پاس یا اپنے خزانے میں رکھ چھوڑا ہو' کیونکہ اس کا وجود لوگوں کے رنج کو تیز کرتا اور ان کے ذہنوں میں اس عظیم المیہ کی تصویریں ابھارتا کہ جس کی تلخی سب مسلمان محسوس کر رہے تھے۔ نیز اس سے ایسے نتائج پیدا ہوتے کہ جن کی تلافی امکان سے باہر ہوتی۔ ان وجوہ کی بنا پر میں اس خیال کو ترجیح دیتا ہوں کہ امام حسینؑ کا سر اقدس دمشق لے جانے کے بعد جلد ہی باب فرادیس میں یا کسی قبرستان میں یا کسی اور جگہ دفن کر دیا ہوگا۔ پھر وہاں سے اس کا عسقلان' قاہرہ یا کسی دوسری جگہ منتقل کیا جانا بھی محال نہیں ہے لیکن اس کو ثابت کرنے کے لئے کوئی نہ کوئی دلیل ضرور ہونی چاہئے۔ تاہم اس ضمن میں لوگوں نے جو کچھ بیان کیا ہے وہ بطور دلیل قابل قبول نہیں ہے۔ بہر صورت جہاں ایک طرف امام حسینؑ اس وسیع دنیا کے کسی چھوٹے سے قطعہ زمین میں مدفون ہیں۔ دوسری طرف لاکھوں پاکباز مومنوں کے دلوں میں جاگزیں ہیں۔ اگر چہ محققوں' مؤرخوں حتی کہ ان کے ساتھ محبت کرنے والوں کی نگاہوں سے امامؑ کا وہ مدفن پوشیدہ ہی کیوں نہ ہو گیا ہو تو بھی وہ دل کہ جن میں حسینؑ مقیم ہیں اور جنہوں نے ان کو اپنا امام' اپنا قائد اور اپنے لئے اعلیٰ نمونہ عمل بھی مان لیا ہے۔ ان سے امام حسینؑ' ان کے انصار اور ان کے مخلص پیروؤں کی محبت' کشش اور عقیدت مٹنے والی نہیں ہے۔ یقیناً حسینؑ ہر اس شخص کے دل میں جاگزیں ہیں جو حق' نیکی' عدالت نیز مظلومون اور کمزوروں کی مدد پر خندہ پیشانی سے آمادہ رہتا ہے۔ ظالموں' سرکشوں' جابروں' خیانت کاروں اور منافقوں سے نفرت کرتا ہے اور اللہ کی راہ میں اپنی جان' مال اور اولاد کی قربانی دیتا ہے۔ چونکہ میرا قلب بھی ایسے ہی قلوب میں سے ہے جن میں حسینؑ جاگیزیں ہیں اس لئے میں ان کے سر اقدس کی جائے دفن کی جستجو کرنے والوں سے فخر و مباہات کے

ساتھ کہتا ہوں کہ:

''حسینؑ کے سر اقدس کو مشرق و مغرب میں مت تلاش کرو۔ بلکہ سب اطراف کو چھوڑ کر میری طرف آؤ کہ میرے گوشۂ دل میں مدفون ہے''۔ (علی جلال حسینی کی کتاب حسینؑ بن علیؑ، ص ۱۳۹)

صلح حسنؑ اور جہادِ حسینؑ پر ایک نظر

محدثین اور مؤرخین میں صلح حسن اور جہاد حسینؑ کے بارے میں خاصا اختلاف پایا جاتا ہے۔ ایک گروہ نے صلح حسنؑ کو صحیح اور جہاد حسینؑ کو غلط قرار دیا ہے۔ اس کے برعکس دوسرا گروہ امام حسنؑ کو غلطی پر اور امام حسینؑ کو صحیح راہ پر قرار دیتا ہے۔ جبکہ ایک تیسرا گروہ ان دونوں بھائیوں کو راہ صواب پر قرار دیتا ہے۔ تاہم بیشتر مستشرقین امام حسینؑ کو اپنے اقدام میں غلطی پر سمجھتے ہیں اور عرب کے بہت سے قدیم و جدید مؤلفین بھی انہی کے ہمنوا ہیں۔ پچھلے ابواب میں امام حسنؑ بن علیؑ کی صلح اور ان کی معاویہ کے حق میں حکومت سے دستبرداری کے ذکر میں ہم بیان کر چکے ہیں کہ ان کا موقف حد درجہ حکیمانہ تھا اور ان کو اس کے اختیار کرنے پر اسلام کی عظیم مصلحت نے آمادہ کیا تھا۔ اگر اس فضا میں وہ معاویہ سے اپنی پیکار جاری رکھتے کہ جس میں لوگ آپ کے خلاف ان کی مدد پر آمادہ تھے۔ پھر خود معاویہ بھی اپنی طرف سے صلح پر آمادگی ظاہر کر کے یہ کہہ چکے تھے کہ امر و نہی کے تمام احکام امام حسنؑ ہی جاری کیا کریں گے جبکہ یزید کے ذمے صرف ان کی تعمیل ہی ہوگی۔ ان حالات میں اگر وہ جنگ جاری رکھتے جبکہ خود ان کا لشکر ٹوٹ ٹوٹ کر اور ان کو چھوڑ کر معاویہ

سے ملتا جارہا تھا تو معاویہ کے لئے امام حسنؑ ان کے بھائیوں، عزیزوں اور ان کے مخلص شیعوں کو نابود کردینا اور اسلام کو مسخ کرڈالنا خاصا آسان ہوجاتا۔ اگر ایسا ہو ہی جاتا تو پھر معاویہ کے لئے اس میں کوئی رکاوٹ نہ رہتی کہ وہ اپنے آباؤ اجداد کے خواب کو پورا کردکھائیں جو کچھ اوپر بیس سال تک اسلام سے برسر جنگ رہ چکے تھے۔ پھر ادھر سے اُدھر تک کسی مسلمان سے خوف نہ کھاتے جبکہ امام حسنؑ، امام حسینؑ اور بچے کھچے نیک نفس مسلمانوں کے ہوتے ہوئے بھی انہوں نے ایسی ایسی بدعتیں نکالیں کہ جس سے اسلام اور شریعت کی جڑیں تک ہل گئیں۔ ان کی یہ بدعتیں صاف ظاہر کرتی ہیں کہ وہ اپنے اقتدار اور حکمرانی کی خاطر اسلام کو مسخ کردینے یا مٹاڈالنے پر تیار تھے۔ اس سے پہلے ہم بیان کرچکے ہیں کہ وہ محمد رسول اللہؐ کے ساتھ اپنے اس حسد اور دشمنی کو اپنے مقربین سے چھپا نہ سکے تھے کیونکہ آنحضرتؐ کا نام نامی روزانہ سیکڑوں مرتبہ اذانوں میں اور منبروں پر دہرایا جاتا تھا۔ یہ وہ امور ہیں جو ہم پچھلے ابواب میں بیان کرچکے ہیں۔ ان سے ثابت ہوتا ہے کہ معاویہ بن ابی سفیان کے ساتھ امام حسنؑ کے موقف کی بنیاد اسلام کی وہ عظیم مصلحت تھی جو اہل بیت کرامؑ کے تمام اعمال وافعال میں کارفرما تھی۔

وہ لوگ جو حسینی اقدام کو تنقید واعتراض کا نشانہ بناتے ہیں وہ اپنے اندھے تعصب یا بنی امیہ کی بے جا حمایت میں ایسا کرتے ہیں۔ جیسے ابوبکر بن عربی نے اپنی کتاب العواصم من القواصم میں کہا ہے۔ اس میں وہ یزید کی مدح کرتا ہے اور اسکے خلاف امام حسینؑ کے اقدام کو ان کی وہ غلطی قرار دیتا ہے کہ جس کے لئے کوئی جواز نہیں ہے۔ چنانچہ وہ کہتا ہے:

جب خلافت ان کے بھائی کے ہاتھوں سے نکل گئی، حالانکہ ان کے پاس ایک عظیم لشکر تھا

اور بڑے بڑے آدمی ان کو چاہتے بھی تھے تو پھر وہ کوفہ کے اوباشوں کے ذریعے ان کے ہاتھ کیسے آسکتی تھی۔ وہ مزید کہتا ہے: حسینؑ کے لئے بہتر یہ تھا کہ وہ اپنے نانا کی اس حدیث پر عمل کرتے، جس میں آنحضرتؐ نے فرمایا ہے کہ: عنقریب کچھ مصیبتیں آئیں گی۔ اگر اس وقت کوئی شخص امت کی جمعیت میں تفرقہ ڈالے تو اس کو تلوار سے مار ڈالو خواہ وہ کوئی بھی ہو۔ اس لئے یہ بہتر تھا کہ حسینؑ، یزید کی بیعت کر لیتے اور اپنے گھر میں بیٹھے رہتے۔ پس انکو یزید یا اس کے گورنر ابن زیاد نے قتل نہیں کیا بلکہ ان کو کوفہ کے ان اوباشوں ہی نے قتل کیا جنہوں نے ان کو بلایا تھا۔

پھر ابن حزم اندلسی اور ابن تیمیہ وغیرہ نے بھی ابن عربی ہی کے قدم پر قدم رکھا ہے، کیونکہ یہ سب خارجیوں کے ظاہریہ، سلفیہ اور اباضیہ وغیرہ ایسے طبقوں سے تعلق رکھتے ہیں، جو اپنے کٹّر پن اور غلو میں بہت ہی بڑھے ہوئے تھے۔ چنانچہ ان کے ہم خیال لوگ یزید کو اس لئے قابل تعریف سمجھتے ہیں کہ اس نے امام حسینؑ کو قتل کیا ہے۔ وہ یوم عاشورہ کو عید مناتے، ایک دوسرے کو مبارکباد دیتے اور خوب تقریبیں منعقد کرتے ہیں کیونکہ اس روز حسینؑ بن علیؑ کو قتل کیا گیا تھا۔ یہ لوگ الجزائر وغیرہ کے اطراف میں آباد ہیں جہاں آج بھی یوم عاشور کو عید کے ایک بہت بڑے تہوار کے طور پر منایا جاتا ہے۔

جو لوگ یہ رائے رکھتے ہیں ان کی کتابوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس پر ان کا استدلال یہ ہے: حسینؑ نے یزید کی بیعت سے کنارہ کشی کر کے جماعت میں تفرقہ ڈالا اور مسلمانوں میں فتنہ کھڑا کیا، کیونکہ یزید نے یا کوفہ کے گورنر ابن زیاد نے شر و فساد کی ابتدا نہیں کی بلکہ اس کا آغاز حسینؑ ہی نے کیا تھا۔ پس انھوں نے ایسا کام کیا کہ جس سے ان کا خون بہانا جائز ہو گیا تا کہ امت کی وحدت محفوظ رہے اور اس کی عزت و وقار محفوظ رہے۔ یہ سب کچھ انکے نانا کے

اس قول کی تعمیل میں کیا گیا کہ جس میں آنحضرتؐ نے فرمایا: اگر کوئی اس امت کی جمعیت میں تفرقہ ڈالے تو اس کو تلوار سے مار ڈالو خواہ وہ کوئی بھی ہو۔ اموی گھرانے کی حد سے زیادہ طرفداری کرنے والوں مثلاً ابن تیمیہ اور غزالی وغیرہ کی طرف سے اس بات کو شہرت دی گئی کہ: حسینؑ اپنے نانا محمد رسول اللہؐ کی تلوار سے قتل ہوئے۔ اسی طرح کے اور بھی اقوال ہیں جو ان لوگوں کے علیؑ اور آل علیؑ سے حسد اور کینہ کو ظاہر کرتے ہیں۔

اور حیرت ناک بات یہ ہے کہ جو لوگ رسول اکرمؐ کی طرف منسوب ایک قول کی بنا پر یزید کے افعال کو حق بجانب ٹھہراتے ہیں، وہ اس قول کو معاویہ ابن ابی سفیان پر منطبق نہیں کرتے۔ جنہوں نے پوری امت کی مخالفت کی، اس کی وحدت میں تفرقہ ڈالا اور اسکی یک جہتی کو ختم کر دیا۔ حالانکہ وہ مسلمانوں کے سردار یعنی امام علیؑ پر متفق تھی اور آپ کی بیعت ان سب لوگوں نے کر لی تھی جنہوں نے ابوبکر، عمر اور عثمان کی بیعت کی تھی۔ اس طرح آپ کی خلافت کو مملکت اسلامی کے تمام علاقوں میں بابرکت تسلیم کر لیا گیا تھا۔ پھر انہوں نے اس وقت بھی امت اور جماعت کی مخالفت کی جب وہ حسنؑ بن علیؑ کے ساتھ جفا کاری کرنے لگے جو نواسۂ رسولؐ اور جوانان جنت کے سردار تھے۔ جبکہ اس وقت کے بقیہ مہاجرین وانصار اور مملکت اسلامی کے ان تمام علاقوں کے لوگوں نے ان کی بیعت کر لی تھی۔ جو ان کے والد بزرگوار کی بیعت میں تھے۔ نیز معاویہ نے امام حسنؑ کے ساتھیوں اور ان کے لشکریوں کو زر ومال دیکر اور جھوٹے وعدے کر کے بہکا دیا۔ یہاں تک کہ آپ کو اس بات پر مجبور کر دیا کہ آپ چند شرائط پر وہ حکومت معاویہ کے سپرد کر دیں، جن میں سب سے اہم اور نمایاں شرط یہ تھی کہ وہ اپنے بعد حکومت کا معاملہ امام حسنؑ یا عام مسلمانوں پر چھوڑ جائیں گے تا کہ وہ اپنے دین اور دنیا کے لئے جس کو مناسب سمجھیں اختیار کر لیں لیکن انہوں نے ساری ہی شرطوں کو

پامال کردیا اور امام حسنؑ کو قتل کرانے کا اہتمام کیا۔ پھر اپنے بدکار اور گناہوں میں ڈوبے ہوئے بیٹے یزید کو مسلمانوں پر مسلط کردیا حالانکہ وہ اس سے نفرت کرتے تھے اور اپنی جانوں سے زیادہ شریعت محمدیہ کے بچاؤ کی خاطر اس سے ڈرتے تھے۔ اس کے باوجود برادران اہل سنت کی ایک عظیم اکثریت کے نزدیک انہی معاویہ کا شمار رسول اکرمؐ کے بلند مرتبہ انصاف پرور اور پاکباز صحابہ میں ہوتا ہے۔ حالانکہ وہ مبیّنہ حدیث کہ جس کے مطابق وہ لوگ امام حسینؑ کے قتل کو جائز کہتے ہیں، وہی حدیث معاویہ کو بھی واجب القتل قرار دیتی ہے۔ علاوہ بریں صحابی عمار بن یاسر کے قتل کے بارے میں آنحضرتؐ کی وہ حدیث کہ جس کو وہ لوگ بھی مانتے ہیں، وہ معاویہ کو باغی قرار دیتی ہے اور از روئے قرآن باغی کا قتل کیا جانا واجب ہے۔

یعنی ''اگر مومنوں کی دو جماعتیں ایک دوسرے سے قتال کریں تو ان دونوں کے درمیان صلح کرادو۔ اگر ان دونوں میں سے کوئی ایک دوسرے سے زیادتی کرے، تو جو زیادتی کرے اس سے جنگ کرو، یہاں تک کہ وہ حکم خدا کی طرف پلٹ آئے''۔

(سورۂ حجرات آیت ۹)

کیا معاویہ نے اپنی بغاوت سے اللہ کی طرف رجوع کیا۔ نہیں! بلکہ انہوں نے تو الٹا صلح کی شرائط کی خلاف ورزی کر کے مسلمانوں کے منبروں پر علیؑ کو برا کہنے کا حکم جاری کیا اور یہ اتنی مدت تک جاری رہا کہ بچے جوانی تک اور جوان بوڑھاپے تک پہنچ گئے۔ نیز انہوں نے حجر بن عدی جیسے سیکڑوں پاکباز اور نیک افراد کو تہ تیغ کر ڈالا۔ پھر انہوں نے امام حسنؑ کو قتل کیا کہ جو رسول اکرمؐ کے حکم کے مطابق مسلمانوں کے امام تھے۔ نہ صرف یہ بلکہ انہوں نے سنت رسولؐ اور اجماع امت کے خلاف زیاد بن سمیہ کو ابوسفیان کا بیٹا قرار دے

دیا۔ مسلمانوں کا مال اپنے ساتھیوں اور حمایتیوں میں لٹاتے رہے اور مرنے سے پہلے اپنے بدکردار اور قابل نفرت بیٹے کو مسلمانوں کی گردنوں پر سوار کر گئے۔

مختصر یہ کہ اگر یہ حدیث صحیح ہے تو اس کے مطابق یہ دیکھنا ضروری ہے کہ کون امت میں تفرقہ ڈالنے کے درپے تھا جبکہ وہ ایک ایسے شخص پر متفق ہو چکی تھی جو اللہ کے احکام پر قائم تھا۔ شریعت پر عمل کرنے والا تھا اور مسلمانوں کی بہبودی کا خواہاں اور ان کے حقوق کا پاسبان تھا۔ البتہ جب حاکم یزید کی طرح ظلم کرنے والا ہو۔ علانیہ برائیوں اور بدکاریوں کا ارتکاب کرتا ہو، شریعت اور اس کے اصولوں کے خلاف چلتا ہو تو اسلام اور قرآن کے احکام کے مطابق امت کا فریضہ یہ ہے کہ وہ اس ظالم اور بدکار حاکم سے جنگ کرے، ورنہ اس کو بھی اس کی تمام بداعمالیوں اور بے راہ رویوں میں شریک تصور کیا جائے گا۔ پس یہی وہ صورت حال تھی کہ جس کے تحت امام حسینؑ کو یزید کے خلاف اٹھنا پڑا تھا۔ حالانکہ وہ جانتے تھے مسلح جنگ ان کی مصلحت کے خلاف ہے۔ البتہ جیسا کہ ہم ایسے متعصب ناقدین اور غلط کیش افراد کے خیالات پر اس تبصرہ کے بعد ثابت کریں گے کہ اس کے نتائج سلام اور مسلمانوں کے حق میں بہتر تھے۔

ہم بیان کر چکے ہیں کہ امام حسینؑ کے اقدام پر تنقید اور تعریض کرنے والے لوگ بنی امیہ کے طرفدار اور ان کے دوست ہیں، یا اس کو سیاسی اور جنگی نقطۂ نظر سے دیکھنے والے ہیں۔ مثلاً مستشرقین اور بعض عرب مؤلفین کہ جو ان حالات پر نظر نہیں ڈالتے، جو امام حسینؑ کو گھیرے ہوئے تھے یا ان دینی عوامل اور ان کے نتائج کو نہیں دیکھتے کہ جو آپ کی شہادت کا باعث بنے تھے۔ حالانکہ تاریخ عالم کسی ایسی جنگ سے واقف نہیں ہے کہ جس میں امام حسینؑ اور انکے ساتھیوں کی طرح، ایک فریق کی جانیں یکسر ختم ہوئی ہوں۔ مگر اس نے

حکومت اور مذہب پر اپنے ایسے اثرات چھوڑے ہوں، جیسے کربلا کی اس جنگ نے چھوڑے، کیونکہ نہ کسی جنگ نے اس کے ظاہری فاتحوں کی خوابگاہوں کو اس طرح متاثر کیا۔ نہ فاتحوں نے کبھی ندامت سے اپنی انگلیاں کاٹیں ۔ یہ باتیں صرف اور صرف معرکۂ کربلا کی خصوصیات میں شامل ہیں۔

پھر تاریخ نے اس کے جتنے کچھ بھی فوائد بتلائے ہوں، اس گروہ کے اہل قلم اس واقعہ کو اسی سطحی نظر سے دیکھتے اور امام حسینؑ پر وقتی حالات کا غلط اندازہ لگانے اور ایک نامناسب موقف اختیار کرنے کا الزام دھرتے ہیں کہ جس سے آپ کو اپنی اولاد، اپنے بھائیوں اور اپنے اہل خاندان کو اپنے سامنے قتل ہوتے دیکھنا پڑا۔ ان لوگوں کی رائے میں لامحالہ یہ سب کچھ ان کو پیش آنا ہی تھا۔

چنانچہ فلہوزن اپنی کتاب ''الخوارج والشیعہ'' میں کہتا ہے کہ: حسینؑ بن علیؑ نے ایک بچے کی مانند چاند کی طرف ہاتھ بڑھایا اور بڑے بڑے دعوے کیے لیکن وہ ان میں سے کوئی چھوٹے سے چھوٹا مقصد حاصل کرنے میں بھی کامیاب نہ ہوئے۔ بلکہ انہوں نے یہ سب کچھ دوسروں پر چھوڑ دیا۔ چنانچہ وہ پہلے ہی مرحلے میں بے بس ہو گئے۔ تب انھوں نے چاہا بھی کہ اس محاصرے سے نکل جائیں لیکن اس وقت بہت دیر ہو چکی تھی۔ پس وہ محض دیکھتے ہی رہے اور ان کے انصار ان کی خاطر مرتے رہے لیکن انھوں نے خود کو آخری لمحے تک بچائے رکھا۔ وہ مزید کہتا ہے: عثمان کا قتل تو یقیناً ایک ناگہانی المیہ تھا لیکن قتلِ حسینؑ ان کی جلد بازی اور مایوسی کا نتیجہ تھا۔ البتہ ان کے شخصی عیوب اس لیے پوشیدہ رہے کہ ان کی رگوں میں رسول اکرمؐ کا خون دوڑ رہا تھا اور وہ ان کے اہل بیتؑ میں شامل تھے۔

مستشرق جولد تسہر اپنی کتاب ''العقیدۃ والشریعۃ'' میں لکھتا ہے: حسینؑ حکومتِ یزید

کے خلاف اقدام کرنے میں شیعوں کے غصے اور کم نظری کے باعث کھینچ لیئے گئے۔ اس طرح ان لوگوں نے ان کے گھرانے کو خاندان امیہ کے ساتھ اس طرح کے دائمی جھگڑوں میں الجھادیا۔

تاہم سر ولیم میور، ہر معاملے کو رسوخ واقتدار کی نظر سے دیکھتا ہے۔ چنانچہ وہ حکومت کے خلاف ہر عمل کو فتنہ تصور کرتا ہے۔ چنانچہ وہ کہتا ہے: حسینؑ نے حکومت کے خلاف خفیہ سازش میں شریک ہوکر ایک ایسے جرم کا ارتکاب کیا جس سے معاشرے کا ڈھانچہ متزلزل ہوگیا اور اموی اقتدار کے فوری خاتمے کا مطالبہ کیا جانے لگا۔

لامنس نے بھی بالکل یہی انداز اختیار کیا ہے۔ اس نے امام حسینؑ کے اقدام پر اسی لہجہ میں تنقید کی ہے جو عموماً اسلامی مباحث پر اس کے بیانات میں ہوتا ہے جو اسلام پر، اسلامی شخصیتوں پر اور اہل بیتِ نبیؐ کے کارناموں کو چھپانے اور ان پر جھوٹے الزام لگانے سے بھرے ہوتے ہیں۔

ان لوگوں نے امام حسینؑ کو اس نظر سے دیکھا ہے کہ گویا آپ اپنے مٹھی بھر اہل خاندان اور انصار کی مدد سے حکومت حاصل کرنا چاہتے تھے کیونکہ ان اہل قلم کی یہ عادت رہی ہے کہ وہ زیر نظر مسائل کا مطالعہ اس طریقے سے کرتے ہیں جو ان کے متصل حالات اور واضح حقائق سے کوسوں دور ہوتا ہے۔ حالانکہ کوئی بھی محقق اس امر کی ایک سے زیادہ تاریخی شہادتیں ڈھونڈ سکتا ہے کہ امام حسینؑ اپنی تحریک کے دوران دشمن سے نبرد آزمائی کے لئے جنگی قوت فراہم کرنے کی کوئی کوشش نہیں فرمارہے تھے اور نہ آپ حکومت پر قبضہ کرنا چاہتے تھے اس لئے کہ آپ کے اعلانات اور آپ کی تصریحات سے یہ صاف ظاہر ہوجاتا ہے کہ آپ خوب سمجھ رہے تھے کہ آپ اس تحریک میں قتل ہوجائیں گے۔ آپ یزید

بن معاویہ کے خلاف اسی وقت اٹھے' جب آپ نے ان خطرات کو بھانپ لیا جو امت اسلامیہ کو گھیرے ہوئے تھے اور جن کا تدارک اس قربانی کے بغیر ممکن نہ تھا جس کا آپ نے عزم فرمالیا تھا اور جس کو آپ نے عملاً پیش فرمایا: نیز ایک صاحبِ نظر اس بات کے متعدد شواہد بھی تلاش کرسکتا ہے کہ آپ مکہ سے روانہ ہونے سے پہلے ہی ان نتائج کا احساس کررہے تھے جو جلد ہی رونما ہونے والے تھے۔

اس بات کا ایک ثبوت یہ بھی ہے کہ آپ نے سفر عراق سے روکنے والوں کے ہر مشورے کو رد کردیا۔ حالانکہ ان میں سے بیشتر آپ کے چاہنے والے تھے جیسے عبداللہ بن عباس' عبداللہ بن جعفر' محمد ابن حنفیہ اور عبداللہ بن مطیع کہ جنہوں نے آپ کو دو مرتبہ یہ مشورہ دیا کہ عراق جانے کا خیال بھی نہ کریں۔ پہلی مرتبہ اس وقت جبکہ آپ مکہ کی طرف جارہے تھے اور دوسری مرتبہ اس وقت جب وہ آپ کو عراق کے راستے میں ملے۔ نیز ابو ہرہ اسدی' عبداللہ بن سلیم' ابن المشعل اور فرزدق وغیرہ کہ جنہوں نے آپ کی خدمت میں اہل کوفہ کے رویّے کی تصویر کشی کرکے آپ کو اس صورت حال سے مطلع کیا تھا' جس سے آپ دوچار ہوئے۔ چنانچہ اگر آپ خلافت ہی کے خواہشمند ہوتے تو کوفہ کی طرف سے آپ کو نظر ہٹا لینے کے لئے یہی کافی تھا۔

اسی طرح وہ خطبہ کہ جو آپ نے مکہ سے روانگی کے وقت دیا' یہ صراحت کرتا ہے کہ آپ اس معاملے کو بخوبی سمجھتے تھے جو بعد میں درپیش ہوا۔ آپ نے اس خطبہ کو شروع ہی اس قول سے فرمایا: موت کا طوق بنی آدم کے گلے میں اس طرح پڑا ہے جیسے کسی دوشیزہ کے گلے میں ہار ہوتا ہے۔ آپ نے یہ بھی فرمایا: دیکھو! ہمارے ساتھ وہی چلے جو اللہ سے ملاقات کی تمنا میں اپنی جان پیش کرنے پر آمادہ ہو۔ میں تو انشاء اللہ کل صبح ہی روانہ ہونیوالا

ہوں۔

جب آپ کے بھائی محمد بن حنفیہ نے دوسری بار خصوصاً یہ اصرار کیا کہ آپ کوفہ نہ جائیں تو آپ نے فرمایا: جب میں آپ سے جدا ہوا تو رسول اکرمؐ نے مجھ سے خواب میں فرمایا کہ اے حسینؑ! اب تم چل ہی پڑو کیونکہ اللہ چاہتا ہے کہ وہ تم کو مقتول دیکھے۔ اس پر آپ کے بھائی ابن حنفیہ نے کہا: اگر آپ قتل ہونے ہی کے لئے جا رہے ہیں تو پھر ان عورتوں کو اپنے ساتھ لے جانے کا کیا مقصد ہے؟ آپ نے فرمایا: اللہ کی یہ مرضی بھی ہے کہ یہ قیدی بنائی جائیں۔ اسی طرح جب ابن عباس آپ کے سامنے گڑگڑائے کہ آپ کو عراق جانے کے ارادے سے باز رکھیں، تو آپ نے فرمایا: مجھ کو رسول اکرمؐ نے خواب میں ایک امر کے پورا کرنے کا حکم دیا ہے اور میں اسی کو پورا کرنے کے لئے جا رہا ہوں۔

ایک اور شخص کہ جو آپ کو راستے میں ملا اور اس نے کوفہ کے حالات بتا کر آپ کو وہاں جانے سے روکا تو آپ نے فرمایا: یہ بات مجھ پر بھی پوشیدہ نہیں ہے لیکن اللہ کے فیصلے پر کوئی بھی غالب نہیں آ سکتا۔

ایک اور مواقع پر آپ نے فرمایا: قسم بخدا! بنی امیہ جب تک میرا پیٹ چاک نہ کر لیں گے، ہرگز میرا پیچھا نہ چھوڑیں گے۔ اگر میں کسی جانور کے بل میں بھی جا گھسوں گا تو بھی یہ لوگ مجھ کو نکال کر قتل کر ڈالیں گے۔ اس طرح وہ ہاشمی افراد جو آپ کے ساتھ نہ چلے، آپ نے ان کو لکھا کہ جو کوئی مجھ سے وابستہ رہے گا وہ شہادت کا مرتبہ پائے گا اور جو مجھ سے دور رہے گا وہ کبھی کامیاب نہ ہوگا۔ آپ کے اور بھی ایسے اقوال اور بیانات ہیں جن سے ذرا بھی شک باقی نہیں رہتا کہ آپ پہلے ہی سے اس نتیجے کو اچھی طرح جانتے تھے، جو آخر میں رونما ہوا۔ نیز یہ کہ آپ حکومت حاصل کرنا نہیں چاہتے تھے اور نہ مخالفین پر فتح پانے کے

خواہاں تھے بلکہ آپ ایک ایسے امر کے لئے اٹھے تھے جو براہ راست اسلام سے متعلق تھا اوران عظیم خطرات کواس سے دور کرنیوالا تھا جس سے اسلام معاویہ کے دور میں دوچار ہوا اور پھر یزید کی بدکاریوں کی صورت میں اس کو گھیرے ہوئے تھے۔ تاہم معاویہ کے مقاصد حصولِ حکومت سے بھی کچھ آگے تک وسیع تھے کیونکہ وہ اقتدار پر قابض ہوکر عوام کو گمراہ کرنا چاہتے تھے اور اسلام کے اصلی اعتقادات کو بدل دینا چاہتے تھے۔ جیسا کہ انہوں نے ایک سے زیادہ مرتبہ عوام کے سامنے یہ اعلان کیا تھا کہ جب میرے اور علیؑ کے درمیان خلافت کے بارے میں تنازعہ ہوا تو اللہ نے اس کا فیصلہ میرے حق میں کیا اور وہ مجھے مل گئی۔

اس کے بعد جب انہوں نے اہل حجاز سے اپنے بیٹے یزید کے لئے بیعت حاصل کرنے کا ارادہ کیا تو صاف صاف اعلان کر دیا کہ خلافت کے لئے یزید کو منتخب کرنا' میرا ایسا ناقابل تردید فیصلہ ہے کہ جس میں لوگوں کو دخل دینے کا کوئی حق نہیں ہے۔ اسی طرح معاویہ ہر موقع پر مسلمانوں کے ذہنوں میں یہ بات بٹھانے کی کوشش کرتے تھے کہ خلیفہ کی طرف سے جاری کیا ہوا ہر حکم' خواہ اس میں اللہ کے احکام کی مخالفت ہی کیوں نہ ہوتی ہو' وہ تقدیر الٰہی کے ماتحت ہوتا ہے اور اس کو تسلیم کرنا رعایا پر فرض ہو جاتا ہے۔ وہ چاہتے تھے کہ لوگوں کے دل و دماغ میں پستی اور بے بسی کا احساس اور حاکموں کے سامنے سرنگوں رہنے کا جذبہ پیدا کر دیں' خواہ وہ حاکم گناہ' ظلم اور سرکشی بھی کرتے رہیں۔ یہاں تک کہ وہ عوام کے سامنے اپنی بداعمالیوں کے لئے جوابدہ نہ ہوں' کیونکہ جب ان کی وہ بداعمالیاں ناقابل تردید حکم کی حیثیت رکھتی ہوں تو نہ لوگوں کو ان میں کوئی دخل دینے کا اختیار ہے اور نہ ان کے بارے میں کوئی مواخذہ کرنے کا حق ہے کیونکہ وہ ان سے تقدیر الٰہی کے ماتحت سرزد ہوئی ہیں۔

ان کا بیٹا یزید ان سے زیادہ خواہش پرست تھا۔ وہ غالباً ان سے بھی زیادہ بری نیت اور بدعقیدگی کا حامل تھا۔ جیسا کہ عبداللہ بن حنظلہ نے بیان کیا ہے، جن کے والد غسیل الملائکہ (ملائکہ کے غسل دیے ہوئے) کہلاتے تھے، وہ کہتے ہیں: ہم یزید کے خلاف صرف اس وقت اٹھے جب ہم کو یہ ڈر ہوا کہ ہم پر آسمان سے پتھر پڑیں گے کیونکہ وہ ماؤں، بہنوں اور بیٹیوں سے نکاح کرتا، شراب پیتا اور علانیہ نماز روزہ ترک کیئے رہتا تھا۔ قسم بخدا! اگر ایک آدمی بھی میرا ساتھ نہ دے، تب بھی میں اس کے ساتھ شدید جنگ کروں گا۔

یہ تنقید کرنے والے امام حسینؑ کے اقدام کو اسی زوایۂ نظر سے جانچتے ہیں جس میں کسی اقدام کے لئے خوب ساز وسامان اور مناسب حالات کا ہونا ضروری ہوتا ہے۔ جس طرح وہ ان جنگی تحریکات کے بارے میں رائے قائم کرنے کے عادی ہیں جن میں تحریک چلانے والے فریق کو شکست ہوئی ہو اور مطلوبہ مقاصد حاصل نہ ہوئے ہوں، چنانچہ اس لحاظ سے ان لوگوں نے آپ کو بے سوچے سمجھے خطرے میں کود پڑنے والا قرار دے دیا اور کہا کہ آپ اس خاص معاملہ کے لئے ضروری انتظام کیئے بغیر اس میں الجھ گئے، حالانکہ یہ لوگ غور سے دیکھتے اور گہرا مطالعہ کرتے تو وہ آپ کو اس سے مختلف پاتے اور ان کو معلوم ہو جاتا کہ آپ کے افعال کی بنیاد اس حقیقت پر تھی کہ آپ اسلام کے دفاع کے ذمہ دار اور رسالتمآبؐ کے فرزند تھے۔ چنانچہ ہر طرف سے لوگوں کی نظریں آپ پر لگی ہوئی تھیں اور تاریخ کے اس اہم موڑ پر اسلام کے مستقبل کو آپ کے موقف سے وابستہ کیئے ہوئے تھیں۔

اگر امام حسینؑ کے اس اقدام پر تنقید کرنے والوں کے خیال کے مطابق آپ یزید کی بیعت کر لیتے، جیسے ابن عمر اور دوسرے کمزور ارادے کے افراد نے کی، تو یزید کے لئے یہ بہت آسان ہو جاتا کہ وہ اپنی خلافت کو شرعی رنگ دیدے اور اپنی تمام بدکاریوں اور اسلام

سوز افعال پر اعتراض کرنے والوں کا منہ بند کردے لیکن آپ نے اس کی بیعت سے انکار کردیا اور اپنے اہل خاندان اور مٹھی بھر انصار کے ساتھ اٹھ کھڑے ہوئے' پھر اس خاص طرز سے جام شہادت نوش فرمایا اور اس طرح اپنے مخالفوں پر حجت تمام فرمادی کہ ان کے لئے آپ کو اور آپ کی اولاد و انصار کو قتل کرنے اور آپ کی عورتوں کو قیدی بنانے کا کوئی جواز باقی نہ رہا۔ اس طرح آپ نے معاویہ اور ان کے بعد ان کے بیٹے کی تمام تدبیروں کو تہس نہس کردیا۔ چنانچہ آپکی شہادت کے بعد مسلمانوں میں بے چینی پھیل گئی اور خاص طور پر اہل کوفہ میں شرم وندامت کا احساس جاگ اٹھا۔ وہ کہتے تھے کہ ہم نے اپنی زبان' مال اور جان سے امام حسینؑ کا ساتھ نہیں دیا۔ پس جب ہم اپنے نبیؐ سے ملاقات کرینگے تو ہمارے پاس اس بے تعلقی کا کیا عذر ہوگا۔ چنانچہ توابین کی تحریک اٹھی' اسکے بعد مختار نے خروج کیا' جس میں انہوں نے کربلا کے تمام شرکاء قلع قمع کرڈالا۔ اس طرح اہل حجاز اٹھ کھڑے ہوئے جن میں رسول اللہؐ کے باقیماندہ صحابی بھی تھے۔ انہوں نے یزید کی اطاعت ترک کردی اور امویوں کو انکے ظلم وستم کے باعث ذلیل کیا جو انہوں نے حسینؑ اور انکے انصار واعیال کے ساتھ کیا تھا۔ اس کے بعد بھی امویوں کے خلاف مسلسل تحریکیں اور شورشیں ہوتی رہیں۔ چنانچہ ان میں امام حسینؑ کا خون کاٹ کے لحاظ سے سارے ہتھیاروں سے زیادہ شدید ثابت ہوا۔ اسی کے سہارے عباسی اور فاطمی خاندان برسر اقتدار آئے۔ پھر حکومت کا ہر خواہشمند اسی کو اپنا ذریعہ بنانے لگا۔ حتی کہ علیؑ اور آل علیؑ کا ابن زبیر ایسا سخت دشمن بھی اپنی مصلحت کے لئے اسی کا سہارا لیتا رہا۔

میری رائے میں جس طرح امام حسینؑ کی شہادت نے اسلام کی بنیادوں کو مضبوط کیا' بنی امیہ کے منصوبوں کو برباد کیا اور مسلمانوں کو بیدار کیا' اسی طرح اہل شام میں سے علیؑ کے

دشمنوں اور اہل عراق میں سے ان کا ساتھ چھوڑ دینے والوں کو ذلت ورسوائی سے ہمکنار کیا۔ کیونکہ علیؑ کی جنگ اور حسنؑ کی صلح، دشمنوں کی ریشہ دوانیوں، ساتھیوں کی غداری اور معاویہ کے اپنے معروف طریقوں سے عوام کو گمراہ کرنے کے باعث بے نتیجہ قرار پا سکتی تھی، لیکن جب امام حسینؑ شہید ہو گئے اور بنی امیہ نے آپ کے سر اقدس اور آپ کے خاندان کی عورتوں کو شہر بہ شہر پھرایا تو بیشتر مسلمانوں پر واضح ہو گیا کہ علویوں اور امویوں کے مابین یہ پیکار انہی جنگوں کا شاخسانہ ہے جو محمد رسول اللہؐ اور ابوسفیان بن حرب میں ہوا کرتی تھیں۔

المختصر امام حسینؑ کا اقدام انتہائی دانشمندی سے تیار کیا ہوا ایک مضبوط منصوبہ تھا۔ اگر آپ مشورہ دینے والوں کے کہنے سے خانہ نشین ہو جاتے اور سر تسلیم خم کر دیتے تو گویا یزید کی حکومت کو شرعی رنگ عطا کر دیتے اور اگر یمن یا کسی دوسرے مقام کی طرف جا کر اپنے انصار اور حامیوں کو جمع کرتے تو آپ پر فتنہ برپا کرنے اور تفرقہ پردازی کا اتہام عائد کر دیا جاتا، جس سے آپ کے نظریئے کی حقیقت زائل ہو جاتی۔ چنانچہ آپ اسی عزم پر قائم رہے کہ اپنے ساتھ اپنے اہل خاندان اور اپنی عورتوں کو لے کر جائیں گے تا کہ دنیا دیکھ لے کہ بنی امیہ آپ کے ساتھ کیسا مجرمانہ سلوک کرتے ہیں، جس کو نہ دین حق بجانب قرار دے سکتا ہے، نہ ضمیر، نہ انسانیت ہی اس کو قابل قبول مانے گی۔ اس طرح صحرا میں بہائے گئے آپ کے خون کی بدولت آپ کا نظریہ زائل نہیں ہو سکے گا، خواہ دیکھنے والا آپ کے اور آپ کے دشمنوں کے مابین ہونیوالے کسی اور معاملے پر نظر ڈالے یا نہ ڈالے۔

ڈاکٹر عائشہ بنت الشاطی اپنی کتاب ''بطلۂ کربلا'' میں رقمطراز ہیں:

''حسینؑ کی بہن زینبؑ نے بنی امیہ اور ابن زیاد کے لئے فتح کا مزہ کرکرا کر دیا

اور فتحمندوں کے پیالوں میں کڑواہٹ بھردی۔ چنانچہ وہ تمام سیاسی واقعات جو اس کے بعد رونما ہوئے، جیسے امیر مختار اور ابن زبیر کی معرکہ آرائی، اموی حکومت کا زوال، عباسی حکومت کا قیام اور شیعہ جماعت کا استحکام۔ ان سب تحریکوں کو پیدا کرنے والی اور ابھارنے والی کربلا کی شیر دل خاتون جناب زینبؑ کی انقلابی تقریریں ہی تھیں"۔

ڈاکٹر احمد محمود صبحی اپنی کتاب "شیعہ اثنا عشریہ کا نظریۂ امامت" میں لکھتے ہیں: حالانکہ آپ کو جنگی پیکار میں بظاہر شکست ہوئی اور سیاسی میدان میں بھی نقصان پہنچا۔ تاہم تاریخ کسی ایسی شکست سے واقف نہیں ہے کہ جس سے شکست خوردہ جماعت کے لئے ایسا نتیجہ برآمد ہوا ہو جیسا کہ خون حسینؑ کا۔۔۔ کیونکہ آپ ہی کی شہادت کی بازگشت سے ابن زبیر کی شورش اور امیر مختار کی تحریک پیدا ہوئی اور پھر یہ ٹھنڈی نہیں پڑی، یہاں تک کہ معاملہ کچھ اور شورشوں تک پہنچا اور اموی حکومت کو زوال آ گیا۔ مزید یہ کہ "انتقام خون حسینؑ" ایک نعرہ بن گیا جس سے شاہی تخت الٹے گئے اور حکومتیں ختم کی گئیں۔ چنانچہ عباسیوں اور پھر فاطمیوں کی حکومتیں اسی کے سہارے پر قائم ہوئیں۔ نیز عرب، فارس اور روم میں بادشاہ اور فرمانروا انتقام خون حسینؑ ہی کے نعرے کو اپنا کر پروان چڑھتے رہے۔

ڈاکٹر صبحی مزید لکھتے ہیں: گو حسینؑ کو اپنی جان دینا پڑی، مگر وہ ان لوگوں کو دائمی رنج اور عبرت کے ایک ایسے عالم میں ڈال دینے میں کامیاب ہو گئے جنہوں نے آپ کے والد بزرگوار کے ساتھ بے وفائی کی اور ان کے قتل کو کوئی اہمیت نہ دی نیز آپ کے بھائی کے ساتھ غداری کی اور اس ذلت کی کوئی پروا نہ کی جس میں ان کو انہوں نے امویوں کے رحم وکرم پر چھوڑا تھا۔ اب خواہ کتنے ہی سال اور صدیاں بیت جائیں ان لوگوں کا یہ غم زائل نہ

ہوگا اور کبھی تسکین حاصل نہ ہوگی۔

اسی طرح آپ امویوں کے خلاف غم وغصہ اور نفرت پیدا کرنے میں کامیاب ہوگئے جبکہ وہ امام حسنؑ سے صلح ہوجانے کے بعد اپنی حکومت کو شرعی رنگ دے رہے تھے۔ اس کے بعد وہ مزید لکھتے ہیں: اس طرح حسینؑ مسلمانوں کے لئے ہر اس تحریک کے امام بن گئے جو ایسے بادشاہوں کو مٹانے کے لئے ابھرے، جو ناحق اپنی حکومت کو خلافت کا نام دیتے ہوں۔ اسی طرح عقیدے پر آپ کی شہادت کے اثر سے تشیع کے معنی حسینی ہوگئے کیونکہ ڈاکٹر صبحی کے بقول حسینؑ اپنے والد بزرگوار کے بعد شیعوں کے سب سے بڑے امام ہیں۔ اس لئے کہ عقیدے کے معاملے میں آپ کی شہادت نے وہ اثر چھوڑا ہے جو علیؑ کے بعد شیعوں کے اماموں میں سے کسی اور نے نہیں چھوڑا۔

امام حسینؑ کے اقدام کے نتائج اور دائمی اثرات کو بیان کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں:

ایک جرمن مستشرق نے ان سب نکات کو معلوم کرلیا کیونکہ اس نے دوسرے مستشرقین کی طرح امام حسینؑ کے اقدام کو صرف جنگی زاویہ نظر سے دیکھ کر سطحی فیصلہ نہیں کیا۔ چنانچہ مستشرق ''مارینی'' نے امام حسینؑ کے اقدام کو ایک ایسا منصوبہ قرار دیا کہ جس کو آپ نے معینہ مقاصد کیلئے تیار فرمایا تھا اور آپ کو اس کی کامیابی کا پورا یقین تھا۔ گویا یزید کے خلاف آپ کی پیش قدمی ایک عظیم دل کا پختہ ارادہ تھا۔ ان کے لئے اطاعت کرنا بھی مشکل تھی اور فوری فتح حاصل ہونا بھی مشکل تھی۔ پس انہوں نے اپنے اہل خاندان اور چند دوستوں کو ساتھ لیکر اقدام کیا جس میں ان کو موت کے بعد کامیابی حاصل ہونا تھی۔ اس سے حکومت الٰہیہ کا وہ نظریہ زندہ ہوا جو اس قربانی کے بغیر زندہ نہ ہوسکتا تھا۔

ڈاکٹر صبحی کہتے ہیں: ان تمام امور کے بعد امام حسینؑ کے اقدام کو ایک ایسے شخص کا فعل

قرار نہیں دیا جا سکتا جو کسی غلط مقصد کے لئے اٹھا ہو اور جسے اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنے والا کہا جا سکے' کیونکہ آپ نے اپنے دشمن کے سامنے تمام دلائل پیش کر دیئے تھے اور ان کے لئے کوئی ایسا بہانہ نہیں چھوڑا جس سے وہ آپ کو قتل کرنے میں حق بجانب ٹھہریں۔ اس لئے کہ آپ نے ان کے سامنے اپنی شرائط پیش کر دی تھیں۔ اس کے باوجود کہ آپ اور آپ کے سب ساتھی' آپ کی عورتیں اور بچے پیاس کی شدت برداشت کر رہے تھے۔ آپ نے اس وقت تک ان سے جنگ نہیں کی جب تک انہوں نے آپ کے لیئے حجت پیش کرنے کے تمام دروازے بند نہیں کر دیئے۔ پھر بھی آپ نے لڑائی شروع ہونے سے پہلے ان کے سامنے کھڑے ہو کر تقریر فرمائی' جس کے دوران آپ نے ان سے دریافت کیا کہ وہ کیوں آپ کے قتل کے درپے تھے۔ جبکہ نہ آپ کے ذمہ ان کا کوئی خون تھا' نہ آپ نے ان کا کوئی مال چھینا تھا۔ نہ ان کو آپ کے نبیؐ کی بیٹی کا بیٹا ہونے میں شک تھا۔ نیز آپ کے پاس ان لوگوں کے بھیجے ہوئے خطوط سے بھرے ہوئے دو بڑے تھیلے تھے جن میں آپ کو یہاں آنے کے لئے کہا گیا تھا۔ چنانچہ آپ نے وہ سب خط ان لوگوں کے سامنے پھیلا دیے۔

اس طرح امام حسینؑ کے یہ اقدامات ان کی اس سیاسی اور نظریاتی تحریک کے ان اسباب کو واضح کر دیتے ہیں جو آپ نے اس وقت بیان نہیں فرمائے تھے' جب مشورہ دینے والے آپ کو اس سے روک رہے تھے۔ علاوہ بریں یزید کے خلاف آپ کا اس وقت کا اقدام کسی تردد پر مبنی نہ تھا کیونکہ اس کی بیعت کرنا ایک عظیم گناہ تھا۔ یہ بیعت نہ تقیہ کے ماتحت برحق ہو سکتی تھی' نہ اس کے لئے کوئی اور عذر موجود تھا۔ چنانچہ آپ اپنے اس اقدام سے بنی امیہ کی حکومت کو تباہی کی راہ پر ڈال دینے میں کامیاب ہو گئے اور اس طرح آپ

نے تاریخ کو اس رخ سے ہٹا دیا جس پر اس کو بنی امیہ چلانا چاہتے تھے۔

استیعاب ابن عبدالبر میں حسن بصری سے روایت ہے کہ امام حسینؑ کے ساتھ آپ کے اہل خاندان کے ایسے ایسے افراد قتل ہو گئے جن کی مثال آج بھی صفحۂ ارض پر موجود نہیں ہے۔

شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید میں ہے کہ ایک شخص جو کربلا میں عمر بن سعد کے ساتھ موجود تھا۔ اس سے کہا گیا:

''وائے ہو تم پر۔ کیا تم نے رسول اکرمؐ کی اولاد کو قتل کر ڈالا۔ اس پر اس نے کہا: اگر تم وہ منظر دیکھتے جو میں نے دیکھا تو تم بھی وہی کرتے جو میں نے کیا۔ جس گروہ نے ہمارا مقابلہ کیا ان کا یہ حال تھا کہ ان کے ہاتھوں میں تلواروں کے قبضے تھے اور وہ خونخوار شیروں کی مانند سواروں کو داہنے اور بائیں گراتے جا رہے تھے۔ وہ اپنے آپ کو اس طرح موت کے سامنے پیش کر رہے تھے جیسے ان کو نہ امان چاہیئے نہ مال۔ گویا ان کے اور موت کے یا ملک پر قبضہ حاصل کرنے کے مابین کوئی رکاوٹ تھی ہی نہیں۔ ایسی حالت میں اگر ہم ان کے سامنے ذرا بھی نرمی دکھاتے تو وہ پورے لشکر پر حاوی ہو جاتے' پھر ہم ایسا کیوں نہ کرتے''؟۔

ان میں سے بعض مؤرّخوں نے نیز اصفہانی نے مقاتل الطالبین حضرت علی اکبرؑ کے متعلق بیان کیا ہے کہ آپ عمر کے انیسویں یا دوسری روایت کے مطابق تیرھویں سال میں تھے۔ آپ کی والدہ معظّمہ لیلیٰ بنت ابی مرۃ بن عروۃ بن مسعود ثقفی تھیں اور کثیر التعداد روایتیں ظاہر کرتی ہیں کہ وہ کربلا میں امام حسینؑ کے ساتھ موجود تھیں اور انھوں نے اپنے بیٹے کی شہادت دیکھی۔

عبداللہ بن حسینؑ چھوٹے بچے تھے۔امام حسینؑ نے ان کو اپنی بہن زینب سے لیا تا کہ اپنی حیات کے آخری لمحوں میں ان کو الوداع کہیں' اتنے میں ان کی گردن پر ایک تیر آ لگا' جبکہ وہ اپنے والد بزرگوار کی گود میں تھے۔ بیشتر روایات میں ہے کہ امام حسینؑ ان کو خود خیمے سے باہر لے کر گئے تا کہ دشمنوں سے ان کے لئے پانی طلب کریں کیونکہ وہ پیاس کے مارے جاں بلب تھے۔اس وقت حرملہ بن کاہل نے ان کو اپنے تیر کا نشانہ بنایا جو ان کی گردن پر لگا اور وہ اسی وقت قضا کر گئے۔ان کی ماں رباب بنت امراء القیس بن عدی تھیں۔

حمید بن مسلم جس نے کربلا کے بیشتر واقعات بیان کئے ہیں' اس سے روایت ہے کہ امام حسینؑ نے ایک چھوٹے بچے کو بلا کر اپنی گود میں بٹھالیا لیکن عقبہ بن بشیر نے اس کو ایک تیر کا نشانہ بنایا اور مار ڈالا۔پس حسینؑ نے اس کا خون اپنے ہاتھوں میں لیکر آسمان کی طرف پھینکا اور فرمایا: اے اللہ! یہ تیرے نزدیک ناقۂ صالحؑ سے کم نہیں ہے۔

ابن مہنا کی عمدۃ الطالب میں ہے کہ ابوالفضل العباسؑ بن علیؑ جو سقّا کے لقب سے مشہور ہیں' امام حسینؑ اور ان کے اہل وعیال کے لئے دریائے فرات سے پانی لایا کرتے تھے۔لیکن آخری دنون میں جب دشمنوں نے امام حسینؑ پر محاصرہ میں شدت کر دی تب حسب معمول وہ آخری مرتبہ پانی لینے گئے تو شہید ہو گئے' واپس نہیں آئے۔اور وہیں دریا کے قریب دفن ہوئے۔ان کی مادر گرامی ام البنین تھیں' ان کے تین سگے بھائی ان سے پہلے امام حسینؑ پر قربان ہوئے۔عباسؑ بڑے خوش شکل اور خوب صورت تھے۔مؤرخ بیان کرتے ہیں کہ وہ بلند اور توانا گھوڑے پر سوار ہوتے' تب بھی ان کے پیر زمین کو لگتے جاتے تھے۔ان کے القاب قمر بنی ہاشم اور سقّا تھے۔باوجود اپنے صبر اور قوت قلب کے امام

حسینؑ ان پر روئے اور فرمانے لگے:

''اب میری کمر ٹوٹ گئی''۔

شہادت کے وقت آپ کی عمر چونتیس سال تھی۔

عبداللہ بن علیؑ بن ابی طالب کی والدہ گرامی ام البنین تھیں۔ حضرت عباس نے ان کو بلا کر کہا: چلو اور حسینؑ پر نثار ہو جاؤ تا کہ اللہ کے نزدیک تمہارا مرتبہ بلند ہو جائے۔ چنانچہ انھوں نے بڑھ کر بہادرانہ جنگ کی لیکن لوگوں نے ہجوم کر کے ان کو قتل کر ڈالا۔

جعفر بن علیؑ بھی حضرت عباسؑ کے سگے بھائی تھے۔ یہ عنفوان شباب میں تھے۔ کربلا کے واقعات لکھنے والوں کا بیان ہے کہ وہ بیس سال کے بھی نہ ہوئے تھے۔ وہ بھی بڑی بہادری کے ساتھ دشمنوں سے لڑے۔ ان پر بھی لوگوں نے ہجوم کر لیا اور وہ قتل ہو گئے۔ اسی طرح ان کے بعد ان کے بھائی عثمان بن علیؑ آگے بڑھے اور وہ بھی قتل ہو گئے۔ عباس اور یہ تینوں بھائی فاطمہ بنت حزام سے تھے۔ انہی کی وجہ سے ان کی کنیت ام البنین ہو گئی تھی۔ راویوں کا کہنا ہے کہ بیٹوں کے قتل کے بعد وہ بقیع کی طرف نکل جایا کرتیں۔ تب ان کی حالت اور رونا دیکھ کر دشمن اور دوست سب ہی رونے لگتے تھے۔ وہ بین کیا کرتی تھیں:

''وائے ہو تم پر! اب مجھے ام البنین مت کہا کرو۔ اس طرح تم میرے بہادر شیروں کی یاد تازہ کر دیتے ہو۔ ہاں کبھی تھے میرے بیٹے، جن کی بدولت میں ام البین کہلاتی تھی، لیکن ہائے اب میرا کوئی بیٹا نہیں ہے۔

محمد الاخضر بن علیؑ بن ابی طالب، جیسا کہ طبری کی روایت ہے ان کی والدہ گرامی اسماء بنت عمیس تھیں۔ یہ بھی کہا گیا کہ وہ ایک کنیز کی اولاد تھے۔ ابوبکر بن علیؑ، ان کی ماں لیلیٰ بنت مسعود تھیں۔ مدائنی کا بیان ہے کہ وہ بھی مقتولین میں پائے گئے لیکن ان کا قاتل معلوم

نہیں ہوسکا۔ابوبکر بن حسنؑ کہ ابھی بلوغ کی عمر کو نہ پہنچے تھے۔ارباب مقاتل کا کہنا ہے کہ انکو عقبہ قنوی نے قتل کیا۔قاسم بن حسنؑ' یہ ابوبکر بن حسنؑ کے سگے بھائی تھے۔حمید بن مسلم کہتا ہے کہ ہمارے سامنے ایک لڑکا نمودار ہوا' جس کا چہرہ گویا چاند کا ٹکڑا تھا۔اس کے ہاتھ میں تلوار تھی۔وہ قمیص' پاجامہ اور جوتے پہنے ہوئے تھا جن میں سے ایک کا تسمہ ٹوٹا ہوا تھا۔مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ وہ بایاں ہی تھا۔عمرو بن سعد بن نفیل ازدی نے کہا: قسم بخدا میں اس کی طرف بڑھتا ہوں۔وہ اس وقت میرے قریب تھا۔میں نے اس سے کہا: اس لڑکے کے لئے۔تو وہی لوگ کافی ہوں گے' تم دیکھتے ہو کہ وہ اس کو گھیرے ہوئے ہیں۔چنانچہ وہ ابھی اپنا رخ بھی بدلنے نہ پایا تھا کہ اس کے سر پر تلوار کا وار ہوا' وہ منہ کے بل گر پڑا اور چلایا: اے چچا! قسم بخدا اس وقت حسینؑ آگ کی چنگاری کی طرح چمک کر نکلے اور شیر کی طرح عمرو پر تلوار سے حملہ کیا' لیکن عمرو نے اپنی کلائی سے اس کو روکا۔پس انہوں نے اس کلائی کو کہنی سے الگ کر دیا۔اب بنی سعد کے سواروں نے حملہ کر کے اس کو امام حسینؑ سے چھڑانا چاہا' لیکن اس طرح اپنے ہی سواروں نے اس کو کچل ڈالا اور وہ مر گیا۔جب گرد ہٹی تو معلوم ہوا کہ حسینؑ اس لڑکے کے سر کی طرف بیٹھے ہیں اور وہ ایڑیاں رگڑ رہا ہے۔حسینؑ کہتے جاتے ہیں: اے میرے بیٹے! اب جبکہ ان لوگوں نے تجھ کو قتل کر ڈالا۔تیرے چچا پر یہ امر کتنا سخت ہے کہ تو پکارے اور وہ جواب نہ دے سکے اور اگر جواب دے بھی تو کچھ کر نہ سکے۔

انہی شہداء میں عبداللہ بن حسنؑ' عون بن عبداللہ بن جعفر' محمد بن عبداللہ بن جعفر کے علاوہ عقیل کے تین بیٹے یعنی عبداللہ' جعفر اور عبدالرحمٰن بھی ہیں۔ابن کثیر کی بدایہ ونہایہ میں ہے کہ شہیدوں میں جعفر بن عقیل کے ایک صاحبزادے خالد بن جعفر بھی ہیں۔اسی طرح امام حسینؑ کے ساتھ قتل ہونے والوں میں محمد بن سعید بن عقیل' عبداللہ بن مسلم' محمد بن مسلم

اور عبیداللہ بن جعفر بن ابی طالب بھی شامل ہیں۔ چنانچہ محمد بن فتح بدران اور فواد علی وفا نے اپنی اپنی کتابوں "غصن الرسولؐ" اور "حسینؑ بن علیؑ" میں لکھا ہے کہ علوی شہیدوں کی تعداد اکیس تک پہنچتی ہے۔

جیسا کہ واقعہ کربلا کے متعلق روایات بیان کرتی ہیں' امام حسینؑ کی اولاد میں سے امام زین العابدینؑ زندہ رہ گئے کیونکہ وہ ان دنوں بیمار تھے۔ البتہ قیدیوں کے کوفہ پہنچنے اور ابن زیاد کے سامنے حاضر کیئے جانے کے وقت ابن زیاد نے چاہا تھا کہ آپ کو بھی قتل کر دے لیکن آپ کی پھوپھی جناب زینبؑ آپ سے لپٹ گئیں اور آپ پر اپنے آپ کو گرا کر کہنے لگیں:

"اگر تو ان کو قتل کرنا چاہتا ہے تو مجھ کو ان سے پہلے قتل کر دے۔ چنانچہ ان کی وجہ سے اس نے آپ کو چھوڑ دیا۔ آپ اس وقت شادی شدہ تھے اور آپکے ایک بیٹے (امام) محمد باقر آپکے ہمراہ تھے' جن کی عمر اس وقت دو سال یا اس سے کم وبیش تھی۔

الامامت والسیاست ابن قتیبہ میں امام محمد بن علی الباقرؑ سے روایت ہے کہ ہم بارہ لڑکے ایک ہی رسی میں بندھے ہوئے تھے اور ہم صرف ایک ایک قمیص پہنے ہوئے تھے۔ جب ہم یزید بن معاویہ کے سامنے پہنچے تو وہ کہنے لگا: تم نے اپنے آپ کو اہل عراق کا غلام بنالیا ہے۔ مجھ کو ابوعبداللہ کے خروج کا کوئی علم نہ تھا' جب تک کہ وہ ہم پر چڑھ نہیں آئے اور نہ ان کے قتل کا علم تھا' جب تک کہ وہ قتل نہ ہو گئے۔

ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ وہ یہ چاہتا تھا کہ اس طرح وہ خود امام حسینؑ کے قتل سے بری ہو جائے' حالانکہ اُسی نے اس کا حکم دیا تھا اور اس کا سامان کیا تھا۔ وہ ایسی باتیں اس

لئے کر رہا تھا کہ اب اس کو ہر طرف سے اپنے خلاف غم و غصے کا احساس ہو رہا تھا۔ نیز اس کو اور اس کے گھرانے کو ہر طرف سے خطروں نے گھیر لیا تھا۔ چنانچہ اس کو معلوم ہو گیا تھا کہ اگرچہ مسلمانوں نے اُس کے اور اس کے باپ کے ہاتھوں طرح طرح کے ظلم و ستم برداشت کر لیئے تھے لیکن اب وہ حسینؑ کا قتل اور ان کی عورتوں کا قید کیا جانا برداشت نہ کریں گے۔

شہادت امام حسینؑ کی شیعہ تعبیر

ڈاکٹر احمد صبحی وغیرہ کی نظر سے:

امام حسینؑ کی شہادت پر شیعی نقطۂ نظر پر ڈاکٹر صبحی وغیرہ کی رائے پیش کرنے سے پہلے میں چاہتا ہوں کہ امام حسینؑ کی شہادت کے متعلق شیعوں کا عقیدہ بیان کر دوں۔ گو میں پچھلے صفحات میں اس بارے میں لکھ چکا ہوں' تا کہ ان افترا پردازوں کے خیالات کی تردید ہو سکے جو ارادتاً یا بلا ارادہ شیعہ عقیدوں کی شکل کو ایسی حدیثوں کی بنا پر بگاڑنے کی کوشش میں لگے رہتے ہیں جو بعض شیعہ کتب میں موجود ہیں' جبکہ خود شیعہ نہ ان حدیثوں پر عقیدہ رکھتے ہیں' نہ ان کو کسی شمار میں لاتے ہیں۔ ایسے موضوعات پر قلم اٹھانے والوں سے میری یہ تمنا رہتی ہے کہ وہ کامل مطالعہ اور تحقیق کرنے سے پہلے اپنے فیصلوں میں جلدی نہ کیا کریں تا کہ ان کے فیصلے ایسے ہلکے نہ ہوا کریں۔

شیعوں کا عقیدہ ہے کہ حسینؑ اپنے والد بزرگوار اور اپنے برادر عالی قدر کے بعد تیسرے امام ہیں' کیونکہ آپ کی اور آپ کے بھائی کی امامت پر آپ کے جد بزرگوار

رسول اکرمؐ نے اس حدیث شریف میں صراحت فرمادی ہے جو سنی اور شیعہ دونوں گروہوں کے محدثین میں مشہور ہے اور اس کو سنی محدثین نے صحیح قرار دیا ہے، یعنی الحسن و الحسین امامان قاما او قعدا پس حسنؑ اور حسینؑ دونوں امام ہیں۔ وہ کھڑے ہوں (جنگ کریں) یا بیٹھے ہوں (یعنی صلح کریں)۔ اس حدیث کے ماخذ کے بارے میں ہم زیر نظر کتاب کی ابتدائی فصلوں میں بہت کچھ لکھ چکے ہیں۔ اسی طرح ہم آپ کے، آپ کے بھائی اور آپ کے والد بزرگوار کے متعلق آپ کے نانا رسول اکرمؐ کی وہ حدیثیں بھی بیان کر چکے ہیں جو معنی کے لحاظ سے متواتر ہیں۔

مسلمان آپ کی زندگی میں آپ کو مقدس مانتے رہے، آپ کی تعظیم کرتے رہے اور ان کو آپ کی شخصیت میں آپ کے جد بزرگوار کا خاکہ نظر آتا رہا۔ اس لئے نہیں کہ آپ رسول اکرمؐ کے محبوب فرزند تھے بلکہ اس لئے کہ آپ اپنے نانا کی سیرت اور اسلام کی تعلیمات کا مجسمہ تھے، نیز آپ ہر لحاظ سے آنحضرتؐ کی سیرت اور سنت کا اعلیٰ نمونہ تھے۔ چنانچہ ہم پچھلی فصلوں میں آپ کی سیرت کے بیان میں ان میں سے بعض پہلوؤں کی طرف اشارہ کر چکے ہیں۔

جب حکومت امویوں کے ہاتھوں میں آ گئی تو وہ ناجائز افعال کے ارتکاب اور اسلام کے اصول اور تعلیمات کی خلاف ورزیوں میں بہت بڑھ گئے۔ جب وہ نیک اور پارسا افراد پر شدید قسم کے ظلم و ستم ڈھانے لگے تو مسلمان امام حسینؑ سے طالبِ پناہ ہوئے، کیونکہ آپ نواسۂ رسولؐ اور شریعت کے محافظ تھے۔ اس وقت آپ کے لئے ان سرکشوں کے خلاف اقدام کرنا ضروری ہو گیا، خواہ آپ کو اس کی کچھ بھی قیمت دینا پڑے۔ آپ نے یزید بن معاویہ کی حکومت سے ٹکر لینے کے لئے تمام امکانی صورتوں اور اسلام کے مفاد میں

ان سے برآمد ہونیوالے نتائج پر نظر ڈالی تو آپ نے اس سے زیادہ مناسب اور مفید کوئی صورت نہ پائی کہ آپ خود اپنی اور اپنے مٹھی بھر اہل خاندان اور انصار کی جانوں کی قربانیاں پیش کریں اور اپنی عورتوں اور بچوں کو قیدیوں کی حیثیت سے شہر بہ شہر تشہیر کے لئے پیش کریں۔ چنانچہ آپ اپنے ساتھ اپنے بیٹوں' بھائیوں' چچازاد بھائیوں اور اصحاب کو لے کر چل کھڑے ہوئے' کیونکہ آپ پر اپنی ذمے داریاں پوری طرح عیاں تھیں اور آپ کو اپنی راہ عمل پر پورا اعتماد تھا۔ چنانچہ نہ آپ اس اقدام سے باز رہنے کا مشورہ دینے والوں کے مشوروں کی پروا کرتے تھے' نہ کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے ڈرتے تھے بلکہ آپ بہادرانہ شان سے زندہ رہے اور بہادرانہ روش ہی کے ساتھ مرے۔ اس طرح آپ ہر اس شخص کے لئے ایک پاکیزہ نمونہ عمل' بہترین نمونۂ حیات اور بہادری کی اعلیٰ مثال بن گئے جو نیزوں کے سائے میں حاصل ہونے والی موت کو' خود سر ظالموں کے ساتھ زندگی بسر کرنے پر' ترجیح دیتا ہے۔ آپ اس راہ پر گامزن رہے جو آپ کے لئے ایک فریضے کے طور پر معین تھی۔ چنانچہ آپ فرماتے تھے میں ان ظالموں کیساتھ زندہ رہنے کو بدبختی اور موت سے ہمکنار ہونے کو سعادت سمجھتا ہوں۔

تاریخ کسی ایسی جنگ کے ذکر سے خالی ہے' جس میں ہارنے والے کے لئے ایسے مفید نتائج نمودار ہوئے ہوں' جیسے امویوں کے ساتھ آپ کی جنگ سے برآمد ہوئے۔ آپکی شہادت کے بعد جو بھی سیاسی تحریک ابھری' اس نے آپ ہی کے اصول' عزم اور کامیابی سے تقویت حاصل کی:

''کتنی بار فتح سے شکست کی خرابیاں پھوٹ پڑتی ہیں اور ظالموں کے مکانات کھنڈر بن کر رہ جاتے ہیں''۔

یہ ہے وہ زوایۂ نگاہ جس سے شیعہ امام حسینؑ کی شہادت کو دیکھتے ہیں۔ وہ ہر سال آپ کے ذکر کے لئے اجتماع منعقد کرتے ہیں اور اکثر اوقات وہ یہی خواہش کرتے ہیں کہ اس لو کا شعلہ نہ بجھے نہ چھپے بلکہ مسلسل روشن رہے تا کہ آنے والی نسلیں ظلم وسرکشی کے خلاف ہر زمانے اور ہر مقام پر اٹھنے والی تحریکوں میں اس سے ہمت وجرأت حاصل کرتی رہیں۔

ائمہ اہل بیتؑ اس ذکر کو ہمیشہ زندہ رکھنے کے خواہشمند رہے۔ چنانچہ انھوں نے اس کو باقی رکھنے اور پھیلانے کا حکم فرمایا کیونکہ یہ اسلام کے عظیم مقاصد اور اعلیٰ مطمح نظر سے علٰحدہ نہیں ہے۔ امام جعفر صادقؑ نے عاشورہ محرم کے روز اپنے اصحاب کی ایک جماعت سے فرمایا: کیا تم لوگ اس بات کو یاد کرتے ہو کہ میرے دادا حسینؑ پر کیا گزری؟ قسم بخدا! ان کو اس طرح ذبح کیا گیا جیسے مینڈھے کو ذبح کیا جاتا ہے۔ پھر ان کے ساتھ ان کے سترہ ایسے بیٹے، بھائی اور رشتے دار بھی مارے گئے جن کا مثل صفحۂ ارض پر نہ تھا۔

بافہم شیعہ جانتے ہیں کہ اس سے امامؑ کا مقصد یہ نہیں تھا کہ وہ لوگوں کے جذبات اور احساسِ غم کو ابھار کر ان کو رونے پر آمادہ کریں، بلکہ آپ چاہتے تھے کہ ان دلدوز واقعات کو بار بار یاد دلا کر ان کے ذہنوں میں حق کی عظمت نقش کر دیں، جس کے لئے اور جس کی راہ میں حسینؑ ہر چیز کو ہیچ قرار دیتے ہوئے شہید ہو گئے اور اپنی ہر شے یعنی مال، اولاد اور خود اپنی جان تک اس پر قربان کر دی۔

امام حسینؑ، ان کے اہل خاندان اور اولاد پر جو کچھ گزرا تھا اس کو امام رضاؑ نے اپنے اصحاب کی ایک جماعت کے سامنے بیان کرتے ہوئے اور ان کے ذہنوں میں کربلا کے واقعات کی یاد تازہ کرتے ہوئے فرمایا: جب کبھی تم ان کا ذکر کیا کرو تو کہا کرو:

"یالیتنا کنا معکم فنفوز فوزا عظیما"۔

''کاش! ہم بھی آپ کے ساتھ ہوتے اور عظیم کامیابی پر فائز ہوتے''۔

آپ چاہتے تھے کہ آپ کے اصحاب' آپ کے شیعہ اور عام مسلمان اپنی روحوں اور اپنے عزائم کے لحاظ سے امام حسینؑ' نیز ان افراد کے ساتھ رہیں جو ہر زمانے میں اور ہر مقام پر انسان کی بھلائی کے لئے کوشاں رہتے ہیں' کیونکہ امام حسینؑ ظلم کے خلاف اقدام کر کے اسلام کے ان پہلوؤں کا مظہر بن گئے ہیں۔

امام رضاؑ اپنے اصحاب اور شیعوں سے یہ کہنا چاہتے ہیں: ہر زمانہ میں یزید جیسے ظالم اور بنی امیہ ایسے جابر پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ پس تم لوگ اسی طرح ظالموں اور جابروں کے خلاف رہو جس طرح حسینؑ اپنے زمانے میں یزید اور اس کے ساتھیوں کے مخالف رہے۔ ائمہ کرامؑ کے موقف کی ایسی بہت ساری مثالیں ہیں۔ وہ یہ کوشش کرتے تھے کہ لوگوں کے ذہنوں کو ظالموں کے خلاف نفرت سے بھر دیں اور حق انسان کی عزت اور آزادی کی راہ میں ہر دوسری چیز کو بے وقعت قرار دیدیں۔ آج کل کے شیعہ عوام امام حسینؑ کے اقدام کے اغراض کو سمجھنے سے قاصر ہیں اور انہوں نے ان مجالس میں جو امام حسینؑ کے لئے ہر سال جگہ جگہ منعقد کی جاتی ہیں اس کے صحیح مقاصد سے ہٹ کر کچھ غیر مفید چیزیں داخل کر لی ہیں لیکن حسینؑ' ان کی شہادت اور اس کے اثرات کے بارے میں شیعوں کی رائے اور عقیدے سے ان چیزوں کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

ڈاکٹر احمد محمود صبحی نے اپنی کتاب ''شیعہ اثنا عشریہ کا نظریہ امامت'' میں شیعوں اور ان کے اماموں کے بارے میں لکھا ہے اور کتاب کے بعض حصوں میں ایک ایسے مطالعہ کرنے والے کی طرح نظر ڈالی ہے جو حقیقت کی تلاش میں ہو۔ انہوں نے واقعات کو مجرد کر کے

مناسب اہمیت دی ہے۔ یہی وہ چیز ہے جس کی وجہ سے ہم ان کو اور ہر ایسے لکھنے والے کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں، خواہ وہ کسی رنگ یا نسل کا فرد ہو لیکن کتاب کے بعض دوسرے حصوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہاں انہوں نے اس نظر اور اس جذبے سے کام نہین لیا جس سے انہوں نے دوسری فصلیں لکھی ہیں۔ ہم قاری کے لئے اس طرح کی ایک مثال پیش کرتے ہیں کتاب مذکور کے صفحہ ۳۴۴ پر ''شہادت حسینؑ کی شیعی تفسیر'' کے تحت لکھا ہے:

''شیعوں کا عقیدہ ہے کہ رسول اکرمؐ نے اپنے بیٹے ابراہیم کی وفات پر رنج وغم کا اظہار فرمایا اور آپ کی قبر پر روتے ہوئے فرمایا: اے ابراہیم تم پر آنکھ آنسو بہارہی ہے، دل شکستہ ہورہا ہے اور میں رنج میں ڈوبا ہوا ہوں۔ تب اللہ نے آنحضرتؐ کو ان کی وفات کے سبب سے آگاہ کیا۔ چنانچہ جبرئیلؑ نے حاضر ہوکر کہا: اللہ آپ کو سلام کہتا ہے اور فرماتا ہے: آپ چاہیں تو ابراہیم کی زندگی لے لیجئے، اللہ ان کو دوبارہ زندگی عطا کرکے آپ کے بعد نبوت پر سرفراز کردے گا۔ اس کے بعد آپ کی امت ان کو قتل کردیگی اور اللہ امت کو جہنم میں ڈال دیگا، یا ان کی موت قائم رہے اور آپ کے لئے حسینؑ زندہ رہیں۔ اللہ ان کو امام قرار دیدے گا۔ پھر آپ کی نصف امت ان کو قتل کردے گی، جن میں ان کے قاتل ہوں گے قاتلوں کے مددگار ہوں گے، ان کا ساتھ چھوڑ دینے والے ہوں گے اور وہ لوگ ہونگے جو ان کے قتل پر راضی رہیں گے۔ اللہ ان سب کو جہنم میں ڈال دے گا۔ پس آنحضرتؐ نے اپنی امت کے لئے دونوں نقصان دہ صورتوں میں سے کم نقصان کی صورت کو پسند فرمایا اور امام حسینؑ کے قتل کیئے جانے پر راضی ہوگئے۔ اس پر انہوں نے یہ اضافہ بھی کیا ہے کہ: حسینؑ کی شہادت کے بارے

میں شیعوں کا عقیدہ اس عقیدے سے بہت ملتا ہے جو مسیحؑ کے بارے میں عیسائیوں کا ہے۔ یعنی یہ کہ حسینؑ نے اس لئے اپنی جان کی قربانی پیش کی کہ گنہگار شیعوں کی بخشش کا باعث بن جائیں۔ جیسا کہ عیسائی مسیحؑ کے بارے میں کہتے ہیں۔ یہ عبارت انہوں نے مستشرق رونالڈ کی کتاب عقیدۃ الشیعہ سے نقل کی ہے''

وہ مزید کہتے ہیں: شیعہ اس مشابہت کو چھپاتے نہیں ہیں جس سے شیعیت اور مسیحیت میں یہ نظریہ نجات ابھرا ہے' کیونکہ وہ مسیحؑ اور حسینؑ میں تشابہ کی ایک بڑی وجہ یہ بھی بیان کرتے ہیں اور کہتے ہیں: کبھی کوئی بچہ چھ ماہ کے حمل سے پیدا نہیں ہوا سوائے عیسیٰؑ بن مریمؑ اور حسینؑ کے۔

ڈاکٹر صجی آگے چل کر کہتے ہیں: بعض ہندوستانی شیعہ معاصر بیان کرتے ہیں کہ وجود کا اصلی باعث حسینؑ ہی ہیں۔ وہ علت و معلول کے مابین جوہری رابطہ اور اللہ اور انسان کے درمیان ایک سنہری کڑی ہیں۔ وہ اپنے اس قول کو ان جملوں پر ختم کرتے ہیں: ایک ہندوستانی شیعہ مصنف نے حسینؑ کو الٰہی صفات سے متصف کیا ہے' جس کی نظیر ہم کو مسیح کے متعلق عیسائیوں کے عقیدے میں ملتی ہے۔ اس کے علاوہ اس موضوع پر اور بھی باتیں ہیں جو ان کی کتاب میں ملتی ہیں کہ شہادت حسینؑ کے بارے میں شیعہ عقائد میں ان باتوں کی نہ کوئی جڑ ہے نہ بنیاد۔ اسی طرح ابراہیم کی حیات و موت کے متعلق رسول اکرمؐ اور جبرئیلؑ کے درمیان انہوں نے جو گفتگو نقل کی ہے' صحیح شیعہ روایتوں میں اس کا کوئی وجود نہیں ہے اور کوئی شیعہ اس کو نہیں مانتا۔ شیعوں' ان کے علماء اور ائمہ کرامؑ کے نزدیک شہادت حسینؑ کی صحیح تفسیر وہی ہے جو ہم نے بارہا آپ کی سیرت کے ذیل میں بیان کی ہے' جو کردار کے اعلیٰ نمونوں' قربانیوں' آداب و اخلاق اور ہر اس صفت سے بھری ہوئی ہے جو دنیا و آخرت میں

انسان کو رفعت بخشتی ہے۔

شیعہ اور محرم کا پہلا عشرہ

ماہ محرم کی دسویں کو امام حسینؑ کے شہید ہو جانے کے وقت سے اس ماہ کے ابتدائی ایام میں سالانہ ماتم اور رنج و غم منایا جاتا ہے۔ شیعوں کے امام بھی اس بات کے خواہشمند رہے ہیں کہ یہ المیہ اپنے مقاصد کے ساتھ ایک مثال کے طور پر لوگوں کے ذہنوں میں موجود رہے۔ شیعہ روایات بتاتی ہیں کہ امام زین العابدینؑ المیۂ کربلا کو بار بار دہراتے تھے اور امویوں نے آپ کے والد بزرگوار کے ساتھ جو ظلم و جور کیا تھا' اس کو یاد کر کے گریہ فرمایا کرتے تھے۔ حتی اینکہ ''بکّاء'' (بہت رونے والا) آپ کا ایک لقب قرار پا گیا۔ یہی حال دوسرے اماموں کا تھا۔ چنانچہ شیعوں نے ماہ محرم کے ان دنوں کو امام حسینؑ پر رونے اور نوحہ کرنے کے دن قرار دے لیا' جن میں وہ خاص مقامات پر جمع ہو کر آپ کی اور آپ کے اہل خاندان کی مرگ و شہادت اور قید و بند کے مصائب بیان کر کے ان پر جی بھر کے روتے رلاتے ہیں۔ نیز ان میں سے بہت سے افراد ہر سال آپ کی قبر مطہر کی زیارت کے لئے بھی جاتے ہیں۔ چنانچہ اقتدار میں آنے والی حکومتوں نے بھی اس معاملے میں کسی کو نہیں روکا۔ البتہ جب متوکل عباسی خلیفہ بنا' جو علویوں سے اپنی شدید دشمنی میں مشہور تھا تو اس نے امام حسینؑ کی قبر مسمار کرا دی اور لوگوں کو اس کی زیارت کرنے سے روک دیا۔ اس نے آپ کا ماتم کرنے اور آپ کی زیارت کے لیے جانے پر جائیداد کی ضبطی اور موت کی سزا مقرر کر دی۔

تاریخ ابن کثیر میں سنہ ۲۳۶ ھ کے حالات میں آیا ہے کہ متوکل عباسی' امام علیؑ اور

آپ کے اہل خاندان سے سخت بغض رکھتا تھا' یہاں تک کہ جس کسی کے متعلق اس کو یہ معلوم ہوتا کہ وہ علیؑ اور حسینؑ سے محبت رکھتا ہے' وہ اس کے مال کی ضبطی اور اس کے قتل کا ارادہ کر لیتا تھا۔ مزید کہ اس نے اپنے مصر کے گورنر کو حکم بھیجا کہ آل ابوطالب کو مصر سے نکال کر عراق بھیج دے' کیونکہ یہ لوگ مصر میں علیؑ سے محبت کا اظہار کیا کرتے تھے اور حسینؑ پر کربلا میں جو کچھ گزرا تھا اس کو بیان کرتے رہتے تھے۔ چنانچہ مصر کے گورنر اسحٰق بن یحییٰ نے رجب سنہ ۲۳۶ھ میں ان لوگوں کو وہاں سے نکال دیا اور جو کوئی اہل بیتؑ کا ہم خیال تھا وہ روپوش ہو گیا۔ اس کے عہد میں خود اس کے اور اس کے صوبائی اور ضلعی حاکموں کے تعصب کی بدولت شیعوں اور علویوں پر سخت ظلم و ستم ہوتا رہا۔ جس میں وہ لوگ ہر طرف سے گھرے ہوئے تھے۔

جیسا کہ ابن اثیر وغیرہ نے کہا ہے' متوکل کی موت اور اس کے بیٹے مستنصر کے خلیفہ بن جانے پر وہ سختیاں کچھ کم ہو گئیں جن کے باعث یہ لوگ تباہ ہو گئے تھے۔ چنانچہ وہ سنہ ۲۴۸ھ کے حالات میں لکھتا ہے کہ مستنصر نے مزارات علیؑ و حسینؑ کی زیارت کی اجازت دیدی' علویوں کو امان دی' ان کی جائیدادیں واگزار کر دیں اور فدک ان کو واپس دیدیا۔ اس نے سب سے پہلے یہ کیا کہ مدینہ سے صالح بن علی کو معزول کیا' جو ان لوگوں پر طرح طرح کے ظلم و ستم ڈھاتا رہا تھا۔ پھر اس کی جگہ پر علی بن حسن بن اسمٰعیل بن عباس بن محمد کو مقرر کیا۔ جب وہ مدینہ جانے کے لئے رخصت ہونے کو آیا تو اس نے اس سے کہا: اے علی! میں تم کو اپنے گوشت 'پوست' خون اور دست و بازو کی طرف بھیج رہا ہوں۔ پس خیال رکھنا کہ تم ان سے کیا سلوک کرتے ہو اور ان کے ساتھ میری طرف سے کس طرح پیش آتے ہو۔

شیعوں نے اپنا یہ مستقل وطیرہ بنا لیا کہ ان کو جب بھی موقع ملتا وہ شیعیت کے تمام

مظاہر کے ساتھ غم حسینؑ کیلئے جمع ہو جایا کرتے تھے۔ خواہ وہ کوئی ایسا علاقہ ہو جہاں ان کا غلبہ ہو، جیسے عراق اور فاطمین کے زیر حکومت افریقہ یا وہ علاقہ ہو، جہاں وہ دوسروں کے مقابلے میں اقلیت میں ہوں۔ مصر میں کافور اخشیدی کے دور میں بھی ان کا یہی طریقہ تھا جو بعض مؤرخین کے نزدیک شیعوں سے سخت تعصب رکھتا تھا۔ تاہم اس کے عہد میں بھی یہ لوگ دوسروں کے مقابلے میں کم تعداد میں ہونے کے باوجود اپنے طریقوں پر جمے رہے۔ چنانچہ وہ ان کے افعال سے چشم پوشی کرنے پر مجبور تھا جو اہل بیتؑ کے مصائب پر رنج و غم کے اظہار کے لئے کرتے تھے۔

مصر میں سختیاں صرف اسی وقت ختم ہوئیں جب وہاں فاطمیوں کا تسلط ہوا اور المعز الدین اللہ وہاں کا فرمانروا ہوا۔ اب تو دوسروں نے بھی اس کے لئے مناسب فضا پیدا کر دی اور یہ ذکر زندہ رکھنے میں شریک ہو کر فراخدلی سے اس میں مال و دولت خرچ کرنے لگے۔ چنانچہ اس کے عہد میں شیعوں کو بڑا عروج حاصل ہو گیا۔

مقریزی اپنی کتاب خطط میں کہتا ہے: فاطمیین یوم عاشورہ پر اونٹ اور گائیں ذبح کرتے اور خوب نوحہ و بکاء کرتے تھے۔ ان کا یہ دستور ان کی سلطنت کے ختم ہونے تک قائم رہا۔ اس پر انہوں نے المعز الدین اللہ کی سیرت کے ذیل میں ابن زولاق کی اس روایت کا اضافہ کیا ہے کہ سنہ ۳۶۳ھ کو یوم عاشورہ پر کچھ شیعہ جن کے ہمراہ اپنے لوگوں کے علاوہ افریقی سوار بھی تھے، وہ ام کلثوم اور نفیسہ کی قبروں پر گئے تاکہ سب مل کر حسینؑ پر گریہ کریں، تب ان لوگوں نے شدت جذبات میں وہاں پانی پلانے والوں کے برتن توڑ ڈالے۔ سنہ ۳۹۶ھ میں حسب معمول یہ حکم جاری ہوا کہ بازار بند کر دیئے جائیں اور ذاکرین جامع قاہرہ میں جا کر وہاں نوحہ و بکاء کرنے کے لئے جمع ہوں۔ اس کے بعد مقریزی فاطمیین کی

وہ کیفیت بیان کرتا ہے جو ۱۰ محرم الحرام کو حکومت اور قوم کی طرف سے رنج وغم کے مظاہروں میں ہوتی تھی۔ یہان تک کہ وہ لکھتا ہے: جب محرم کی دسویں تاریخ ہوتی تو خلیفہ عوام سے روکش ہوجاتا۔ جب دن چڑھ آتا تو قاضی القضاۃ اور دوسرے ارکان حکومت غم انگیز ہیئت میں سوار ہوکر نکلتے' امام حسینؑ کے روضہ پر جاکر بیٹھ جاتے اور اہل بیتؑ کے غم میں مرثیہ پڑھتے ۔ یہ عمل تین گھنٹے تک جاری رہتا۔ پھر خلیفہ ان کو اپنے قصر میں بلالیتا۔ جب قاضی القضاۃ' خطیب اور ساتھ والے لوگ باب الذہب پر پہنچتے تو وہاں ان کو دہلیزوں کے آگے چٹائیاں بچھی ہوئی ملتیں ۔ چنانچہ قاضی' ان کے پہلو میں خطیب اور دیگر ہر طبقے کے افراد ان چٹائیوں پر بیٹھ جاتے ۔ پہلے قرآن پڑھا جاتا پھر ذاکرین مصائب پڑھتے ۔ اس کے بعد سب لوگ دسترخوان کی طرف بڑھتے' جس پر پنیر' دودھ' شہد وغیرہ چنے ہوتے تھے۔کھانے سے فارغ ہوکر نوحہ خواں وہاں سے چلے جاتے اور نوحہ خوانی کرتے ہوئے قاہرہ میں چکر لگاتے ۔اس روز دکاندار اپنی دکانوں کو بالکل بند رکھتے تھے۔اس کے علاوہ مقریزی نے ان تمام مظاہر کا ذکر کیا ہے جس پر فاطمی حکومت اپنے قیام کے زمانے میں عمل پیرا رہی۔

جب ایوبیوں کا دور آیا تو انھوں نے ان تمام طریقوں کو پلٹ کر رکھ دیا۔اب دسویں محرم کو خوشی اور مسرت کا دن قرار دیا گیا۔جس میں لوگ رنگارنگ کپڑوں' اچھے اچھے کھانوں 'لذیز مٹھائیوں اور نئے نئے برتنوں کا استعمال کرکے خوشی مناتے تھے تاکہ شیعوں کی مخالفت اور توہین کریں' جیسا کہ مقریزی نے خطط میں لکھا ہے۔

بنی بویہہ کے عہد میں شیعہ عوام اور حکام عراق میں اسی طرح عمل کرنے لگے جیسے مصر میں فاطمیین کے دور میں تھا۔ چنانچہ تاریخ ابوالفداء میں سنہ ۳۵۲ھ کے حالات میں آیا ہے

کہ محرم کے دسویں روز معزالدولہ بازار بند کروادیتا اور پھر یہ حکم دیتا تھا کہ حسینؑ کے غم میں مرد نوحے پڑھتے ہوئے اور عورتیں بال بکھرائے، لباس چاک کیئے اور منہ پر تھپڑ مارتی ہوئی نکلیں۔

بدایہ ونہایہ میں ابن کثیر نے بھی حکومت بنی بویہہ کے حالات میں یہ ذکر کرتے ہوئے اس کی تائید کی ہے کہ وہ بغداد میں ہر سال دسویں محرم اور اس سے پہلے کے دنوں میں یہ عمل کیا کرتے تھے۔ اس کے علاوہ راویوں نے رنج وغم کے اور بھی مظاہر بیان کیئے ہیں جو شیعہ حاکم اور عوام اختیار کیا کرتے تھے۔ ادھر سنی فرمانروا اور عوام اس کے مقابلے میں شیعوں اور ان کے طریقوں کی مخالفت میں خوشی اور مسرت کا اظہار کرتے تھے۔ ہم اللہ سبحانہ سے توفیق چاہتے ہیں کہ وہ ہم کو قول میں پختگی اور عمل میں خلوص عطا کرے نیز یہ توفیق بھی چاہتے ہیں کہ ہم حسینؑ کے اس مثالی اقدام سے مظلوم اور ستائے ہوئے لوگوں کی مدد کرنے نیز حق کی راہ میں قربانی دینے کا طریقہ سیکھ لیں۔

(سیرت ائمہ اہل بیت علیہم السلام)

جلد دوم

(ص۔۸۔۱۲۳)

ہاشم معروف حسنی

(لبنان)

تاریخِ حیات و قیامِ امام حسین

علیہ السلام

اقتباس از کتاب تاریخ اسلام جلد سوم

تألیف: گروہ نگارش

امام حسینؑ کی سوانح عمری

ولادت

تین شعبان سنہ ۴ ہجری کو علیؑ و پیغمبرؐ کی دختر گرامی کے دوسرے میوۂ دل کی پیدائش ہوئی۔ [۱] ان کا نام رکھنے کی رسم بھی ان کے بھائی حسن بن علی کی طرح پیغمبرؐ کے ذریعہ انجام پائی، رسول اکرمؐ نے خدا کے حکم کے مطابق اس نومولود کا نام حسینؑ رکھا۔ [۲]

ولادت باسعادت کے ساتویں دن جناب فاطمہ زہراء سلام اللہ علیہا نے اپنے فرزند کے لئے ایک گوسفند عقیقہ کے عنوان سے قربان کیا۔ ان کے سر کے بالوں کو تراش کر بالوں کے وزن کے برابر چاندی صدقہ میں دی۔ [۳]

پیغمبرؐ کے دامن میں

حسین بن علیؑ نے اپنے بچپن کے چھ سال اور چند ماہ پیغمبر اکرمؐ کے زیر دامن پرورش پائی اور منبع فیاض رسالت سے علم و معرفت حاصل کیا۔

پیغمبر اکرمؐ امام حسینؑ سے جو اظہار محبت و لطف فرماتے تھے وہ شیعوں کے تیسرے رہنما کی عظمت و بلندی کو بیان کرتا ہے۔

سلمان فارسیؓ فرماتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ رسولؐ خدا نے حسین کو اپنے زانو پر بٹھا رکھا ہے اور بوسہ دے رہے ہیں اور فرماتے ہیں کہ تو سید و سردار ہے، بڑے سردار کا بیٹا ہے، بڑے سرداروں کا باپ ہے، تو امام، فرزند امام اور ابوالائمہ ہے۔ تو حجتِ خدا فرزند حجتِ

---

۱ (اعلام الوریٰ/۲۱۳، بحار، ج ۴۴/۲۰۱، بحار، ج ۴۳/۲۴۱)

۲ بحار جلد، ۴۳/۲۴۱ ۳ (فروع کافی جلد ۶/۲۳، بحار جلد ۲۳/۲۵۷)

خدااور جونوافراد حجت خداہیں انکا باپ ہے انکا خاتم ان کا قائم ہوگا۔ ۱

جب رسول خدا سے پوچھا گیا کہ آپ اپنے اہل بیت میں سے کس کو زیادہ دوست رکھتے ہیں تو فرمایا: حسن و حسین علیہما السلام کو۔ ۲

رسول خدا بار بار حسنؑ و حسینؑ کو سینہ سے لگاتے، ان کی خوشبو سونگھتے، بوسہ دیتے اور فرماتے تھے: حسن و حسین (علیھما السلام) جوانان بہشت کے سردار ہیں۔ ۳

پیغمبر اور امام حسینؑ کے درمیان معنوی اور وراثتی رابطہ کو بیان کرنے کے لئے بلند ترین، قریب ترین اور واضح ترین جملہ اس جملہ کو کہا جاسکتا ہے جس میں پیغمبرؐ نے فرمایا کہ "حسین مجھ سے ہے اور میں حسین سے ہوں"۔ ۴

والدِ ماجد کے ساتھ

رسول خداؐ کی آنکھیں بند ہو جانے کے بعد امام حسینؑ نے اپنی عمر مبارک کے تیس سال اپنے پدر بزرگوار کے ساتھ گزارے اس پوری مدت میں آپ دل و جان سے پدر عالیقدر کی اطاعت کرتے رہے اور باپ کی پنج سالہ حکومت کے زمانہ میں امام حسین علیہ السلام

۱ "انت سید بن سید ابو السادات انت امام ابن امام ابو الائمہ انت حجة الله بن حجته ابو حجج تسعة من صلبك و تاسعهم قائمهم"۔ (مقتل خوارزمی جلد ۱/۱۴۶، کمال الدین صدوق جلد ۱/۲۶۲، بحار جلد ۴۳/۲۹۰)

۲ "سئل رسول الله ایّ اهل البیت احبّ الیك ، قال : الحسن و الحسین" (سنن ترمذی جلد ۵/۳۲۳، بحار جلد ۴۳/۲۶۴، ۲۶۵)

۳ "الحسن و الحسین سید الشباب اهل الجنة" (بحار جلد ۴۳/۲۶۴، ۲۶۵، سنن ترمذی جلد ۵/۳۲۳، بحار ۴۳/۲۹۹)

۴ "حسین منی و انا من حسینی" (سنن ترمذی جلد ۵/۳۶۴، بحار جلد ۴۳/۲۷۰-۲۷۴، مقتل خوارزمی ۱/۴۶، انساب الاشراف بلاذری جلد ۳/۱۴۲)

اسلام کے مقاصد کو آگے بڑھانے میں ایک جاں باز فدا کار کی طرح اپنے بڑے بھائی کی مانند کوشش کرتے رہے اور جمل وصفین ونہروان کی جنگوں میں شریک رہے۔ [1]

بھائی کے ساتھ

حضرت علیؑ کی شہادت کے بعد، علیؑ کے بڑے بیٹے حسن بن علی کی طرف امامت و رہبری منتقل ہوگئی۔ امام حسینؑ جو مکتب رسالت وولایت کے پروردہ تھے، اپنے بھائی کے ساتھ ان کے ہم فکر تھے۔ جب اسلام اور مسلمانوں کے معاشرہ کے مصالح کے پیش نظر امام علیہ السلام معاویہ کی صلح والی پیشکش کو قبول کرنے کے لئے مجبور ہوئے تو اس وقت امام حسینؑ بھائی کے غموں میں شریک تھے۔ اور چونکہ آپ جانتے تھے کہ یہ صلح، اسلام اور مسلمانوں کی بھلائی کیلئے ہوئی ہے اس لئے آپ نے ہرگز اعتراض نہیں کیا اور ہمیشہ امام حسنؑ کے موقف کا دفاع کرتے رہے۔ [2]

ایک دن معاویہ، امام حسن وامام حسین علیہما السلام کے سامنے امام حسن اور ان کے پدر بزرگوار امیر المومنین کی بدگوئی کیلئے لب کشا ہوا۔ امام حسینؑ اٹھے تا کہ اس کی اہانت کا جواب دیں لیکن آپ کے بھائی نے خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور پھر خود ہی انہوں نے اسلام کے مقاصد کو آگے بڑھانے میں ایک جاں باز فدا کار کی طرح اپنے بڑے بھائی کی معاویہ کو بہت مناسب اور جھنجھوڑنے والے بیان کے ذریعہ خاموش کر دیا۔ [3]

---

[1] (الاصابہ جلد ۳۳۳)

[2] کافی میں منقول ہے کہ جس نشست میں امام حسنؑ بیٹھے رہتے تھے اُس میں امام حسینؑ بھائی کے احترام کی بنا پر باتیں نہیں کرتے تھے۔ یہانتک کہ بخشش وعطا میں بھی، اس بات کا خیال رکھتے تھے کہ امام حسنؑ سے ذرا کم ہو۔

[3] (ارشاد مفید ر ۱۷۳، شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ۱۶ ر ۴۷)

اخلاقی فضائل ومناقب

امام حسینؑ کی مکمل حق طلب اور خدا پرست ۵۶ سالہ زندگی پر اجمالی نظر ڈالی جائے تو ہم کو پتہ چلے گا کہ آپؑ کی زندگی ہمیشہ پاک دامنی، خدا کی بندگی، محمدی پیغام کی نشر واشاعت اور انسانیت کی بلند قدروں کی حفاظت میں گذری ہے۔

آپ کو پروردگار کی نماز وبندگی، قرآن، دعا اور استغفار سے بڑا شغف تھا۔ کبھی کبھی شب وروز میں سیکٹروں رکعات نماز پڑھتے تھے[1] حتی کہ اپنی زندگی کی آخری رات میں بھی عبادت ودعا سے دست بردار نہیں ہوئے اور اس رات آپؑ نے دشمنوں سے مہلت مانگی تاکہ خلوت میں اپنے خدا سے راز ونیاز کرسکیں اور فرمایا: " فھو یعلم انّی قد کنت احبُّ الصوۃ وتلاوۃ کتابہ و کثرۃ الدعا والاستغفار " خدا جانتا ہے کہ میں نماز، تلاوت قرآن اور دعا واستغفار کو بہت زیادہ دوست رکھتا ہوں۔ [2]

ابن اثیر نے لکھا ہے کہ حسینؑ بہت روزے رکھتے۔ نمازیں پڑھتے، حج کو جاتے، صدقہ دیتے اور تمام اچھے کاموں کو انجام دیتے تھے۔ [3]

حضرت اباعبداللہ الحسین علیہ السلام زیارت خانۂ خدا کیلئے بارہا پیدل تشریف لے گئے اور حج کا فریضہ ادا کیا۔ [4]

---

[1] (بحارج ۴۴، ص ۱۹۶، منقول از فلاح السائل وعقد الفرید)

[2] (ارشاد مفید ۲۳۰ مطبوعہ مکتبہ بصیرتی)

[3] (اسد الغابہ جلد ۲ / ۲۰)

[4] (اسد الغابہ جلد ۲ / ۲۰)

امام حسین علیہ السلام کی شخصیت ایسی پرشکوہ اور باعظمت تھی کہ جب آپؑ اپنے بھائی امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام کے ساتھ حج کے لئے پیدل جارہے تھے تو تمام بزرگ اور اسلام کے نمایاں افراد آپؑ کے احترام میں مرکب سے اتر پڑتے اور آپؑ کے ہمراہ پیدل راستہ طے کرتے۔[1]

امام حسینؑ کا احترام اور ان کی قدردانی کا معاشرہ اس لئے قائل تھا کہ آپؑ ہمیشہ لوگوں کے ساتھ زندگی بسر کرتے اور دوسروں کی طرح ایک معاشرہ کی نعمتوں اور مصیبتوں میں شامل رہتے تھے اور خداوند عالم پر پرخلوص ایمان کی بناپر آپ عوام کے غم خوار اور مددگار تھے۔

آپ ایک ایسی جگہ سے گزرے جہاں کچھ فقیر اپنی اپنی چادر بچھائے ہوئے بیٹھے تھے اور سوکھی روٹیوں کے ٹکڑے کھارہے تھے۔ امام حسینؑ کو ان لوگوں نے دعوت دی تو آپ نے ان کی دعوت قبول کی اور ان کے پہلو میں بیٹھ گئے اور پھر آپ نے یہ آیت پڑھی:

"انه لا یحب المستکبرین"۔ [2]

اس کے بعد آپؑ نے فرمایا کہ: ''میں نے تمھاری دعوت قبول کی اب تم بھی میری دعوت قبول کرو۔ وہ لوگ امام حسینؑ کے ساتھ ان کے گھر آئے۔ امامؑ نے حکم دیا کہ جو کچھ گھر میں ہے وہ مہمانوں کے لئے لایا جائے۔'' [3]

اس طرح آپ نے معاشرہ کو تواضع اور انسان دوستی کا درس دیا۔

اس حصہ کو علائلی کی اس بات کے خلاصہ کے ساتھ ختم کرتا ہوں جو انہوں نے اپنی

---

[1] (انساب الاشراف بلاذری) [2] (سورۂ نحل/۲۳)

[3] (تفسیر سیاسی جلد۲/۲۵۷، مناقب جلد۴/۶۶، جلاء العیون مرحوم شبر جلد۲/۲۴)

کتاب میں ابا عبداللہ الحسینؑ کے بارے میں کہی ہے وہ فرماتے ہیں کہ:

''تاریخ میں ہم کو ایسے بزرگ افراد نظر آتے ہیں جن میں ہر ایک نے کسی نہ کسی جہت اور کسی نہ کسی محاذ پر اپنی عظمت و بزرگی کو عالمی حیثیت دی ہے۔ ایک شجاعت میں تو دوسرا زھد میں تو تیسرا سخاوت میں...

لیکن امام حسینؑ کی عظمت و بزرگی کا معیار اتنا عظیم ہے کہ جس کے بے انتہا پہلوؤں میں سے ہر پہلو فراز تاریخ کی عظمت کو معین کرنے والا ہے۔ گویا آپؑ میں تمام بزرگیاں اور بلندیاں جمع ہوگئی تھیں۔ [1]

امام حسینؑ معاویہ کے زمانہ میں

ابوعبداللہ الحسینؑ اپنے برادر بزرگوار کی شہادت کے بعد خدا کے حکم اور اپنے بھائی کی وصیت سے اسلامی معاشرہ کے قائد و امام رہے۔ آپؑ نے اپنی امامت کے تقریباً دس سال معاویہ کی حکومت کے زمانہ میں گزارے اس مدت میں آپ نے امام حسنؑ کی روش کو بھی قائم رکھا اور جب تک معاویہ زندہ رہا آپ کوئی موثر اقدام نہ کر سکے۔

امام حسین اگرچہ دیکھ رہے تھے کہ معاویہ اسلام ہی کی طاقت سے اسلامی معاشرہ کی بنیاد اور قوانین الٰہی کو بدل ڈالنے کی کوشش کر رہا ہے۔ چنانچہ آپ کو قلق بھی تھا۔ لیکن جانتے تھے کہ اگر اس کے مقابلہ کے لئے اٹھ جائے تو ہر مفید اقدام و تحریک (اور کوئی بھی نتیجہ حاصل ہونے) سے پہلے آپ کو قتل کر دیا جائے گا۔

کبھی تو آپؑ معاویہ کے حرکات و اعمال پر صرف تنقید کرتے اور لوگوں کو آئندہ کے لئے امید دلاتے اور اس تمام مدت میں جب معاویہ یزید کی ولی عہدی کے لئے لوگوں سے

[1] (سموالمعنیٰ ۱۰۴/)

بیعت لے رہا تھا امام حسینؑ نے شدت سے مخالفت کی اور یزید کی بیعت کے لئے ہرگز آمادہ نہیں ہوئے یہاں تک کہ کبھی معاویہ کو سرزنش کرتے اور تنقیدی خط لکھتے تھے۔ [1]

قیامِ حسینیؑ

معاویہ کی موت کے بعد خلافت، جو کہ سلطنت میں تبدیل ہوگئی تھی، اس کے بیٹے یزید کی طرف منتقل ہوگئی۔ زمام حکومت کو ہاتھوں میں لیتے ہی یزید نے اپنے ارکان سلطنت کو مضبوط بنانے کیلئے اس نے عالم اسلام کی اہم شخصیتوں اور جانے پہچانے لوگوں سے اپنی بیعت لینے کا ارادہ کیا۔ اس غرض سے اس نے حاکم مدینہ کے نام خط لکھا اور حکم دیا کہ امام حسینؑ سے میری بیعت لے لو اور اگر وہ مخالفت کریں تو ان کو قتل کر دے۔

والی مدینہ نے حکم کے مطابق بیعت کا سوال امامؑ کے سامنے رکھا' امام حسینؑ نے فرمایا:

"انا للہ وانا الیہ راجعون وعلی الاسلام السلام اذا بلیت الامۃ براع مثل یزید"۔

''جب یزید جیسے لوگ (شراب خوار' جواری' بے ایمان اور ناپاک) حکومت اسلامی کی مسند پر بیٹھ جائیں تو اسلام پر فاتحہ پڑھ دینا چاہئے''۔ [2]

امامؑ نے بیعت کی پیش کش کو ٹھکرانے کے بعد یہ سمجھ لیا کہ اگر مدینہ رہے تو آپؑ کو قتل کر دیا جائے گا۔ لہٰذا رات کے وقت پوشیدہ طور پر ۲۸ رجب سنہ ۶۰ ہجری کو اپنے آدمیوں کے ساتھ مکہ کی طرف روانہ ہوگئے۔ [3]

---

[1] (رجال کشی/۹۴)

[2] (مقتل خوارزمی جلد ۱/۱۸۴' لھوف/۲۰' بحار جلد ۴۴/۳۲۶)

[3] (ارشاد مفید/۲۰۱' تاریخ طبری جلد/۳۴۱' بحار جلد ۴۴/۳۲۶)

آپ کے مکہ میں پہونچنے اور یزید کی بیعت سے انکار کرنے کی خبر مکہ اور مدینہ کے لوگوں کے درمیان پھیل گئی اور یہ خبر کوفہ بھی پہونچ گئی۔ اس طرح لوگوں کو امام حسین کی مدد اور ان کی موافقت کے لئے اپنے کو آمادہ کرنے کا موقع نظر آیا کہ شاید اس طرح بنی امیہ کے ظلم کے بوجھ سے نجات مل جائے۔

کوفیوں نے ۔۔۔ مندرجہ بالا نکات کے پیش نظر ۔۔۔ مکہ پہونچنے کی خبر سنتے ہی بہت سے خطوط کے ذریعہ آپؑ کو دعوت دی تا کہ آپ کوفہ تشریف لائیے اور ہماری رہنمائی کی ذمہ داری قبول کر لیجئے۔

حضرت ابوعبداللہ الحسینؑ نے جناب مسلم کو روانہ کرنے کے ساتھ ان تمام خطوط کا جواب مختصر جملوں میں اس طرح لکھا:

''اما بعد یہ خط حسین بن علی کی طرف سے عراق کے مسلمانوں اور مؤمنوں کی جماعت کی طرف بھیجا جا رہا ہے۔ تم یہ جان لو کہ ہانی اور سعید جو تمہارے بھیجے ہوئے آخری افراد تمھارے خطوط لے کر آئے۔ ان تمام باتوں کی جو تمھاری تحریروں سے عیاں تھی مجھے اطلاع ملی ۔ خلاصہ یہ کہ تمھارا مطلب یہ تھا کہ ''ہمارے پاس کوئی لائق رہبر اور امام نہیں ہے ہمارے پاس آ جایئے شاید خدا ہم کو آپ کے ذریعہ ہدایت تک پہونچا دے''۔ سر دست میں مسلم کو جو میرے چچا کے بیٹے اور میرے معتمد ہیں، تمھارے پاس بھیج رہا ہوں اگر انہوں نے لکھا کہ تمھارے آخری نظریات عملی طور پر اسی طرح ہیں جیسا کہ تم نے خط میں لکھا ہے تو میں اسے قبول کر کے تمھاری طرف آؤنگا''۔

آخر میں آپؑ نے مزید لکھا:

''مجھے اپنی جان کی قسم، امام وپیشوا صرف وہ ہے جو خود دین کا پابند ہو اور عدل وانصاف کرتا ہو اور خدا کی رضا کے لئے حلیم ہو''۔ [1]

مسلم اس خط کو لیکر کوفہ پہنچے، ان کے پہنچنے کی خبر بڑی تیزی سے کوفہ میں پھل گئی اہل کوفہ پر تپاک طریقہ سے امامؑ کے نمائندہ، مسلم کی بیعت کی کہ ایسا استقبال پہلے کبھی نہیں ہوا تھا، پھر دن بدن بیعت کرنے والوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا رہا۔

کوفہ سے دو خط

امام حسینؑ کے فائدہ حمایت میں اور یزید کی مخالفت میں انقلابی حالت پیدا ہو جانے کے بعد دو خط لکھے گئے، ایک حسینؑ بن علیؑ کو اور دوسرا یزید کو۔

جناب مسلم نے امام حسینؑ کو لکھا:

''ابھی تک بے شمار لوگوں نے میری بیعت کی ہے۔ اب آپ کوفہ آ جایئے''۔ [2]

یزید کے پیروؤں نے اس کو لکھا کہ:

''اگر عراق کی حکومت کو بچانا ہے تو کسی لائق گورنر کو بھیجو تا کہ ان فتنوں کو ختم کر دے اس لئے کہ نعمان بن بشیر (حاکم کوفہ) ایک کمزور آدمی ہے یا اس نے اپنے آپ کو کمزور بنا رکھا ہے''۔ [3]

ان دو خطوط کے نتیجہ میں دو اقدام سامنے آئے۔ پہلے خط نے امام حسین کی کوفہ کی طرف روانگی کے مقدمات فراہم کئے اور دوسرے خط نے پہلے حاکم کو معزول اور اس کی جگہ پر عبید اللہ ابن زیاد کو معین کیا۔

---

[1] (مناقب ابن شہر آشوب جلد ۴/۹۰، ارشاد مفید/۲۰۴، بحار جلد ۴۴/۳۳۴، کامل ابن اثیر جلد ۴/۲۱)

[2] (ارشاد مفید/۲۰۵، بحار جلد ۴۴/۳۳۶)

[3] (مناقب ابن شہر آشوب جلد ۴/۹۱، بحار جلد ۴۴/۳۶۶)

امام حسین علیہ السلام ہر چند کہ کوفیوں کو بخوبی پہچانتے تھے اور ان کی بے وفائی' ان کے عقیدہ کا تزلزل اپنے پدر گرامی اور برادر بزرگ کی حکومت کے زمانہ میں دیکھ چکے تھے لیکن اتمام حجت اور خداوند عالم کے اوامر کے اجراء کے لئے آپؑ نے کوفہ جانے کا ارادہ کیا۔ خصوصاً مکہ میں چند ماہ قیام کے بعد آپؑ نے یہ سمجھ لیا کہ یزید کسی طرح بھی آپ سے دست بردار ہونے کے لئے تیار نہیں ہے اور اگر آپ بیعت نہیں کرتے تو آپ کا قتل' وہ بھی خانۂ خدا کے نزدیک یقینی ہے۔

اس حالت میں امام حسینؑ ۸ر ذی الحجہ تک۔۔۔جس دن تمام حاجی منیٰ کی طرف جانے کا ارادہ کررہے تھے۔ [1] مکہ میں رہے اور حج تمتع کو عمرہ مفردہ سے بدلنے کے بعد اپنے اہل بیت اور اصحاب کو لے کر مکہ کو ترک کیا اور عراق کی طرف چل پڑے۔ [2]

امام کا ایسے زمانہ میں اور ایسی جگہ سے کوچ کرنا' جہاں لوگ دور دور سے ارکان حج بجا لانے کے لئے آتے ہیں' ایسا ہی بے نظیر تھا کہ جس کی ایک عام مسلمان سے بھی توقع نہیں کی جاسکتی تھی چہ جائیکہ فرزند پیغمبرؐ سے' اسی وجہ سے تھوڑی ہی مدت میں سارے شہر مکہ میں امام کے سفر کی خبر گشت کرنے لگی۔

امام حسینؑ نے اپنے ناگہانی اور آشکارہ سفر سے اپنے فریضہ پر بھی عمل کیا اور مسلمانوں کو بھی سمجھا دیا کہ فرزند پیغمبرؐ نے یزید کی حکومت کو قانونی نہیں سمجھا اور اس کی بیعت نہیں کی

---

[1] ۸ر تاریخ کو منیٰ جانا ایک مستحب عمل ہے اس زمانہ میں استحبابی حکم پر عمل ہوتا تھا لیکن اس زمانہ میں، حجاج ایک ساتھ عرفات جاتے تھے۔

[2] ارشاد مفید ر ۲۸۱' بحار جلد ۴۴ ر ۳۶۳' اعلام الوریٰ ر ۲۲۷، اعیان الشیعہ (دس جلد والی) جلد ۱ ر ۵۹۳، نہضت الحسین مصنفہ ہبۃ الدین، شہرستانی ر ۱۶۵، مقتل ابی مخنف ر ۶۶، لیکن بعض صحیح روایات سے استفادہ ہوتا ہے کہ امام حسینؑ نے حج تمتع کا احرام نہیں باندھا تھا کہ اس کو عمرہ مفردہ سے تبدیل کردیں ملاحظہ ہو وسائل الشیعہ، جلد ۱ باب ۷ از ابواب عمرہ حدیث ۲، ۳

بلکہ اس کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے ہیں۔

مسلم ابن عقیل کی شہادت

مسلم کے ہاتھ پر اہل کوفہ کی بیعت اور امام حسین کی طرف سے ان کے میلان کی اطلاع یزید کو مل چکی تھی۔ اس نے ابن زیاد کو کوفہ بھیجا ابن زیاد نے شیطانی نقشہ کے ذریعہ ایک نیا بھیس بدلا، چہرہ پر نقاب ڈالی اور بنی ہاشم کے کسی شریف اور بڑی شخصیت کے روپ میں رات کے اندھیرے میں کوفہ میں وارد ہوا۔ جو لوگ امام حسینؑ کے منتظر تھے انہون نے یہ گمان کیا کہ یہ حسینؑ ہیں۔ ابن زیاد بغیر کسی سے کوئی بات کئے اور نقاب میں منھ چھپائے ہوئے سیدھے دارالامارہ پہنچا۔ [1]

عبیداللہ نے دارالامارہ میں مشورہ کیلئے ایک میٹنگ کی اور ابتدائی اقدامات کے بعد کوفہ والوں کے ایمان کی کمزوری اور دوغلہ پن اور ان کے خوف سے فائدہ اٹھایا اور ان کو ڈرا دھمکا کر مسلم کے اطراف سے منتشر کر دیا یہاں تک کہ جب مسلم نماز کے لئے آئے تو صرف تیس افراد نے ان کے پیچھے نماز پڑھی اور نماز کے بعد وہ بھی متفرق ہو گئے۔ جب آپ مسجد سے باہر نکلے تو آپ کے ساتھ کوئی بھی نہیں تھا۔ [2]

حضرت مسلم نے ابن زیاد کے لشکر سے اکیلے جنگ کی اور ایک بہادرانہ جنگ کے بعد شہید ہو گئے۔ [3]

---

[1] (ارشاد مفید/۲۰۶، بحار جلد ۴۴/۳۴۰، مقاتل الطالبین/۶۳)

[2] (ارشاد مفید/۲۱۲)

[3] (ارشاد مفید/۲۱۳_۲۱۶)

ظلم کے خلاف عظیم ترین قیام

عراق کے قصد سے ابوعبداللہ الحسینؑ نے حجاز کو چھوڑ دیا لیکن درحقیقت آپ اس مقصد کی طرف جارہے تھے جو صرف عراق میں نہیں تھا۔ یہ عظیم مقصد عبارت ہے اسلام اور مسلمانوں کو استعمار کے چنگل اور خاندان بنی امیہ کے استبدادی پنجہ سے چھڑانا تھا۔ اس وجہ سے آپؑ دوستوں کی مقدس مآبانہ باتوں اور نصیحتوں کے برخلاف، جو اس سفر کے روکنے پر مبنی تھیں، اپنے عزم وارادہ پر جمے رہے اور اسلام کی نجات کے لئے آخری تحریک شروع کی جس کو بہر قیمت انجام تک پہونچانا تھا۔

امام حسینؑ، راستہ میں بہت سے لوگوں کو اپنی مدد کے لئے دعوت دیتے اور جو لوگ ان کے ساتھ تھے ان کو یزید سے جنگ اور آخر میں قتل کئے جانے کے بارے میں اپنے مصمم ارادہ سے آگاہ کرتے رہے اور اس بات کا اختیار دیا کہ وہ چاہیں تو ساتھ چھوڑ کر جاسکتے ہیں۔ ''صفاح'' نام کی ایک جگہ پر کوفہ سے واپس آنے والے فرزدق سے ملاقات ہوگئی، آپ نے کوفہ کے حالات کے بارے میں ان سے سوال کیا فرزدق نے جواب دیا کہ: ''قلوبھم معك وسیوف مع بنی امیه''۔ ''لوگوں کے دل تو آپؑ کے ساتھ ہیں مگر ان کی تلواریں بنی امیہ کے ساتھ ہیں''۔ [1]

شہادت

امام حسینؑ کا قافلہ کوفہ سے پہلے سرزمین کربلا پر (تقریباً کوفہ سے ۷۰ کلومیٹر دور) دشمن کے لشکر کثیر سے روبرو ہوا۔ آپؑ کے ساتھ صرف وہی لوگ تھے جو جان کی بازی لگا چکے

---

[1] (تاریخ طبری جلد ۵/۳۸۴، کامل ابن اثیر ۴/۴۰، ارشاد مفید ۲۱۸، بحار جلد ۴۴/۱۹۵)

تھے اور فرزند پیغمبرؐ کی نصرت و مدد کے سوا انکا اور کوئی مقصد و مطلوب نہ تھا۔

آخر کار یہ لوگ ابن زیاد کے تیس ہزار لشکر کے تنگ گھیرے میں آ گئے یہاں تک کہ فرات کا پانی بھی ان پر بند کر دیا گیا۔[1]

ایسے حالات میں فرزند زہراؑ حضرت امام حسین علیہ السلام کے سامنے دو ہی صورتیں تھیں یا قتل یا بیعت، حسین ابن علی جو مکتب وحی محمدی اور ولایت علوی کے پروردہ تھے انہوں نے بیعت نہیں کی اور ان بہتّر (۷۲) افراد کے ساتھ جو ان کے بہترین اصحاب، وابستگان اور فرزند تھے۔ جن میں سے ہر ایک اخلاص، جواں مردی، شجاعت، عزت و شرافت انسانی کی اخلاقی قدروں اور زیوروں سے آراستہ، انسانیت کا مکمل نمونہ تھا۔ ایسے بہتّر (۷۲) افراد کے ساتھ حسینؑ نے دس محرم سنہ ۶۱ ہجری کو صبح سے عصر تک پسر معاویہ کے کثیر اور آراستہ لشکر سے ایک شجاعانہ اور قابل فخر جنگ کی۔ اور بالآخر شربت شہادت نوش فرمایا۔ اور اس زمین کے سینہ پر جب تک انسان موجود رہے گا اس وقت تک کے لئے اپنے نام کو جاودانہ بنا دیا۔

آپؑ کی شہادت کے بعد دشمن کا لشکر آپ کے پسماندگان کے خیمے میں گھس آیا، تمام مال و اسباب لوٹ لیا اور آپ کے اہل بیت کو اسیر کر کے شہداء کے کٹے ہوئے سروں کے ساتھ کوفہ اور وہاں سے شام لے گیا۔

---

[1] (مناقب جلد ۴/۹۸ پر ۳۵ ہزار افراد کی تعداد بھی لکھی گئی ہے۔ بحار جلد ۴۴/۳۸۶۔ البتہ لشکر یزید کی تعداد کے بارے میں دوسری روایتیں بھی رہیں جن میں سب سے کم بارہ ہزار کی روایت ہے۔)

زندۂ جاوید روداد

اسلام کے تیسرے رہبر کی اور ان کی اولاد واصحاب کی دشت کربلا میں جاں بازی، فداکاری اور شہادت آپ کی زندگی کا اہم ترین واقعہ ہے۔ جس نے عقل وخرد کو جھنجوڑ کر رکھ دیا۔ تمام واقعات کے اوپر چھا گیا۔ اور ہمیشہ کے لئے تاریخ کے صفحات پر زندۂ جاوید و پائیدار بن گیا۔

ہر واقعہ۔۔۔ چاہے وہ کتنا ہی بڑا اور عظیم کیوں نہ ہو۔۔۔ جو دنیا میں پیش آتا ہے اس کو تھوڑے ہی دن گزرنے کے بعد زندگی کا مدّ وجزر فراموشی کے سپرد کر دیتا ہے اور مُرور زمانہ اس کے فروغ میں کمی کر دیتا ہے اور اوراق تاریخ پر سوائے اس کے نام کے کچھ باقی نہیں بچتا۔

لیکن بہت سے واقعات ایسے ہیں کہ زمانہ گزر جانے کے بعد بھی اس کی عظمت گھٹتی نہیں اللہ والوں کی تاریخ اور وہ انقلابات جو آسمانی پیغمبروں اور الٰہی عظیم رہبروں کے ذریعہ آئے ہیں، یہ تمام کے تمام واقعات چونکہ خدا سے متعلق ومربوط ہیں اس لئے ہرگز بھلائے نہیں جاسکیں گے اور مُرور زمانہ کا کوئی اثر قبول نہیں کریں گے۔

حضرت حسین بن علیؑ کی تحریک اور کربلا کا خونچکاں حادثہ وانقلاب انسانی معاشرہ کی ایک اہم ترین سرگذشت ہے۔ اس حقیقت پر تاریخ وتجربہ روشن گواہ ہیں۔

عاشور کی خون آلود تاریخ کے تجزیہ میں دوسرے مطالب سے پہلے چند مطالب توجہ کے قابل اور تاریخی لحاظ سے زبردست تحقیق کے محتاج ہیں جنہیں اختصار سے بیان کیا

جارہا ہے:

۱۔امام حسینؑ کے قیام کے اسباب

۲۔امام حسینؑ کی تحریک وانقلاب کی ماہیت۔

۳۔امام حسینؑ کے انقلاب کے اثرات ونتائج۔

انقلاب حسینؑ ابن علیؑ کا اہم اور واضح سبب ایک انحرافی سلسلہ تھا جو اس وقت اسلامی حکومت کی مشنری میں رونما ہو چکا تھا۔اور لوگوں میں اموی گروہ کے تسلط کی بنا پر دین سے انحراف اور اجتماعی ظلم وستم مکمل طور پر نمایاں تھا۔یزید کے خلاف امام حسین علیہ السلام کا قیام اس بنا پر تھا کہ وہ اموی حکومت کا مظہر تھا' وہ حکومت جو ملت کے عمومی اموال کو عیاشی' رشوت خوری بااثر افراد کے قلوب کو اپنی طرف کھینچنے اور آزادی دلانے والی تحریکوں کو ختم کرنے میں خرچ کرتی تھی' وہ حکومت جس نے غیر عرب مسلمانوں کا جینا دشوار کر کے ان کو ختم کر دینے کی ٹھان لی تھی اور جس نے عرب مسلمانوں کے شیرازۂ اتفاق کو بکھیر کر ان کے درمیان نفاق اور کینہ کا بیج بو دیا تھا۔

وہ حکومت جس نے اموی خاندان کے مخالفین کو جہاں پایا وہیں قتل کر دیا۔ان کے اموال کو لوٹ لیا' وہ حکومت جس نے قبائلی عصبیت کی فکر کو برانگیختہ کر دیا مسلمانوں کے اجتماعی وجود کیلئے خطرہ بن گئی تھی۔

وہ حکومت جو کہ اسلام کے پیغام کے تحقق' قوانین وحدود اور اجتماعی عدالت کے اجراء کے بجائے ایک ایسے پلید شخص کے ہاتھ کا کھلونہ تھی جو کہ محمدؐ کی رسالت اور ان پر وحی کے نزول کا انکار کر رہا تھا۔یزید اپنے دادا ابوسفیان کی طرح تھا' جس کا کہنا تھا:

''اب حکومت بنی امیہ کے قبضہ میں آ گئی ہے خلافت کی گیند کو تم اچک لو اور

ایک دوسرے کی طرف منتقل کرتے رہو... میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ نہ کوئی جنت ہے نہ جہنم"۔ [1]

یزید بھی ان تمام باتوں کو ایک خیال سے زیادہ نہیں سمجھتا تھا۔ [2]

امام حسینؑ نے ایسے حالات میں انقلاب کے لئے زمین کو مکمل طور پر ہموار پایا آپؑ نے خود اس وصیت میں جو اپنے بھائی محمد حنفیہ کو کی تھی، اپنے قیام کے بارے میں لکھا کہ:

"میرے قیام کی وجہ ہوا و ہوس اور بشری میلانات نہیں ہیں، میرا مقصد ستمگری اور فتنہ پھیلانا نہیں ہے۔ بلکہ میرا مقصد تو اپنے جد رسولؐ کی امت کی خراب حالت کی اصلاح کرنا ہے۔ میرا مقصد امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے میں چاہتا ہوں کہ اپنے جد رسول خدا کی سیرت اور اپنے باپؑ علی کے راستہ پر چلوں۔"

"انی لم اخرج اشراً ولا بطراً ولا مفسداً ولا ظالماً وانما خرجت لطلب الاصلاح فی امة جدی صلی اللہ علیہ وآلہ وارید ان امر بالمعروف وانہیٰ عن المنکر واسیر بسیرة جدی وابی علی بن ابی طالب ...."۔ [3]

اسی طرح حُر بن یزید ریاحی سے ملاقات کے بعد اپنی ایک تقریر میں آپؑ نے اپنے قیام کی تصریح کی اور فرمایا:

"اے لوگو! پیغمبر خدا نے فرمایا ہے کہ جو کسی ایسی ظالم فرماں روا کو دیکھے جو حرام

---

[1] (الاغانی جلد ۶/ ۳۵۶)

[2] (مقاتل الطالبین/ ۱۳۰، البدایہ والنہایہ/ ۱۹۷)

[3] (بحار جلد ۴۴/ ۳۲۹، مناقب جلد ۴/ ۸۹)

الٰہی کو حلال شمار کرتا ہو خدا سے کیئے گئے عہد و پیمان کو توڑتا ہو اس کے پیغمبر کی سنت کی مخالفت کرتا ہو خدا کے بندوں کے درمیان ظلم و تعدی کرتا ہو اور ان تمام باتوںُ کے باوجود زبان و عمل سے اپنی مخالفت کا اظہار نہ کرے تو خدا اس کو اسی ظالم فرماں روا کے ساتھ ایک ہی جگہ جہنم میں رکھے گا۔

اے لوگو! انہوں نے (یزید اور اس کے ہمنواؤں نے) شیطان کی اطاعت کا جوء اپنی گردن رکھ لیا ہے اور خدائے رحمٰن کی پیروی ترک کردی ہے فساد پھیلا رکھا ہے اور قوانین الٰہی کو معطل کررکھا ہے۔ بیت المال کو انہوں نے اپنے لئے مخصوص کرلیا۔ حلال خدا کو حرام اور حرام الٰہی کو حلال سمجھ لیا ہے۔ میں اسلامی معاشرہ کی قیادت کے لئے تمام لوگوں سے زیادہ حق دار ہوں اور ان مفاسد سے جنگ اور ان خرابیوں کی اصلاح کے لئے سب سے پیش پیش ہوں....'' [1]

''ان رسو اللہ قال من رائ سلطاناً جائراً...... و انا احق من غیر......''

امام حسینؑ نے معاویہ کے زمانہ میں قیام کیوں نہیں کیا؟

ممکن ہے کہ یہاں یہ سوال پیش آئے کہ معاویہ کے زمانہ میں متعدد عوامل ایسے پیدا ہوگئے تھے جو قیام و انقلاب کا تقاضا کرتے تھے اور حسینؑ ابن علیؑ ان تمام عوامل سے آگاہ تھے اور آپ نے ان خطوط میں جو معاویہ کے جواب میں لکھے تھے ان اسباب کو بیان بھی کیا ہے۔ [2] پھر آپ نے معاویہ کے زمانہ میں قیام کرنے سے کیوں گریز کیا؟

جواب: تمام وہ عوامل و مسائل جنہوں نے امام حسنؑ کو معاویہ سے صلح کرنے کے لئے

---

[1] (تاریخ طبری جلد ۳، ۲۰۲، کامل ابن اثیر جلد ۴، ۴۸، مقتل مقرم، ۲۱۸، مقتل ابی مخنف)

[2] امام حسینؑ نے جو خط معاویہ کو لکھا تھا اس کے متن سے آگاہی کے لئے کتاب الامہ والسیاسۃ ج ۱، ۱۵۵

مجبور کیا وہی امام حسینؑ کے لئے بھی قیام سے باز رہنے کا سبب بنے۔ [1]

عراقی معاشرہ پر حکمراں حاکم کی حقیقت کو پہچاننے میں امام حسینؑ اپنے بھائی حسنؑ سے کم نہ تھے۔ وہ بھی اپنے بھائی کی طرح لوگوں کی کاہلی اور اسلامی معاشرہ کی افسوسناک حالت دیکھ رہے تھے۔ اس وقت آپؑ نے عراق کے لوگوں کو قیام کرنے کے لئے ابھارنے کے بجائے ایسے مقصد کے لئے آمادہ اور مستعد بنانے کو ترجیح دیا۔

عراق کے شیعوں نے ایک خط میں امام حسین علیہ السلام سے درخواست کی کہ وہ معاویہ کے خلاف قیام کرنے کے سلسلہ میں ان کی قیادت کریں۔ حسینؑ ابن علیؑ نے موافقت نہیں کی اور جواب میں لکھا:

"....لیکن میری رائے یہ ہے کہ انقلاب کا وقت نہیں ہے جب تک معاویہ زندہ ہے اپنی جگہ بیٹھے رہو۔ اپنے گھر کے دروازوں کو اپنے لئے بند رکھو اور اتہام کی جگہ سے دور رہو"۔ [2]

معاویہ اور یزید کی سیاست میں فرق

معاویہ کے زمانہ میں امام حسینؑ کا انقلاب برپا کرنے کیلئے نہ اٹھنے اور یزید کے زمانہ میں اٹھ کھڑے ہونے کا اصلی سبب ان دونوں کی سیاسی روش کے اختلاف میں ڈھونڈھنا چاہئے۔

دین و پیغمبر کے تضاد میں معاویہ کی منافقانہ روش بہت واضح اور اعلانیہ تھی۔ وہ اپنے کو صحابی اور کاتب وحی کہتا تھا اور خلیفہ دوم کی ان پر بے پناہ توجہ اور عنایت تھی، اس کے علاوہ ان

---

[1] امام حسنؑ کی زندگی کی تاریخ کی تحقیق میں ہم ان اسباب کی طرف اشارہ کر چکی ہیں۔

[2] (اخبار الطوال/۲۳۱، ثورۃ الحسین/۱۶۱، انساب الاشراف بلاذری جلد ۳/۱۷/۱۵۲)

اصحاب پیغمبرؐ کی اکثریت کو جن کی لوگ تعظیم واحترام کرتے تھے (جیسے ابوہریرہ، عمر عاص ،سمرۃ، مغیرہ بن شعبہ وغیرہ...) کو حکومت وولایت اور ملک کے تمام حساس کاموں کی انجام دہی کے لئے مقرر کیا تا کہ لوگوں کے حسن ظن کا رخ اپنی طرف موڑ لیں، لوگوں کے درمیان صحابہ کے فضائل اور ان کے دین کے محفوظ رہنے کی بہت سی روایتیں اور ایسی روایتیں ---کہ وہ جو بھی کریں معذور ہیں---گھڑ لی گئیں، نتیجہ میں معاویہ جو کام بھی کرتا تھا اگر وہ تصحیح اور توجیہ کے قابل ہوتا تھا تو کیا کہنا ورنہ بہت زیادہ بخششوں اور عنایتوں کے ذریعہ معترض کے منہ کو بند کر دیا جاتا تھا اور جہاں یہ وسائل موثر نہیں ہوتے تھے انہیں خواہش کے پرستاروں کے ذریعہ ان کو ختم کر دیا جاتا تھا۔ جیسا کہ دسیوں ہزار علیؑ کے بے گناہ چاہنے والوں کے ساتھ یہی رویہ اختیار کیا گیا۔

معاویہ تمام کاموں میں حق کا رخ اپنی طرف موڑ لینا چاہتا تھا اور امام حسنؑ اور امام حسینؑ کا ظاہری احترام کرتا تھا، بہت زیرک اور دور اندیش تھا کہ اسے معلوم تھا کہ حسینؑ ابن علیؑ کا انقلاب اور لوگوں کو قیام کے لئے ابھارنا، میری اس کامیابی کو جو میں نے صلح حسن کے بعد حاصل کی تھی مکمل طور پر اگر ختم بھی نہیں کرے گا تو کم سے کم کامیابی کا مزہ خراب کر کے مجھے جنگ میں مبتلا کر دے گا جو اس کامیابی کے جلوہ کو تاریک کر دے گا۔ اس لئے کہ اسلامی معاشرہ میں حسینؑ کی عظمت اور ان کے مرتبہ سے معاویہ بخوبی واقف تھا۔

اگر حسینؑ ابن علیؑ معاویہ کے زمانہ میں قیام کرتے تو اس بات کا قوی گمان تھا کہ معاویہ آپؑ کے انقلاب کو ناکام کرنے کے لئے ایسی روش اختیار کرتا کہ جو اسی جگہ کامیاب ہو جاتی اور امامؑ کے انقلاب کو عملی شکل دینے سے پہلے ہی زہر سے شہید کر دیا جاتا اور اس طرح معاویہ اپنے کو خطرہ سے بچا لیتا جیسا کہ حسن ابن علیؑ، سعد ابن وقاص اور مالک اشتر کو

قتل کرنے میں اس نے یہی رویہ اختیار کیا تھا۔

لیکن یزید کی سیاسی روش اس کے باپ کی سیاسی روش سے کسی طرح بھی مشابہ نہ تھی وہ ایک خود فریب اور بے پروا نوجوان تھا اس کے پاس زور زبردستی کے علاوہ کوئی منطق نہ تھی وہ عمومی افکار کو ذرہ برابر بھی اہمیت نہیں دیتا تھا۔

وہ اعلانیہ طور پر اسلام کی مقدس باتوں کو اپنے پیروں کے نیچے روندتا تھا اور اپنی خواہشات پوری کرنے کے لئے کسی چیز سے باز نہیں رہتا تھا' یزید کھلے عام شراب پیتا 'راتوں کو نشست اور بزم میں بادہ خواری میں مشغول رہتا اور گستاخی سے کہتا تھا:

''فانّ حرمت یوماً علی دین ، فخدها علی دین المسیح بن مریم''

''اگر دین احمد میں شراب حرام ہے تو اس کو دین مسیح بن مریم میں پیو''۔ [1]

یزید مسیحیت کی تعلیمات کی اساس پر پلا تھا اور وہ دل سے اس کی طرف مائل تھا۔ [2] اور دین اسلام سے اس کا کوئی ربط نہیں تھا جبکہ اسلام کی بنیاد پر وہ لوگوں پر حکومت کرنا چاہتا تھا۔ اس طرح سے جو نقصانات اسلام کو معاویہ کے زمانہ میں پس پردہ پہنچے تھے اب وہ یزید کے ہاتھوں آشکارا طور پر پہنچ رہے تھے۔

اپنی حکومت کے پہلے سال اس نے حسین ابن علیؑ اور ان کے اصحاب کو شہید کیا ان کے اہل بیت کو اسیر کیا۔

حکومت کے دوسرے سال اس نے پیغمبرؐ کے شہر۔۔۔ مدینہ۔۔۔ کے لوگوں کے مال اور ناموس کو اپنے لشکر والوں پر مباح کر دیا اور اس واقعہ میں چار ہزار آدمیوں کو اس نے قتل کیا۔

---

[1] (تتمه المنتهی ۴۳)

[2] (سمو المعنیٰ۔ عبداللہ علائی ۵۹)

تیسرے سال خانہ کعبہ۔۔۔مسلمانوں کے قبلہ۔۔۔پر اس نے منجنیق سے سنگ باری کی۔

ایسے سیاسی اور اجتماعی حالات میں حسین ابن علیؑ نے انقلاب کے لئے حالات کو مکمل آمادہ پایا۔اب بنی امیہ کے مزدور، عمومی افکار کو قیام حسین ابن علیؑ کے مقاصد کے بارے میں بدل کر اس کو ''قدرت وتسلط کے خلاف کشمکش'' کے عنوان سے نہیں پیش کر سکتے تھے اس لئے کہ بہت سے لوگ یہ دیکھ رہے تھے کہ حکومت کی رفتار دینی میزان اور الٰہی تعلیمات کے خلاف ہے۔اور یہ بات خود مجوّز تھی کہ حسین ابن علیؑ اپنے سچے اصحاب کو جمع کریں اور حکومت کے خلاف قیام کریں ایسا قیام جس کا مقصد اسلام اور سیرت پیغمبرؐ کو زندہ کرنا تھا نہ کہ خلافت اور قدرت حاصل کرنا۔

انقلاب کی ماہیت

امام حسینؑ کی تحریک میں ایک اہم مسئلہ اس کی کیفیت و ماہیت کا تجزیہ ہے۔آیا امام حسینؑ کا اقدام ایک انقلاب تھا یا ایک دھماکہ تھا؟ کچھ لوگ جو انسانی مقدس واقعات کو ہمیشہ محدود اور مادّی ترازو پر تولتے ہیں وہ قیام کربلا کی تفسیر ناواقفیت والے دھماکہ سے کرتے ہیں۔[1]

اس سلسلہ میں کہتے ہیں کہ کبھی مادّی واقعات میں تدریجی تغیرات اس حد تک پہنچ جاتے ہیں کہ اب وہ وقوعہ دیگر تغیرات کو قبول نہیں کر سکتا' انجام کار جزئی تغیرات ایک نئی چیز کو وجود میں لاتے ہیں یہ قانون' معاشرہ اور تاریخ میں حاکم ہے۔معاشرہ ایک حد تک ظالموں کے ظلم کو

---

[1] (اس تفسیر کی بنیاد دیالکتیک (جدلیات) کے اصول چہارگانہ سے اس پر استوار ہے جو کمیت کو اصل نام کے ساتھ کیفیت میں تبدیل کرتا ہے۔)

قبول کرتا ہے جب وہ اس مرحلہ میں پہونچ جاتا ہے کہ اب اس سے قبولیت کی توانائی ختم ہوجاتی ہے تو نتیجہ میں حکومت کرنے والے نظام کے خلاف ایک دھماکہ کی شکل میں انقلاب آجاتا ہے۔

اس بنیاد پر لوگ کہتے ہیں کہ :امیرالمومنینؑ کی شہادت کے بعد اموی مشنری کا مسلمان ملت پر دباؤ بڑھ گیا تھا اور معاویہ کے مرنے کے بعد اس کے بیٹے یزید نے اس دباؤ کو دوگنا کردیا تھا اس فشار کی بنا پر حسینؑ کے صبر کا پیمانہ لبریز ہوگیا اور ان کا قیام اسی دھماکہ کی نمود تھا۔

امام حسینؑ کی تحریک کے بارے میں ایسے فیصلے کا سوتا مادّی تجزیہ کرنے والوں کے عقیدہ سے پھوٹتا ہے اور اگر وہ قیام امام حسینؑ کی تاریخ کے متن کو ملاحظہ کرتے اور حقیقت بین اور حق کے شیدائی ہوتے تو ایسا فیصلہ نہ کرتے۔

امام حسنؑ کی شہادت کے بعد سے معاویہ کی موت تک کے امام حسینؑ کے اقوال اور وہ خط وکتابت جوان کے اور معاویہ کے درمیان ہوئی ہے، جس میں امامؑ کا موقف واضح طور پر معاویہ کے خلاف تھا اور آپ معاویہ کو مجمع میں مورد سوال قرار دیتے اور اس کے خلاف قیام کی دھمکی دیتے۔ اسی طرح وہ تقریریں جو مختلف موقعوں پر امام حسینؑ نے کی ہیں اگر ان سب کو دیکھا جائے تو یہ ساری چیزیں ہم کو اس بات کا پتہ دیتی ہیں کہ ابوعبداللہ الحسین کی وہ تحریک بہت منظّم تھی جس کا نقشہ آزاد منش افراد کے سردار کھینچ رہے تھے اور امت کو اس راستہ پر اس نقشہ کے مطابق عمل کرنے کی دعوت دے رہے تے اس کے بعد اب قیام سید الشہداء کو ایک ناگہانی حادثہ یا دھماکہ کیسے کہا جاسکتا ہے...اگر یہ انقلاب ایک ناواقفیت والا دھماکہ ہوتا تو اسے ۷۲ آدمیوں میں منحصر نہیں رہنا چاہئے تھا۔ بلکہ اس کو معاشرہ کے تمام افراد

کو گھیر لینا چاہئے تھا۔ امام حسینؑ کے آگاہانہ انقلاب کو بتانے والے تاریخی قرائن کا ایک سلسلہ اب پیش کیا جارہا ہے:

یزید کیلئے بیعت لیتے وقت امامؑ کی تقریر

لالچ اور دھمکی کے ذریعہ معاویہ نے یزید کی ولی عہدی کے لئے اہم شخصیتوں کے ایک گروہ کی موافقت حاصل کرلی تھی جب حسین ابن علیؑ کے سامنے بات رکھی گئی تو آپ نے اپنی ایک تقریر میں فرمایا:

''تم نے اپنے بیٹے کے کمال اور تجربہ کاری کے سلسلہ میں جو تعریف کی وہ ہم نے سنی، گویا تم ایسے آدمی کے بارے میں بات کررہے ہو جس کو تم نہیں پہچانتے یا اس سلسلہ میں فقط تم کو علم ہے۔ جیسا چاہئے تھا یزید نے ویسا ہی اپنے کو پیش کیا اور اس نے اپنے باطن کو آشکار کردیا۔ وہ کتوں سے کھیلنے والا کبوتر باز اور ہوس پرست شخص ہے جس نے اپنی عمر ساز وآواز اور عیش وعشرت میں گزاری ہے۔ کیا ہی اچھا ہوتا کہ تم اس کام سے صرفِ نظر کرتے اور اپنے گناہ کے بوجھ کو اور گراں بار نہ بناتے''۔ [1]

معاویہ کے نام امام حسینؑ کا خط

امام حسینؑ نے ایک مفصل خط معاویہ کو لکھا اور ان کے بڑے بڑے جرائم کو یاد دلاتے ہوئے جن میں سرفہرست پرہیزگار بزرگ اور صالح اصحاب کا قتل اور شیعیان علیؑ کا قتل تھا، فرمایا: ''اے معاویہ تمھارا کہنا ہے کہ میں اپنی رفتار ودین اور امت محمدؐ کا خیال رکھوں اور

---

[1] (الامامہ والسیاسہ ج۱/۱۶۰۔۱۶۱)

اس امت میں اختلاف وفتنہ پیدا نہ کروں۔ میں نہیں جانتا کہ امت کے لئے تمہاری حکومت سے بڑا کوئی اور فتنہ ہوگا۔ جب میں اپنے فریضہ کے بارے میں سوچتا ہوں اور اپنے دین اور امت محمدؐ پر نظر ڈالتا ہوں تو اس وقت اپنا عظیم فریضہ یہ سمجھتا ہوں کہ تم سے جنگ کروں...'' پھر آخر میں فرمایا:

تمھارے جرائم میں غیر قابل معافی ایک جرم یہ ہے کہ تم نے اپنے شراب خوار اور کتوں سے کھیلنے والے بیٹے کے لئے لوگوں سے بیعت لی ہے''۔ [1]

منیٰ میں امام حسینؑ کی تقریر

معاویہ کی حکومت کے آخری زمانہ میں سرزمین منیٰ پر نوسو سے زیادہ افراد کے مجمع میں، جس میں بنی ہاشم اور اصحاب رسولؐ میں سے بزرگ شخصیتیں شامل تھیں۔۔۔امام حسینؑ نے ملک پر حکومت کرنے والے نظام کے بارے میں استدلالی بیان کے ذریعہ بحث کی اور ان سے یہ خواہش کی کہ ان کی باتوں کو دوسروں تک پہنچائیں اور اپنے شہروں میں واپس پہنچ جانے کے بعد اپنے نظریہ سے امامؑ کو مطلع کریں۔ امام حسینؑ نے معاویہ کو اپنی تنقید کا نشانہ بناتے ہوئے اپنی تقریر کا آغاز کیا اور ملت اسلامیہ کے خصوصاً پیروانِ علیؑ کے بارے میں معاویہ جن جرائم کے مرتکب ہوئے تھے ان کو یاد دلایا۔ [2]

عراق کی روانگی سے پہلے امام حسینؑ کی تقریر

آٹھویں ذی الحجہ کو عراق روانگی سے پہلے امام حسین علیہ السلام نے لوگوں کے ایک مجمع میں حج سے باز رہنے اور عراق کی طرف جانے کی تشریح کی اور فرمایا:

---

[1] (الامامہ والسیاسہ ج ۱/۱۵۶، انساب الاشراف ج ۲، ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان، بحار الانوار جلد ۴۴/۲۱۲)

[2] (اصل سلیم بن قیس/۱۸۳۔۱۸۶ مطبوعہ نجف)

''ایک دلہن کے گلے کے ہار کی طرح موت انسان کی گردن سے بندھی ہوئی ہے میں اپنے بزرگوں کا اس طرح مشتاق ہوں جس طرح یعقوب یوسف کے مشتاق تھے۔ میں یہیں سے اس جگہ کا مشاہدہ کر رہا ہوں جہاں میں شہادت پاؤنگا اور بیابانی بھیڑیئے میرے بدن کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیں گے'' پھر فرماتے ہیں: ''جو لوگ اس راستہ میں خون دینے اور خدا سے ملاقات کرنے کے لئے آمادہ ہیں وہ میرے ساتھ آئیں میں انشاء اللہ صبح سویرے روانہ ہو جاؤں گا''۔ [1]

کیا درمیان راہ کی ان تمام تقریروں' کربلا میں اور شب عاشورا اپنے اصحاب کو رخصت کر دینے اور ان کی بیعت سے چشم پوشی کرنے کے باوجود یہ کہنا روا ہے کہ ہم امام کے قیام کو ایک ناگہانی دھماکہ سمجھ لیں؟ وہ لیڈر جو لوگوں کے غم وغصہ اور ناراضگی سے فائدہ حاصل کرنا چاہتا ہو کیا وہ ایسی باتیں زبان پر لا سکتا ہے۔

انقلاب کے اثرات ونتائج

دوسرا اہم مسئلہ یہ ہے کہ کیا حسینی انقلاب اس وقت کے معاشرہ کو کوئی فائدہ پہونچا کر ضروری کامیابی حاصل کر سکا یا دنیا کے بہت سے شکست خوردہ انقلابات کی طرح ناگہانی طور پر شعلہ ور ہوا اور پھر بجھ کر رہ گیا؟

عاشور کے انقلاب کے اثرات کو سمجھنے کے لئے ہم کو فوری یقینی کامیابی یا حکومت پر قبضہ اور

---

[1] (لھوف ۱/۱۴' بحار جلد ۴۴/۳۶۶۔۳۶۷' مناقب ۴/۲۹)" خطَّ الموت علی ولد آدام مَخطَ القِلادَۃ علی جید الفتاۃ وَماأوْلھَنی اِلیٰ اَسْلافی اِشْتِیاقَ یَعقُوبَ الیٰ یوُسُفَ ،وَخُیّرَ لیْ مصْرعٍ اَنَا لاقیه ، کانّی بِاَوْصٰالي یَتَقَطَّعُھا عَسَلانُ الْفَلْواتِ بَیْنَ النَّوادیس و کَرْبَلا من کان فینا با ذلاً مھجته موطّنًا علیٰ لقاء اللّٰه نفسه فلیرحَلْ معنا فانّی راحِل مصبحاً انشاء اللّٰه ۔"

قدرت حاصل کر لینے کی (منطق) سے ماوراء ڈھونڈھنا چاہئے' اس لئے کہ وہ دلائل موجود ہیں جو اس بات کا پتہ دیتے ہیں کہ ابوعبداللہ الحسینؑ اس سرنوشت سے آگاہ تھے جس کا وہ انتظار رکزر ہے تھے۔ بنابراین فوری کامیابی قیام حسینی کا مقصد نہیں تھی۔ آپ جانتے تھے کہ ان حالات میں فوری طور پر ایک جنگی کامیابی ممکن نہیں ہے۔

ان مطالب کے مجموعے سے یہ پتہ چلتا ہے کہ ہم کو انقلاب حسینی سے ایسے نتائج کی توقع نہیں ہونی چاہئے جو عام طور پر سارے انقلابات سے حاصل ہوتے ہیں بلکہ ہم کو آپ کے انقلاب کے اثرات ونتائج کو مندرجہ ذیل باتوں میں ڈھونڈھنا چاہئے:

۱۔ امویوں کے جھوٹے دینی نفوذ کو منقطع کرنا اور زمانہ جاہلیت کی بے دینی والحاد کی اس روح کو واضح کرنا جو حکومت اموی کے' مخالف اسلام اعمال کی توجیہ کرتی تھی۔

۲۔ ہر ایک مسلمان کے ضمیر میں گناہ کے احساس کو عام کرنا اور اس کو اپنے اوپر تنقید کرنے کی حالت میں تبدیل کر دینا تا کہ اس کی روشنی میں معاشرہ اور زندگی میں ہر آدمی اپنی حیثیت کو معین کرے۔

۳۔ اسلامی معاشرہ میں پھیلنے والی بری باتوں کے خلاف مبارزہ اور جنگ کی روح کو اس غرض سے برانگیختہ کرنا کہ اسلامی قدروں کا اعادہ اور اس کا استحکام ہو جائے۔

الف۔ امویوں کے جھوٹے دینی نفوذ کو ختم کرنا

امویین یہ دکھانے کے لئے کہ وہ پیغمبر کے جانشین ہیں اور انکی حکومت' خدا کے تعیین کردہ احکام کے مطابق ہے' لوگوں کے دینی عقائد سے فائدہ حاصل کر رہے تھے اور ان کا مقصد تھا کہ ہر طرح کی ممکنہ تحریک کی پہلے ہی سے مذمت کی جائے اور دین کے نام پر اپنے

لئے اس حق کے قائل ہو جائیں اور ہر طرح کے تمرّد کو چاہے وہ اپنی سمجھ سے کتنے ہی حقدار کیوں نہ ہوں، ختم کر دیا جائے۔

اس غرض سے وہ زبان پیغمبرؐ سے منسوب جھوٹی حدیثوں کے ذریعہ لوگوں کو دھوکہ دیتے۔۔اس طرح۔۔لوگوں کا حکومت اموی پر ایسا ایمان ہو گیا تھا کہ وہ لوگ حدود دین سے چاہے جتنے بھی خارج کیوں نہ ہو جائیں، لوگ پھر بھی اموی حکومت کے خلاف قیام کو حرام سمجھتے تھے۔

امویوں نے اپنے کثیف اعمال پر کس حد تک دین کا پردہ ڈال رکھا تھا اس کو واضح کرنے کے لئے ہم یہاں انقلاب حسینی سے دو تاریخی نمونے نقل کر رہے ہیں۔

۱۔ ابن زیاد نے لوگوں کو مسلم کی مدد سے روکنے کیلئے جو خطبہ دیا اس میں اس نے کہا:

"واعتصموا بطاعة الله وطاعة ائمتكم"۔

"خدا اور اپنے پیشوا (ائمہ) کی اطاعت کرو"۔ [1]

۲۔ عمرو بن حجاج زبیدی۔۔کربلا میں اموی سپاہ کے کمانڈروں میں سے ایک کمانڈر نے جب دیکھا کہ بعض سپاہی حسینؑ سے مل کر ان کی رکاب میں جنگ کر رہے ہیں تو اس نے چلا کر کہا: "اے اہل کوفہ! اپنے امیر کی اطاعت کرو اور جماعت کے ساتھ رہو اور اس کو قتل کرنے کے سلسلہ میں اپنے دل میں کوئی شک نہ آنے دو جو دین سے خارج ہو گیا اور جس نے امام کی مخالفت کی"۔ [2]

ایسے ماحول میں نقلی دینی نفوذ کو منقطع کرنے کے لئے سب سے زیادہ اطمینان بخش راستہ یہ

---

[1] (تاریخ طبری ج ۵/۳۶۸، بحار ۴۴/۳۴۸)

[2] (تاریخ طبری ج ۵/۴۳۵، کامل ابن اثیر ج ۴/۶۷)

تھا کہ کوئی ایسا شخص اس کے خلاف قیام کرے جو تمام افراد ملت کی نظر میں مسلم دینی امتیازات کا حامل ہوتا کہ حکومت اموی کے کریہہ چہرہ سے دینی نقاب اتار کر پھینک دے اور اس کی گندی ماہیت کو آشکار کر دے۔

ایسا مجاہد فی سبیل اللہ سوائے حسین بن علیؑ کے اور کوئی دوسرا نہ تھا اس لئے کہ آپ کا دوسروں کے دلوں میں نفوذ و محبوبیت اور خاص احترام تھا۔ انقلاب حسینؑ کے بالمقابل یزید کے رد عمل نے اسلام اور اموی حکومت کے درمیان حد فاصل کھینچ دی اور اموی حکومت کی حق کے خلاف ماہیت کو روشن کر دیا۔ جو مظالم بنی امیہ نے حسینؑ ان کے اصحاب اور ان کے اہل بیتؑ پر ڈھائے تھے اس کی وجہ سے ان کے وہ سارے دینی اور مذہبی رنگ مکمل طور پر اڑ گئے جو انہوں نے اپنے اوپر چڑھا رکھے تھے اور اس کام نے ان کی مخالف دین ماہیت کو آشکار کر دیا۔

حسین ابن علیؑ نے اپنی مخصوص روش سے امویوں کی دینی پالیسی کو خطرہ میں ڈال دیا انہوں نے جنگ شروع کرنے کے لئے اصرار نہیں کیا اور امویوں کو اس بات کی فرصت دی کہ وہ ان کو اور ان کے اصحاب کو قتل کرنے سے گریز کریں لیکن ان لوگوں کو حسینؑ اور ان کے اصحاب کا خون بہانے کے علاوہ اور کچھ نہیں منظور تھا۔ اور یہی بات امویوں کی زیادہ سے زیادہ رسوائی کا باعث بنی۔

انہوں نے حسینؑ کے ساتھ سختی سے کام لے کر درحقیقت اسلام سے جنگ کی اور حسینؑ ابن علیؑ نے بھی اس بات سے مناسب فائدہ اٹھایا اور ہر مناسب موقع پر اس نکتہ پر تکیہ کیا اور اپنی درخشاں موقف کو مسلمانوں کے سامنے پیش کیا۔

ب۔ احساس گناہ

انقلاب حسینؑ کا دوسرا اثر مخصوصاً اس کا اختتامی نقطہ تمام افراد میں احساس گناہ کا پیدا کرنا اور ضمیر کی بیداری تھی جس کے بعد وہ آپ کی مدد کے لئے دوڑ پڑے، لیکن نہیں آئے' گنہگار ہونے کا احساس اور وجدان و عقل کی توبیخ و سرزنش' ان لوگوں کے دلوں میں جنہوں نے مدد کا وعدہ کر کے مدد نہیں کی' اسی کربلا کے عصر عاشور سے ابن زیاد کے لشکر کے درمیان عامل قوی تھا۔۔اس احساس گناہ کے دو پہلو ہیں' ایک طرف یہ احساس' گنہگار کو اپنے جرم و گناہ کے جبران پر ابھارتا ہے اور دوسری طرف ایسے گناہ کے ارتکاب کا سبب بننے والوں کے لئے لوگوں کے دلوں میں کینہ اور عداوت پیدا کرتا ہے۔

ضمیر کی بیداری اور گناہ کا احساس ہی تھا جس نے انقلاب کے بعد بہت سی اسلامی جمعیتوں کو۔۔اپنے گناہ کا جبران کرنے کی غرض سے ۔۔کوششیں کرنے پر ابھارا اور امویوں کے بارے میں لوگوں کے دلوں میں زیادہ سے زیادہ کینہ اور عداوت پیدا کیا۔

اس وجہ سے واقعۂ کربلا کے بعد امیوں کو متعدد انقلابات سے روبرو ہونا پڑا ان سب کا سرچشمہ ان کا اصلی سبب انقلاب حسینؑ' انقلابی افراد کا امویوں کی مدد سے انکار اور ان سے انتقام لینے کا جذبہ تھا۔

امام حسینؑ کے پس ماندگان کی اسیری کے زمانہ کی تقریریں بھی اس سلسلہ میں بہت مؤثر ثابت ہوئیں۔

ج۔ روح جہاد کی بیداری

حسینؑ ابن علیؑ کی شہادت کے بعد جنگ و مبارزہ کی روح امت اسلامی میں جاگ

اٹھی۔ انقلاب سے پہلے انفرادی اور اجتماعی بیماریوں کا ایک سلسلہ' اسلام کے تحفظ کی راہ میں مسلمانوں کے انقلاب لانے سے مانع تھا۔ لیکن امام حسینؑ کے انقلاب' انقلاب کی تمام انفرادی واجتماعی رکاوٹوں کو توڑ دیا اور اسلام کے پیکر میں ایک نئی روح پھونک دی۔

حسینؑ بن علیؑ کے انقلاب کے بعد بہت سی ایسی تحریکیں معرض وجود میں آئیں جن کو اسلامی معاشرہ کے افراد کی پشت پناہی اور حمایت حاصل تھی۔ ذیل میں ہم ان تحریکوں میں سے چند کا ذکر کریں گے۔

۱۔ شہادت حسینی کا پہلا براہ راست ردِّ عمل پیغمبر کے ایک صحابی سلیمان بن صرد کی قیادت میں انقلاب توابّین کے نام سے شہر کوفہ میں ظاہر ہوا۔ اس تحریک میں بزرگ شیعوں اور امیر المومنینؑ کے اصحاب میں سے ایک گروہ نے شرکت کی۔

توابین کی تحریک سنہ ۶۱ ہجری سے شروع ہوئی اور یزید کی زندگی تک پوشیدہ طور پر لوگوں کو خون حسینؑ کا بدلہ لینے کے لئے دعوت دیتی رہی۔ ان لوگوں نے یزید کے مرنے کے بعد احتیاط اور پوشیدگی کو ختم کر دیا اور اعلانیہ طور پر اسلحہ اور لشکر جمع کر کے آمادۂ کارزار ہو گئے انکا نعرہ ''یالثارات الحسین'' تھا ان کے قیام کا جو شیوہ تھا اس سے ان کی پاک بازی اور اخلاص کا پتہ چلتا تھا۔ [1]

۲۔ انقلاب توابین کے بعد انقلاب مدینہ شروع ہوا۔ حضرت زینب کبریٰؑ مدینہ واپسی کے بعد انقلاب کی کوشش کرتی رہیں اس طرح کہ مدینہ میں یزید کا مقرر کردہ حاکم مدینہ کے حالات کے خراب ہونے سے خوف زدہ ہو گیا اور جناب زینبؑ کی فعالیت کی رپورٹ اس نے یزید کو بھیجی' یزید نے جواب میں لکھا کہ ''لوگوں کے ساتھ زینبؑ

---

[1] انقلاب توابین کے واقعہ کی تفصیل طبری نے اپنی تاریخ کی جلد ۵/۵۵۱۔۵۶۸ پر لکھا ہے۔

جو رابطہ قائم کر رہی ہیں اس کو منقطع کر دو"۔ [1]

اسی زمانہ میں اہل مدینہ کی نمائندگی کرتے ہوئے ایک وفد شام پہونچا اور واپس آنے کے بعد اس نے اہل مدینہ کے مجمع میں تقریر کی اور یزید پر ان لوگوں نے تنقید کی' ان کی روشنی پھیلا دینے والی تقریروں کے بعد اہل مدینہ نے قیام کیا' یزید کے گورنر کو ان لوگوں نے مدینہ سے نکال دیا پھر یزید کے حکم سے شام کی خون کی پیاسی سپاہ نے شہر مدینہ پر حملہ کر دیا اور نہایت سختی اور خباثت کے ساتھ اس نے قیام مدینہ کو کچل ڈالا۔ اور لشکر کے سپہ سالار نے تین دن تک مدینہ کے مسلمانوں کی جان' مال اور عزت آبرو کو اپنے سپاہیوں کے لئے مباح قرار دیا۔ [2]

اس کے بعد سنہ ۶۷ ہجری میں "مختار ابن ابی عبیدہ ثقفی" نے عراق میں انقلاب برپا کیا اور خون حسینؑ کا انتقام لیا۔

اس طرح مختلف تحریکیں اور انقلابات ایک دوسرے کے بعد رونما ہوتے رہے یہاں تک کہ بنی امیہ کے خاتمہ پر یہ سلسلہ ختم ہوا۔

---

[1] (زینب کبریٰ تالیف جعفر النقدی ۱۲۰/' ثورۃ الحسین تالیف محمد مہدی شمس الدین)

[2] (طبری ۴۸۲/۵' کامل ابن اثیر ۱۱۱/۴۔۱۱۳، اور یہ واقعہ تاریخ میں واقعہ حرہ کے نام سے مشہور ہے۔)

فہرست کتاب

عزاداری مظلوم کی حمایت کرنے کی دعوت ہے ---------- ایک

امام حسینؑ شہید کربلا ---------- ۱

امام حسینؑ چار خلفاء کے عہد میں ---------- ۱۰

امیر المؤمنین علیہ السلام کی امام حسینؑ کیلئے وصیت ---------- ۱۶

امام حسینؑ اپنے بھائی امام حسنؑ کے ساتھ ---------- ۱۸

غزوۂ قسطنطنیہ ---------- ۲۱

امام حسینؑ اور معاویہ کے اہلکار ---------- ۲۳

امام حسینؑ کی سخاوت وعبادت ---------- ۲۵

یزید بن معاویہ کے ولی عہد ہونے کے متعلق امام حسینؑ کا موقف ---------- ۴۳

امام حسینؑ عہد یزید میں ---------- ۶۲

امام حسینؑ مکہ میں ---------- ۶۸

مسلم بن عقیلؓ کے ساتھ غداری ---------- ۷۴

امام حسینؑ کی مکہ سے عراق روانگی ---------- ۷۸

امام حسینؑ کا سر اقدس ---------- ۱۰۴

صلح حسنؑ اور جہاد حسینؑ پر ایک نظر ---------- ۱۱۳

شہادت امام حسینؑ کی شیعہ تعبیر ---------- ۱۳۵

ڈاکٹر احمد صبحی وغیرہ کی نظر سے ---------- ۱۳۵
شیعہ اور محرم کا پہلا عشرہ ---------- ۱۴۲

تاریخ حیات وقیام امام حسینؑ

تاریخ حیات وقیام امام حسینؑ ---------- ۱۴۸
امام حسینؑ کی سوانح عمری ---------- ۱۴۹
ولادت ---------- ۱۴۹
پیغمبرؐ کے دامن میں ---------- ۱۴۹
والد ماجد کے ساتھ ---------- ۱۵۰
بھائی کے ساتھ ---------- ۱۵۱
اخلاقی فضائل ومناقب ---------- ۱۵۲
امام حسینؑ معاویہ کے زمانہ میں ---------- ۱۵۴
قیام حسینیؑ ---------- ۱۵۵
کوفہ سے دو خط ---------- ۱۵۷
مسلم بن عقیلؓ کی شہادت ---------- ۱۵۹
ظلم کے خلاف عظیم ترین قیام ---------- ۱۶۰
شہادت ---------- ۱۶۰
زندۂ جاوید روداد ---------- ۱۶۲

امام حسینؑ نے معاویہ کے زمانہ میں قیام کیوں نہیں کیا؟ ۱۵۶
معاویہ اور یزید کی سیاست میں فرق ۱۶۶
انقلاب کی ماہیت ۱۶۹
یزید کیلئے بیعت لیتے وقت امامؑ کی تقریر ۱۷۱
معاویہ کے نام امام حسینؑ کا خط ۱۷۱
منیٰ میں امام حسینؑ کی تقریر ۱۷۲
عراق کی روانگی سے پہلے امام حسینؑ کی تقریر ۱۷۲
انقلاب کے اثرات ونتائج ۱۷۳
الف۔امویوں کے جھوٹے دینی نفوذ کو ختم کرنا ۱۷۴
ب۔احساس گناہ ۱۷۷
ج۔روح جہاد کی بیداری ۱۷۷
فہرست کتاب ۱۸۰

تفسیر قیام حضرات حسنین علیہما السلام

تألیف

فقیہ ناطق حضرت آیۃ اللہ العظمیٰ سیّد محمد فضل اللہ دام ظلہ العالی

☆ صالح رہبرانِ کی معاشرے میں ناکامی اور فقدان کے اسباب وعلل کیا ہیں؟

☆ ہم کیا جانتے کون حق بولتا یا لکھتا ہے؟ اور کون باطل ہے؟ یہ باتیں آج کل ہر مسلمان کا اپنی دینی، شرعی اجتماعی ذمہ داری سے فرار کرنے کیلئے ایک عام بھانہ ہے کیا قرآن وسنت میں حق وحقیقت کی کوئی کسوٹی بیان نہیں ہوا ہے؟

☆ بعض مراجع عظام کے فتاویٰ کے بارے میں آنحضرات سے چند سوالات؟

☆ کیا امام حسنؑ ایک مسالمہ آمیز اور صلح پسند اور امام حسینؑ شدّت پسند تھے؟ حقیقت کیا ہے؟ دلائل؟

☆ عصر امام حسنؑ اور عصر امام حسینؑ کے حالات میں کیا فرق تھا؟

☆ مصائب امام حسینؑ پر گریہ وبکاء کرنے کے باوجود امام حسینؑ سے ان کا کسی قسم کا رشتہ نہیں؟ یہ کون لوگ ہیں؟

☆ خود کو دیندار، اہل تقویٰ اور مؤمن جاننے والوں کی حقیقتِ دینداری کب اور کیسے کشف ہوتی ہے؟

☆ لاپرواا اور غیر جانبدار لوگ معاشرو دین کے خطرناک ترین عناصر ہیں۔ کیوں؟ کیسے؟

☆ طلب اصلاح یعنی کیا؟ امت جد کی اصلاح کی ضرورت کیوں؟ اور کیسے؟

☆ ... ہر روز ایک ہزار امام حسینؑ کو شہید کرتے ہیں؟ .. ☆ ہم عاشورا کیوں کیسے اور کب برپا کریں؟

☆ امام حسینؑ اپنی جنگ کا آغاز مسالمت ومصالحت سے فرمایا کیوں؟ کیسے؟

☆ کوفہ کے محبین اہل بیتؑ نے امام حسینؑ کی نصرت سے کیوں باز رہیں؟ پہلا عنصر، دوسرا عنصر؟

☆ آج ہم کس کے حامی ومدافع ہیں امام حسینؑ کے یا لشکر عمرِ سعد کے؟

☆ دین سے ہمارا کیا توقع اور امید ہونی چاہیئے؟

☆ وہ کونسے شائستہ اعمال ہیں جو ہمیں ایامِ عزاء امام حسینؑ میں انجام دینے چاہیئے؟

☆ امام حسینؑ کا مقصد اصلاح معاشرہ تھا یا تغیر نظام؟

تلاش گم شدهٔ

مجالس و محافل اور عزادارانِ حسینؑ

تقدس ، حقیقت گوئی اور حقیقت طلبی

☆ امام حسینؑ کا قیام سیاسی تھا اس سے مراد کیا ہے؟

☆ امام حسینؑ اسلامی حکومت کے خدوخال کو کہاں اور کیا بیان فرمایا؟

☆ امام حسینؑ نے واپسی کیلئے کیا تجاویز پیش فرمایا؟

☆ دین میں ایک مسلمہ اصول تقیہ ہے جو خطرات کے موقع پر خود کو اور اپنے دین کو بچانے کا ایک مؤثر ذریعہ ہے آخر امام حسینؑ نے تقیہ کے خلاف اقدام کیوں کیا؟ اور اصول تقیہ کو کیوں نظر انداز کیا؟

☆ کیا امامؑ کا قیام غیر شرعی اور غیر عقلی تھا؟

☆ کیا ہماری مشکلات و مسائل کا کوئی حل قیام امام حسینؑ میں موجود ہے؟

☆ کیا امامؑ کا مقصد قیام حصول شہادت تھا یا کسی اور ارفع و اعلیٰ مقصد کے حصول کیلئے آپؑ نے قیام فرمایا تھا؟

☆ امام حسینؑ امت کے گناہ بخشوانے کے لئے فدا ہوئے یہ نقطہ نظر کیا صحیح ہے؟ اگر صحیح ہے تو اس کی کوئی دلیل قرآن وسنت اور عقل سے ملتی ہے؟

☆ خداوندِ عالم کی طرف سے امام حسینؑ کو ایک مخصوص حکم ملا تھا اور امام اس فریضہ کی انجام دہی کی خاطر دشمنوں کے ہاتھوں شہید ہونے کیلئے کربلا پہنچے کیا اس نظر کے صحیح یا غلط ہونے کی مضبوط دلیل ہے؟

☆ کیا یہ ممکن ہے کہ جو لوگ پیغمبر اسلامؐ کے حقیقی عاشق ہوں وہی لوگ صرف پچاس سال گزرنے کے بعد اسی پیغمبر اکرمؐ کے فرزند عزیز کو قتل کرنے پر راضی ہو جائے؟

☆ پیغمبر اکرمؐ کی رحلت کے پچاس سال بعد کیا ہوا کہ اسلامی معاشرہ اس حد تک جا پہنچا کہ ناچار امام حسینؑ جیسی شخصیت کو معاشرے کی نجات کیلئے اپنی جان کی قربانی دینی پڑی؟ اور.....اور...

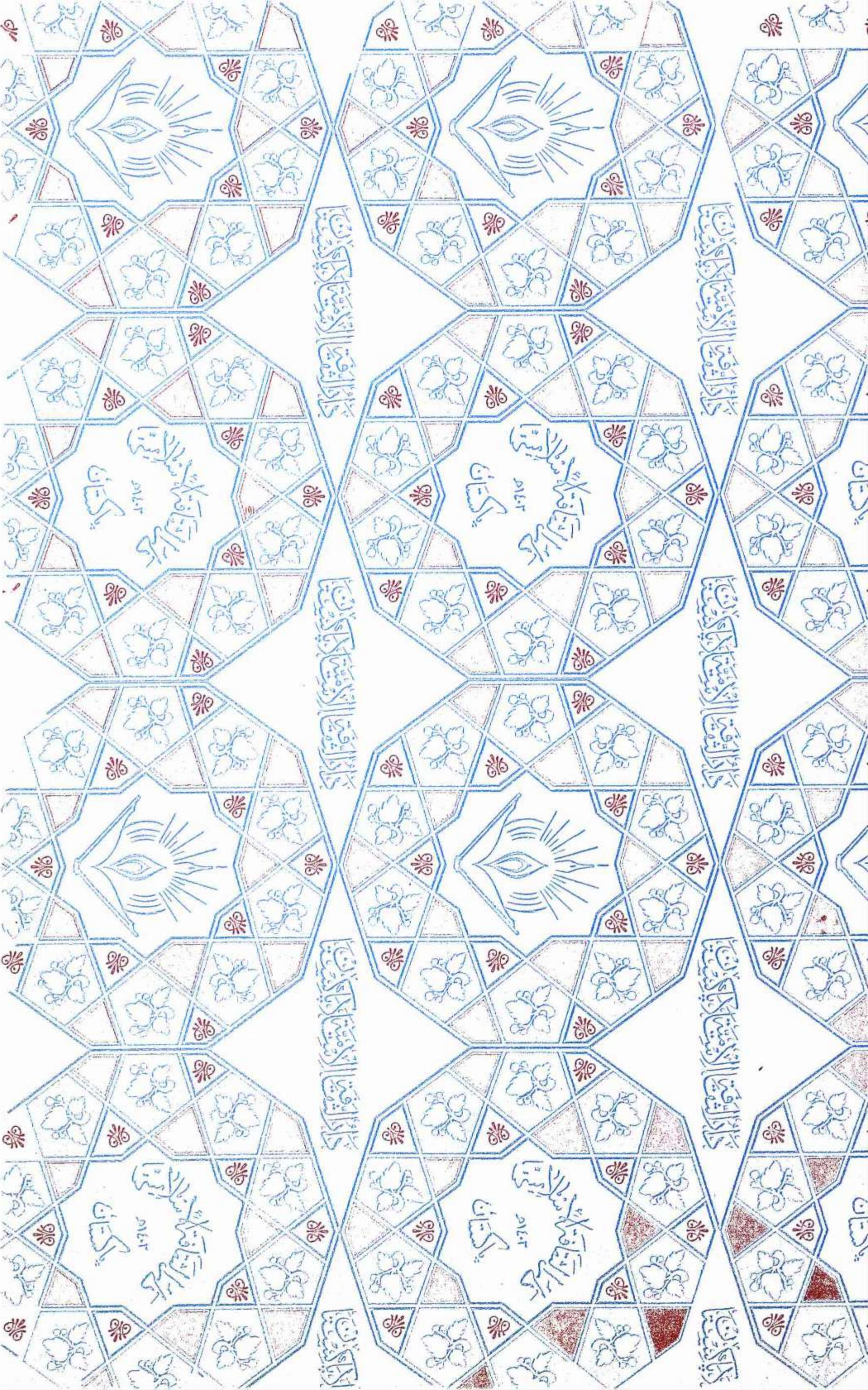

دار الثقافة الإسلامية باكستان

دار الثقافة الإسلامية
١٤٠٣هـ
باكستان

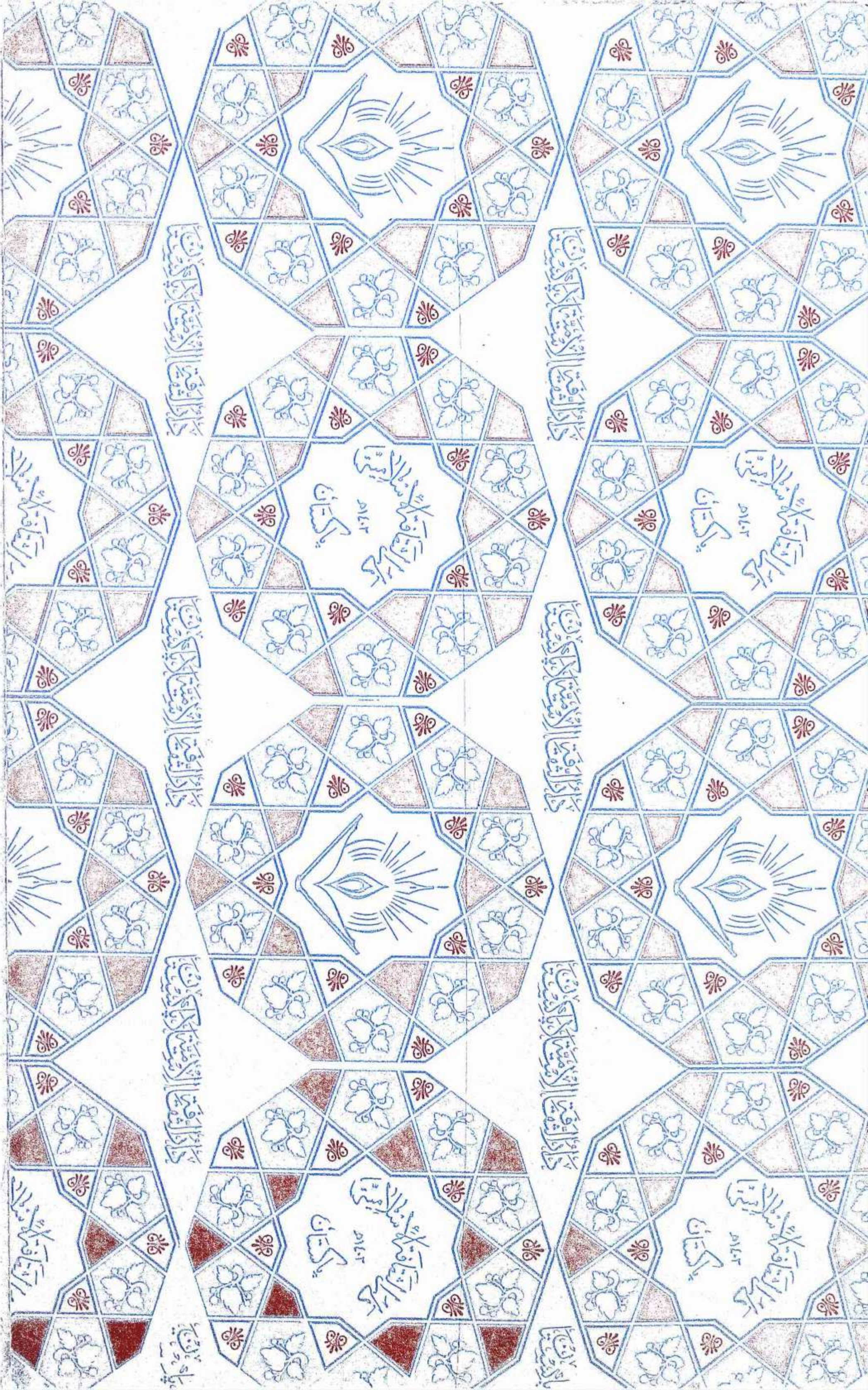

ہم حیات و قیام اور عزائے امام حسینؑ کے بارے میں کیا جانتے ہیں